ساری بھول ہماری تھی

راحت جبیں





راحت جبیں

خواتین ڈائجسٹ

37۔ اُردو بازار، کراچی

بار اوّل 2013

ناشرین .... خواتین ڈائجسٹ

پریس .... پرنٹ لائن

قیمت ....: 300 روپے

سول ایجنٹ:

مکتبۂ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار کراچی

انتساب

چھوٹی بہن سمیرا شوکت کے نام

وہ محبتوں سے گندھی لڑکی ہمارے بچوں کی ''میرا خالہ'' جو امی ابو کی خدمت
میں ہم سب پر سبقت لے گئی، جو محبت کے ساتھ رشتے نبھانے کا ہنر خوب
جانتی ہے۔ خدا اُس کے دل کو ہمیشہ محبت کی سبز خوشبو سے شاد و آباد رکھے۔

دعا گو
راحت جبیں

پیش لفظ

''سنو! تم میری ماما سے کہہ سکتی ہو کہ میں کل تمہارے ساتھ تمہارے گھر گئی تھی۔'' میں نے سر اٹھا کر اُن نوخیز چہروں کے عقب کی کہانی کھوجنے کی سعی کی۔

''کیوں؟''

''میری کزن نے کل مجھے ''اس'' کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔''

میں ساکت سی رہ گئی۔ میں انہیں روکنا چاہتی تھی۔ انہیں بتانا چاہتی تھی کہ ''اے نوخیز تتلیو! یہیں رک جاؤ۔ ورنہ تمہارے پر جل جائیں گے۔۔۔ کہکشاں سمجھ کر جس رستے پر قدم رکھا ہے۔۔۔ وہاں پاؤں فگار ہوتے ہیں۔

وہ مجھ سے دور جا چکی تھیں اور میں آنکھوں میں آئی دھند کے پار سفید یونیفارم میں موجود دو لڑکیوں کو دیکھ رہی ہوں۔۔۔ میرا ماضی میرا ہاتھ پکڑ کر مسکرا رہا ہے۔ جہاں میں اور فاخرہ اپنے اپنے بیگ کندھوں پر لٹکائے، فائل ہاتھوں میں پکڑے اپنے نئے نئے جوگرز کو دیکھ رہی تھیں۔

آج کالج میں پہلا دن تھا۔۔۔

''امی السلام علیکم! ابائی السلام علیکم!''

اور ابائی کا ہاتھ ہم دونوں کے سروں پر باری باری ٹھہرا۔ (تب وہ ہاتھ اتنا بوڑھا نہیں تھا۔)

''بیٹا! سیدھے کالج جانا اور سیدھے گھر آنا ہے۔''

اس ایک جملے کی نصیحت نے ہمارے گرد حدود و قیود کی جو حد باندھی۔ تو پھر ایک قدم اِدھر سے اُدھر نہ پڑا۔ کیوں کہ میرا ایمان ہے جب کوئی اپنے ماں باپ کو دھوکا دیتا ہے تو دراصل وہ یہ دھوکا خود کو دے رہا ہوتا ہے۔ میں یہی سوچ، یہی مضبوطی ہر لڑکی میں دیکھنا چاہتی ہوں۔

اپنے حق کے لیے لڑو، جدوجہد کرو کہ یہ تمہارا حق ہے۔

مگر جیت نہ سکو تو ہار جاؤ۔ مگر کوئی تیسرا رستہ اختیار نہ کرو۔ کیوں کہ بیٹیاں پھول ہیں، تتلیاں ہیں، آنگن کی چڑیا ہیں، مگر بیٹیاں اپنے والدین کا فخر و غرور بھی ہوتی ہیں۔ اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک بھی ہوتی ہیں۔

مجھے اس کہانی کے بارے میں کچھ نہیں کہنا۔۔۔ کیوں کہ اسے آپ لوگ پڑھ چکے، جو کچھ میں نے لکھا اُسے سمجھ بھی چکے۔ اس میں ہر کردار کا انجام بہت مثبت ہے۔۔۔ کیوں کہ کتنا ہی غلط ہو جائے اگر زندگی ہے تو اللہ راستے نکال ہی دیتا ہے۔ ہم میں سے ہر کوئی غلطیاں کرتا ہے، خمیازہ بھگتتا ہے اور احساس کے بعد پھر سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ یہی زندگی ہے، یہی زندگی کا چلن۔

یہ کہانی میرے موسموں کی روایتی کہانی سے مختلف ہے۔۔۔ کیوں کہ مجھ پر کچھ حق میرے قلم کا بھی ہے۔۔۔ اب میں صرف راحت نہیں، اُم ایبہا بھی تو ہوں۔۔۔ ایک بیٹی کی ماں۔۔۔

مجھے اپنے قارئین پر بھروسا ہے۔ وہ میرے روایتی چلن سے ہٹ کر لکھی کہانیوں کو بھی اُتنی ہی محبت سے پڑھیں گے۔

خدا کرے سبز موسم ہمیشہ سب کے آنگن میں کھلتے رہیں۔ آمین۔

آپ کی دعاؤں کی طلب گار

راحت جبیں

ساری بھول ہماری تھی

کالج وین عین دروازے کے سامنے رکی۔ وین میں ایک ہی لڑکی تھی، جو فائل اور بیگ تھامے باہر آگئی۔ اس کے گھر تک آتے آتے وین پوری خالی ہو جاتی تھی اور آج تو مریم نے بھی چھٹی کی تھی۔ سفید یونیفارم پر میرون جرسی اور سفید دوپٹہ اوڑھے جس کے چاروں طرف میرون گوٹ لگی تھی۔ عریشہ کے ہر ہر انداز میں الھڑپن اور لاپروائی نمایاں تھی۔

"اوں... امی ابھی تک نہیں آئیں۔" دروازے پر لگا تالا دیکھ کر عریشہ نے بے زاری سے سوچا... وین فراٹے بھرتی چلی گئی۔ عام طور پر عادلہ اس کے آنے سے قبل گھر پہنچ جاتی تھیں، مگر کبھی کبھار دیر ہو جاتی تو اضافی چابی عریشہ کے پاس بھی موجود ہوتی تھی۔ اس نے بیگ کھنگال کر چابی نکالی اور دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ عادلہ صبح صفائی کر کے جاتی تھیں۔ سو سارا گھر صاف ستھرا تھا۔ بیگ رکھ کر ہاتھ منہ دھوتی وہ کچن میں آگئی۔ پتیلی کا ڈھکن اٹھایا تو سامنے بینگن منہ چڑا رہے تھے۔

"موسم بدل گیا، مگر یہ سبزی جان نہیں چھوڑے گی۔" اس نے منہ بنایا اور کچن بند کر کے باہر آگئی۔ دیوار کے دوسری طرف سے تایا کی گونج دار آواز ابھری۔

"میں نے کہا، آج رات کا کھانا ملے گا یا نہیں۔"

عریشہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ دوسری طرف صحن میں بیٹھی ناشپاتی کھاتی تائی جی بھڑک کے بدمزا ہوئیں۔

"ان کی تو مت ہی ماری گئی ہے۔ دوپہر کے وقت رات کا کھانا یاد کر رہے ہیں۔"

"اس بڈھی کا بس چلے تو میری زبان ہی کاٹ دے۔" وہ تلملائے۔

"ہاں... کسی دن اپنا نام برکت حسین کی جگہ برکت بی بی بتاتا۔" وہ اپنی بات پر خود ہی ہنسیں اور دیر تک ہنستی چلی گئیں۔ تایا کو گویا پتنگے لگ گئے۔

"تجھ جیسی نا ہنجار عورتیں جہنم میں جائیں گی، جو شوہروں کی سرعام بے عزتی کرتی ہیں۔"

"ارے... میں نے کون سا ڈانگ مار دی۔"

"اچھا... یہ حسرت بھی ہے، یا اللہ! مجھے اٹھا لے یا اس عورت کو۔"

"ہائے ہائے... صرف اپنی بات کرو۔ ہم نے تو ابھی زندگی میں بہت کچھ دیکھنا ہے۔" تائی بدکیں۔

"ہاں... تیری تو یہی خواہش ہے کہ میں کسی دن سوتا ہی نہ اٹھوں، ننھی بچی بنتی ہے۔"

ڈیوڑھی میں موجود دوسرا دروازہ کھول کر عریشہ اندر آئی تو ہنستے ہنستے بے حال ہو رہی تھی۔ گویا ساری مہذب

گفتگو دیوار کے دوسری طرف بھی سنائی دی تھی۔ عین سامنے بیٹھک کا دروازہ کھلا تھا اور تایا حقے کی نے منہ میں دبائے پلنگ پر دراز تائی پر جوابی حملے کر رہے تھے۔
"تایا جی! اتنا غصہ صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔"
"چپ کر! استانی کی اولاد! آجاتی ہے سبق پڑھانے۔" انہوں نے ڈپٹا تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنس دی۔
"استانی کی اولاد تو ہوں۔"
"اچھا... اچھا' تمہاری ماں نے پکایا کیا ہے؟"
"بینگن۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔
"تیری ماں تو ہے ہی سدا کی کنجوس۔"
"تایا! اسی لیے تو ادھر آئی ہوں۔"
"ہاں' ہاں' ادھر کچن میں جا' کوفتے بنے ہیں' خود بھی کھا اور میرے لیے بھی لے آ۔" انہوں نے اپنے تئیں سرگوشی کی تھی' جو اڑتی ہوئی تائی تک پہنچ گئی۔
"ہاں... تمہارا چٹورا پن نہ گیا' اپنی بھوکی نیت ہر کسی کو دکھایا کرو۔"
"زبان کھینچ لوں گا... زیادہ بک بک کی تو ایک کوفتہ تیرے منہ میں بھی ٹھونس دوں گا۔" عریشہ ہنستی ہوئی صحن میں آگئی۔
"تائی صدقے' میری بچی ابھی تک بھوکی پھر رہی ہے' یاں نہیں آئی؟"
"اوں ہوں۔" وہ پاس بیٹھ کر ناشپاتی کھانے لگی' جبکہ تائی کریلا کاٹنے لگی تھیں۔
"فریج میں رکھ آؤ' ٹھنڈا ہو جائے' کھانے کے بعد کھا لینا' میں روٹی بناتی ہوں۔" انہوں نے کریلا عرشی کی طرف بڑھایا۔ "تایا کے لیے بھی بنایئے گا۔"
"ہاں..." انہوں نے برا سا منہ بنایا۔
"نہ... نہ میری روٹی پکاتے تو تیرے ہاتھ ٹوٹتے ہیں۔ رہنے دے۔" تایا صحن میں وارد ہوئے اور اونچی اونچی آوازیں دینے لگے۔ "فریداو... فرید!"
بارہ' تیرہ سال کا فرید اس گھر کا سب سے چھوٹا بچہ تھا۔ اوپر سے دوڑا آیا۔
"جی ابا!"
"ابا کے بچے تو اوپر کیا کر رہا تھا' پتنگ بازی؟" انہوں نے کان پکڑا۔
"قسم لے لو ابا! میں نے تو پتنگ دیکھی ہی نہیں۔"
"ہاں' تو تو آج ہی پیدا ہوا ہے' پورے کا پورا اپنی ماں پر گیا ہے۔"
تایا کے اس جملے پر تائی نے گھور کر دیکھا' مگر کہا کچھ نہیں کیونکہ منہ میں کریلے کا ٹکڑا تھا۔
"چل بھاگ کر جا' ایک کلو گرم گرم دودھ میں آدھ کلو جلیبی ڈلوا لا۔"
عریشہ پاس پڑا شاپر دیکھنے لگی' جس میں جاپانی پھل بھی تھے۔ لگتا تھا آج دل کھول کے فروٹ منگوایا تھا۔ تایا کے گھر کے حالات' ہمیشہ سے ایسے ہی تھے۔ جب پیسہ آتا دل کھول کے خرچ ہوتا اور مہینے کے آخر میں ادھار مانگتے پھرتے۔
"دودھ جلیبی سے جسم میں طاقت آتی ہے۔ ورنہ یہاں تو مجھے بھوکا مارنے کا ارادہ ہے۔" انہوں نے تائی کو قہر بار نگاہوں سے گھورا۔
"ہاں انہوں نے پہلوانی جو کرنی ہے۔" تائی بڑبڑائیں۔
"نہیں' تیرا گلا دبانا ہے' پھوہڑ عورت!"

"ہا... تایا جی! ایسے تو نہ کہیں۔" عریشہ نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا۔ تایا بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ بیٹھک میں چلے گئے۔

"تو کھڑا منہ کیا دیکھ رہا ہے' چل جا دودھ جلیبی لے آ۔" انہوں نے فرید کو گھرکا۔ وہ تیزی سے باہر بھاگ گیا۔

"میری تو ساری عمر ان کی گالیاں کھاتے گزر گئی عرشی! یہ فروٹ سنبھال کر فریج میں رکھ دے' میں روٹی بنالوں۔"

"مریم اور فاطمہ آپی کہاں ہیں؟"

"فاطمہ تو نہا رہی ہے اور مریم کو سوائے رسالے پڑھنے اور سونے کے اور کون سا کام ہے۔ اب روٹی کی خوشبو سونگھ کر آ جائے گی۔ سارا سکھ تو فاطمہ کی وجہ سے ہے' ورنہ اس عمر میں بھی ہڈیاں گھساتی پھرتی۔" وہ گھٹنوں پر زور دے کر کھڑی ہو گئیں۔ عریشہ نے سارا فروٹ سنبھال کر فریج میں رکھا اور تائی کے پاس ہی آ گئی۔ وہ پیڑے بنا رہی تھیں۔

"اماں! ہو گئیں میری برائیاں۔"

"دیکھا... کھانے کی خوشبو کھینچ لائی۔" تائی نے عریشہ سے کہا تو وہ مسکرا کر مریم کو دیکھنے لگی۔ مریم دبلی پتلی' لمبی سی تھی۔ نقش اچھے تھے' مگر رنگت زیادہ صاف نہ تھی۔ چہرے پر کہیں کہیں سیاہ تل بھی تھے۔ وہ اور عریشہ کالج فیلو بھی تھیں' مگر مریم کا دھیان پڑھائی کی طرف زیادہ نہ تھا۔ اس کی نسبت عریشہ ہمیشہ اچھی پوزیشن لیتی۔ شاید اس کی وجہ عادلہ کی سختی تھی کہ وہ سارے لاڈ اٹھاتیں' مگر پڑھائی کے معاملے میں ایک نہیں سنتی تھیں۔

"اور جو محترمہ کو کوفتوں کی خوشبو دیوار پار پہنچی... وہ..." مریم نے طنز کیا تو عریشہ کھسیانی سی ہو گئی۔

"کیسی فضول بات کر رہی ہو؟ اس کا اور ہمارا گھر الگ تو نہیں ہے۔ جاؤ عرشی! اوپر سے ثوبان کو بلا لاؤ۔" تائی نے عریشہ کے لیے سالن نکالتے ہوئے کہا۔

"ثوبان بھائی گھر پر ہیں؟" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں! آج یونیورسٹی سے جلدی آ گیا تھا۔"

"میں ابھی بلا کر لاتی ہوں۔" عریشہ باہر نکلی۔ مریم نے اس کی جگہ بیٹھ کر سالن کا پیالہ سامنے کیا۔

"اوں ہوں... یہ عریشہ کے لیے ہے۔" تائی نے ٹوکا۔

"سارے کوفتے اسی کی پلیٹ میں بھر دیے۔" مریم نے ہمیشہ کی طرح حسد سے کہا۔

"ہر وقت بکواس نہ کیا کرو' ہانڈی بھری ہوئی ہے۔" تائی نے گھرکا۔

"آج کی بات نہیں ہے' آپ ہمیشہ فرق کرتی ہیں۔" مریم کے اپنے ہی گلے تھے۔

"یہ سارا سامان اس کے باپ کے اسٹور سے آتا ہے۔" تائی نے جتایا۔

"کیوں محنت تو نعمان بھائی کرتے ہیں۔"

"تیرا چاچا جما جمایا کاروبار چھوڑ کر گیا تھا۔"

"امی! آپ کیوں شروع ہو گئیں' میں نہا کر بنا ہی دیتی۔" فاطمہ اندر آئی۔

گندمی رنگت والی فاطمہ کے چہرے پر بلا کی ملاحت تھی تو انداز و اطوار میں سبھاؤ اور ٹھہراؤ۔ ایف اے کے بعد اسے پڑھنے کی اجازت نہیں ملی تو اس نے گھرداری سنبھال لی۔ بچپن ہی سے وہ اپنی چاچی عادلہ کے زیادہ قریب رہی تھی' سو اسی جیسی پیاری عادات کی مالک تھی۔ کم از کم حمیدہ خاتون کی بیٹی نہیں لگتی تھی۔

"تو جا کر اپنے بال سکھا لے۔ سارا دن تو لگی ہی رہتی ہے' یہاں تو مر بھکوں نے جان کھائی ہوئی تھی۔"

"اماں! ہر وقت باتیں ہی سناتی رہا کریں۔" مریم چڑ کر بولی۔

"تیری حرکتیں ہی ایسی ہیں۔" وہ بھی حمیدہ خاتون تھیں۔



ثوبان اپنے کمپیوٹر پر مصروف تھا۔ ثوبان کا کمرا پورے گھر سے الگ تھلگ پرسکون اور خوب صورت تھا۔ کمرے میں وہ کسی اور کو آنے بھی نہیں دیتا تھا۔ انجینئرنگ پڑھ رہا تھا' سو تائی کے خاندان میں اس کی پڑھائی کی خاصی دھاک تھی۔ کیونکہ ان کے خاندان میں زیادہ تر دکان دار ہی تھے۔ وہ تو اب آکر لوگوں نے اپنے بچوں کو پڑھانا شروع کیا تھا۔ ان میں سے بھی زیادہ تر میٹرک' ایف اے سے آگے نہ نکلتے' ایسے میں حمیدہ خاتون کا فخر تو بنتا تھا۔ دروازہ کھلا تھا۔ عریشہ کچھ لمحے دروازے پر ہاتھ رکھے ثوبان کو دیکھتی رہی۔

ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے۔ جب دل کی سرزمین پر محبت کی پہلی کونپل پھوٹی تھی۔ اسے ثوبان اچھا نہیں' بہت اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ اسے گھنٹوں سوچتی' اس کی ایک جھلک کے لیے تائی کے گھر کے کئی چکر لگا لیتی۔ ثوبان انجان تھا یا انجان بن رہا تھا بہرحال ثوبان کی طرف سے ابھی تک کوئی پذیرائی نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ کم عمر اور الھڑ سی عریشہ نے زبان سے ایک لفظ نہیں کہا تھا مگر چہرہ کھلی کتاب بن گیا تھا۔

"ارے۔۔۔ عرشی! تم کب آئیں؟" ثوبان کی آواز پر وہ بری طرح چونکی۔

"وہ۔۔۔ تائی جان کہہ رہی ہیں' آکر کھانا کھالیں۔"

"یہ پیغام اتنا مشکل تو نہیں کہ اس کے لیے پندرہ منٹ کھڑے ہو کر سوچنا پڑے۔" ثوبان مسکرایا اور کمپیوٹر بند کرنے لگا۔ عریشہ بری طرح خجل ہو گئی۔

"تمہارا کالج کیسا جا رہا ہے؟"

"کہیں نہیں جا رہا' وہیں کھڑا ہے۔" عریشہ ہنسی۔

"اور تم؟" ثوبان بھی مسکرا دیا۔

"میں۔۔۔ میں تو بہت آگے نکل گئی ہوں۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"مطلب؟" ثوبان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ جلدی آجائیں' کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" عریشہ نظریں چرا کر نیچے اتر گئی۔ وہاں فاطمہ دودھ کے پیالے میں جلیبیاں ڈال رہی تھیں۔

"عرشی! یہ تایا کو دے آؤ۔"

عریشہ' فاطمہ کے ہاتھ سے پیالہ لے کر بیٹھک میں گئی تو تایا دیکھتے ہی بولے۔

"ساری ڈالی ہیں' یا تمہاری تائی نے اپنے لیے بھی سنبھال لیں۔"

"پتا نہیں' کھانے سے پہلے تول لیجئے گا۔" عریشہ نے پیالہ ان کے سامنے میز پر رکھا۔

"دیکھو۔۔۔ ان بے درابتوں کے کرتوت' خود تو کوفتے کھائیں گے اور مجھے دودھ جلیبی پر ٹرخا دیا۔"

"ارے' آپ نے تو۔۔۔" حیرت سے عریشہ کا منہ کھل گیا' پھر کچھ بھی کہنا بے فائدہ جانتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ کر کچن میں آگئی' ڈٹ کر کھانا کھانے کے بعد ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"تائی! اب تو میں بھی لمبی تان کے سوؤں گی۔"

"ارے۔۔۔ یہ برتن کون دھوئے گا۔" مریم نے لڑاکا انداز میں پوچھا۔

"جس نے آج چھٹی کی تھی۔" وہ مریم کا گال کھینچ کر بھاگ لی۔ پیچھے مریم بڑبڑاتی رہ گئی تھی۔



وین نے اسے حسب معمول سڑک پر اتارا تھا۔ سامنے سرسبز کھیتوں کا سلسلہ تھا۔ کھیتوں کے درمیان نکلتی پگڈنڈیاں اور وہ ٹوٹی پھوٹی سڑک' جو روز اسے گاؤں تک لے جاتی تھی۔ یہاں سے اگرچہ گاؤں کے خدوخال واضح ہو رہے تھے' مگر گاؤں کے آخری کونے تک پہنچتے پہنچتے اچھا خاصا فاصلہ بن جاتا تھا۔ اگر کوئی سائیکل سوار یا ریڑھی والا ملتا تو وہ آرام سے اس کے چارے پر بیٹھ کر گاؤں تک پہنچ جاتا تھا۔ نہ ملتا تو چلتے چلتے پاؤں شل ہو جاتے۔ اس

نے تھکے تھکے انداز میں دور تک جاتی سڑک کو دیکھا۔ بھوک سے پیٹ میں اینٹھن پڑ رہی تھی۔ آج کالج میں اتنا وقت کہاں ملا کہ دوستوں سے نظر بچا کر ماں کا بیگ میں رکھا اچار پراٹھا ہی کھالیتا۔ حالانکہ اس کے دوست بھی متوسط گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے مگر شاید ان کے گھر کبریٰ نہیں ہوتی تھی۔

کبریٰ چچی کا خیال آتے ہی اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"چل بیٹا ابرار! ماں کا اچار پراٹھا یہیں کھالے ورنہ گھر جا کر تو کچھ نہیں ملنے والا۔"

وہ نالہ پھلانگ کر شہتوت کے درخت تلے آ بیٹھا اور بیگ سے ٹفن نکال لیا۔ پراٹھا ٹھنڈا تھا مگر چونکہ مکھن سے بنا تھا اس لیے نرم تھا اور پھر بھوک کہاں دیکھتی ہے کہ کھانا گرم ہے یا ٹھنڈا۔

خوراک پیٹ میں جاتے ہی پپوٹے بوجھل ہونے لگے۔ اس نے اکتاہٹ سے اس فاصلے کو دیکھا۔ روز کا معمول تھا مگر آج ٹوٹتے بدن پر تھکاوٹ کا غلبہ کچھ زیادہ ہی تھا۔

"لگتا ہے بخار ہونے والا ہے۔" اس نے اپنا ماتھا چھو کر دیکھا پھر بیگ سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا۔ خیال تھا کہ تھوڑی دیر سستا کر جائے گا مگر لیٹتے ہی نیند کا غلبہ ہو گیا۔ آخری خیال جو ذہن میں آیا۔ وہ یہ ہی تھا کہ ماں انتظار کر رہی ہوگی۔



جمیلہ نے سارا گوبر سمیٹ کر ایک طرف ڈھیر کیا۔ نلکا چلا چلا کر ساری بھینسوں کو پانی پلایا تب ہی کبریٰ بالٹیاں اٹھائے آ گئی۔ دونوں بھینسوں کو پچکار کر دودھ دھونا شروع کر دیا۔ مگر اس سارے کام کے دوران بھی جمیلہ کا سارا دھیان گھر کے دروازے کی طرف تھا۔ ابرار جس وقت آتا تھا اس سے ایک گھنٹہ اوپر ہو گیا تھا۔

"سلام آیاں۔"

"آ بھائی اکرم۔ بس تھوڑا کام ہی رہتا ہے۔" اکرم اس پورے گاؤں سے دودھ اکٹھا کر کے شہر لے جاتا تھا۔

"کبریٰ بہن! جلدی کر، تجھے پتا بھی ہے، مجھے شہر پہنچتے پہنچتے دیر ہو جاتی ہے۔"

کبریٰ بھری ہوئی بالٹیاں اٹھا کر اس کے قریب چلی گئی۔ اس نے ناپ کر دودھ اپنے ڈرم میں ڈالنا شروع کیا۔ جمیلہ نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

"بھائی اکرم! تجھے آتے ہوئے میرا بلو نظر نہیں آیا۔"

کبریٰ نے کھا جانے والی نظروں سے جیٹھانی کو دیکھا۔

"اس ویلے آوارہ کو کوئی کم ہے جو گھر واپسی کی جلدی ہو۔ صبح صبح دو پراٹھے ڈکار کے بستہ لٹکا کر چلتا بنتا ہے۔ تو تو شہر بھیج کے بے فکر ہو جاتی ہے کہ پتر کالج جا رہا ہے اب وہاں نہ جانے کیا کیا گل کھلا رہا ہوگا۔"

"کبریٰ! تو میرے پتر کے معاملے میں نہ بولا کر تیری بڑی مہربانی۔" جمیلہ نے کھٹاک سے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے۔ کبریٰ کا منہ بن گیا۔

"ہاں چنگی گل تجھے ماڑی ہی لگتی ہے۔ ادھر شہر کے لڑکے ایک نمبر کے آوارہ ہوتے ہیں۔ چھپ چھپ کر پتا نہیں کیا کیا پیتے ہیں۔ اللہ جانے یہ بھی پڑھنے جاتا ہے یا۔۔۔"

"تو کیا ادھر پنڈ میں بھٹی نہیں لگی۔۔۔ ادھر کے لڑکے سارا دن گلیوں میں گولیاں نہیں کھیلتے۔ ادھر سارے فرشتے جمے ہیں؟ دیکھ کبریٰ! میں تیری ساری کڑوی بات چپ کر کے سن لیتی ہوں۔ پر میرے پتر کے خلاف بات نہ کیا کر۔ اس جیسا پورے پنڈ میں کوئی نہیں جا کے ماسٹر صاحب سے پوچھ کون ہے جو شہر کے کالج جا کر پڑھتا ہو۔"

"اتنا مان بھی اچھا نہیں جمیلہ! جب کوئی دھیلا کما کے تیرے ہاتھ پر رکھے گا تب اچھلنا۔ ابھی تو کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا۔"

"او بہنوں بیبیوں۔۔۔ پہلے مجھے فارغ کر دو۔ میں نے دودھ لے کر شہر جانا ہے۔" اکرم نے اپنا سر پیٹ لیا۔

کبریٰ نے غصے سے جمیلہ کو دیکھا۔

"یہ ہی اپنے پتر کا صفحہ کھول کر بیٹھ گئی۔ بڑا ہی انوکھا پتر جنا ہے۔ دودھ ڈال کر جلدی آنا۔ ہانڈی چڑھانی ہے۔" کبریٰ نخوت سے کہہ کر احاطے سے نکل گئی۔ جمیلہ نے بڑبڑاتے ہوئے باقی دودھ اکرم کو دیا اور ساتھ ہی اپنا سوال دہرایا۔

"رستے میں کہیں بلو نظر نہیں آیا؟"

"نہ۔۔۔ ادھر سے ہی آیا ہوں، مجھے تو کہیں نظر نہیں آیا۔"

"آج تو بڑی دیر لگا دی، کیا ویلا ہو گیا ہے۔" جمیلہ کے لہجے میں تشویش ہی تشویش تھی۔

"آجائے گا، جوان جہان سمجھ دار پتر ہے تیرا، ایویں فکریں نہ پال۔"

"کیا کروں بھائی! بلو کے سوا میرا ہے ہی کون؟" جمیلہ نے آہ بھری۔ پھر ایک ہاتھ میں خالی بالٹیاں اور دوسرے میں بھری بالٹی اٹھا کر اندر چلی گئی۔ فضا میں اکرم کے موٹر سائیکل کی گڑگڑاہٹ ابھری اور معدوم ہو گئی۔ جمیلہ نے اپلوں کی آگ جلا کر دودھ ابالنے کے لیے رکھا اور خود چپکے سے باہر نکل آئی۔ ماں کے دل کو قرار کہاں تھا؟ تیز تیز قدموں اور پھولی سانس کے ساتھ سڑک تک پہنچی۔ دور، دور تک سڑک خالی تھی۔ جمیلہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اس وقت تک شہر سے آنے والی آخری ویگن بھی جا چکی تھی۔

"کہاں رہ گیا میرا بلو۔" اس کا دل ڈوبنے لگا۔ کچھ لمحے یوں ہی کھڑی رہنے کے بعد پلٹی۔ اس کے سامنے کپاس کے وسیع کھیتوں پر پھیلی شام کی زردی سرمئی رنگ میں گھل رہی تھی۔ آسمان پر پرندوں کی واپسی کا سفر شروع تھا۔ اسے لگا وہ اس پوری کائنات میں اکیلی ہے۔ بالکل قبرستان کے کنارے ایستادہ ٹنڈ منڈ درخت کی طرح ویران اور تنہا۔ تنہائی کا یہ احساس اتنا جان لیوا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تب ہی اس کی بھٹکتی نگاہیں شہتوت کے درخت سے ٹکرا کر جھک گئیں۔

"ہائے میرا بلو۔" وہ کلیجے پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف لپکی، جو گھٹنے سکوڑے اپنے بیگ پر سر رکھے سو رہا تھا۔ جمیلہ نے اسے جھنجوڑ دیا۔

"وے۔۔۔ بلو! اٹھ۔۔۔ ادھر کیوں سو رہا ہے۔ ہائے میں مر گئی، تجھے تو بہت تیز تاپ ہے۔"

"اماں! تو یہاں کیا کر رہی ہے۔" وہ اٹھ بیٹھا۔

"ماں صدقے۔۔۔ ماں واری، تجھے دیکھنے آئی تھی، تیری آنکھیں کتنی سرخ ہیں اور پنڈ آگ بنا ہوا ہے۔ میرا دل اسی لیے تڑپ رہا تھا، چل اٹھ، تجھے گھر لے جاؤں۔"

"ارے اماں! میں چل سکتا ہوں۔" اگرچہ اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا، مگر وہ ماں کی تسلی کے لیے ہنس کر کھڑا ہو گیا۔ جمیلہ نے اس کا بیگ اور دوسرے ہاتھ سے بازو پکڑ لیا۔ گویا وہ ابھی گر جائے گا۔

تھوڑی دور آگے جا کر اسے فضلو اپنی ریڑھی کے ساتھ مل گیا۔ جو کھیتوں سے واپس جا رہا تھا۔ دونوں ماں، بیٹا ریڑھی پر سوار ہو گئے۔ جمیلہ نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگی۔



عادلہ نے آٹا اور بچا ہوا سالن فریج میں رکھا۔ برتن دھو کر ریک میں لگائے۔ اگرچہ وہ دو ہی جی تھے، پھر بھی کام نکلتے رہتے۔ سلیب صاف کرتے ہوئے خیال آیا کہ اب یہ چھوٹے موٹے کچن کے کام انہیں عریشہ کے ذمے لگانے چاہئیں تاکہ وہ بھی تھوڑی بہت گھرداری سیکھ لے۔ کام کر تو لیتی تھی، مگر اکلوتی ہونے کی بنا پر لاڈلی اور نخریلی بہت تھی۔

وہ سلیب صاف کر کے کمرے میں آئیں تو عریشہ ہاتھ میں کتاب تھامے کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیڈ پر نیم دراز کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"مرشی! چائے پیو گی۔" انہوں نے بستر ٹھیک کرتے ہوئے پوچھا۔
"جی۔۔۔ آج تو ٹھنڈ بھی بہت ہے۔" وہ چونکی پھر کتاب رکھ کر کھڑی ہوئی۔ "میں بنا لیتی ہوں۔"
وہ کپ بنا کر لائی تو عادلہ لحاف اوڑھے اونگھ رہی تھیں۔ وہ بھی ان کے لحاف میں دبک گئی۔ حسب معمول
ماں بیٹی نے بہت سی باتیں کرنا تھیں اور انہی باتوں کے دوران عریشہ نے اچانک سوال کر دیا۔
"امی نانا نے کیا دیکھ کر آپ کی شادی اس خاندان میں کی تھی؟"
"کیوں؟" عادلہ نے حیرت سے بیٹی کا چہرہ دیکھا۔
"بہت فرق ہے میرے ننھیال اور ددھیال میں۔ رہن سہن' بات چیت' عادات۔ وہاں سب پڑھے لکھے ہیں'
یہاں سب دکان دار۔ صرف ثوبان ہی ہے جو اپنے کیریر کے بارے میں سنجیدہ ہے' ورنہ تو چل سو چل۔ کیا ہوا'
ایسے غور سے کیوں دیکھ رہی ہیں۔"
وہ بات کرتے کرتے گڑبڑائی۔ عادلہ اسے دیکھے جا رہی تھیں۔ آج انہیں احساس ہوا تھا' بیٹی اب بڑی ہو گئی
ہے۔ کالج جانے لگی ہے سو سوالات کی نوعیت بھی بدل گئی تھی۔
"ہم چھ بہنیں تھیں۔ سفید پوش' مگر پڑھا لکھا گھرانا۔ پیسہ نہیں تھا اور اس زمانے کے ڈھنگ کچھ اور ہی تھے۔
ابا نے شریف اور باکردار لڑکا دیکھا اور بیاہ دیا۔ تمہارے ابو واقعی ان لوگوں سے مختلف تھے۔ پھر میں نے بھی
ہمت کر لی۔ ان کا جنرل اسٹور بھی اچھا چلنے لگا۔ سو مل بانٹ کر بہت اچھا گزارا ہو جاتا تھا۔ تمہارے ابو بہت
شائستہ انداز و اطوار کے مالک تھے۔"
انہوں نے مختصراً" بتایا۔
"میری شادی کرتے ہوئے بھی آپ یہی دیکھیں گی۔" یہ سوال کرتے ہوئے عریشہ کے سامنے صرف اور صرف
ثوبان کا چہرہ تھا۔
"ظاہر ہے' روپیہ پیسہ نصیب کی بات ہے۔ اصل چیز شائستہ اطوار اور مضبوط کردار ہے' لیکن عرشی۔۔۔! شرم
کرو لڑکیاں اپنی شادی کی بات خود نہیں کرتیں۔" آخر میں انہوں نے گھورا۔
"آپ تو میری سہیلی ہیں۔" عریشہ نے مسکہ لگایا۔
"اب سو جاؤ' پھر کہتی ہو نیند پوری نہیں ہوئی' صبح کالج بھی جانا ہے۔" انہوں نے خالی کپ اس کی سمت
بڑھایا۔
"میں نہیں جا رہی۔۔۔ کالج میں پڑھائی تو ہوتی نہیں۔" وہ سستی سے بولی۔
"پڑھائی پڑھنے والوں کے لیے ہوتی ہے' جب کلاسز ہی بنک کر دیتی ہو تو پتا کیا چلے' استاد کیا کچھ پڑھا گئے
ہیں۔" عادلہ نے لتاڑا۔
"مریم بھی نہیں جا رہی۔" وہ منمنائی۔
"عریشہ! مجھے خوشی ہو گی اگر تم دوسروں کی عقل پر بھروسا کرنے کے بجائے اپنی عقل پر کرنا سیکھو۔"
"ٹھیک ہے۔" وہ بے زار ہو کر لیٹی۔ پھر فوراً" سیدھی ہوئی۔ "امی کالج میں فن فیر ہے۔"
"تو۔۔۔؟"
"نیا سوٹ لینا ہے۔"
"صبح ہونے دو گی؟" انہوں نے اس کی بے وقت فرمائش پر گھورا۔
"پنک کلر میں۔" اس کے لبوں پر شوخ و شریر سی مسکراہٹ ابھری۔ عادلہ بھی مسکرا کر رہ گئیں۔



گھر میں ماں کے سوا کوئی سنگی ساتھی نہ تھا۔ سو بچپن سے عادت تھی' اسکول سے آتے ہی ادھر بھاگتی۔ اب بھی کالج سے آتی تو پہلے تایا کے گھر جاتی۔ برآمدے کے تخت پر تائی کے گھٹنے سے لگی بانو آپا کو دیکھ کر اس نے سلام کیا۔ ان کی گود میں پانچ ماہ کا فہد سو رہا تھا۔

"کیسی ہو عرشی! اچھی کیسی ہیں' ماشاءاللہ کیسا رنگ روپ نکھارا ہے' کیا لگاتی ہو' اپنی مریم کو بھی کوئی ٹوٹکا بتادو' کیسی عجیب سی شکل ہوتی جارہی ہے۔" بانو آپا کو شروع سے عادت تھی' ایک ہی وقت میں کئی سوال کرتیں۔ اگلا جواب سوچتا ہی رہ جاتا' اور وہ دوسرا موضوع پکڑ لیتیں۔ کچن سے ٹرے لے کر نکلتی مریم نے غصے سے بہن کو دیکھا اور تنک کر بولی۔

"کیوں' مجھے کیا ہوا ہے؟"

"ارے چھوڑو بھی اسے۔" تائی نے بے زاری سے ہاتھ ہلایا۔ "تم کیا کہہ رہی تھیں۔"

"وہی ہما کی شادی ہے۔" انہوں نے اپنی نند کا نام لیا۔ "اب سسرال میں ناک نہ کٹوادینا اماں!"

"بانو آپا! آپ ہر بار یہ ہی کرتی ہیں' کبھی نند کی شادی' کبھی دیور کی' اچھا خاصا خرچ کروادیتی ہیں۔" مریم نے ٹرے درمیان میں رکھی۔ کباب' دہی بڑے' فروٹ چاٹ' بانو آپا کی اچھی طرح خاطر تواضع نہ ہو تو خفا ہو جاتی تھیں۔

"تمہیں کوئی تکلیف ہے؟ کل کو بیاہ کر جاؤ گی تو پتا چلے گا' سسرال میں میکے کی قدر کیسے کروائی جاتی ہے۔ دیور کی شادی میں میری ساس کا سوٹ نہیں تھا۔ اپنے پاس سے ہزار روپیہ ملانا پڑا۔ اماں! اس بار مقابلہ دیورانی کے ساتھ ہے۔ بڑے بج کج کے ساتھ آرہے ہیں' اس کے میکے والے' بڑے کھاتے پیتے لوگ ہیں وہ میری ہیٹی نہ کروادینا۔ گڈو کے ریڈی میڈ کپڑے لینا' کہیں ٹوٹے نہ رکھ دینا' چار سوٹ ہما کے اور ساتھ دس ہزار رکھ دینا۔"

"وہ کس لیے؟" تائی بلبلائیں۔

"کراکری کی کوئی چیز نہیں دینی۔" بانو نے ماں کا تلملانا دیکھا ہی نہیں۔

"آپا! کباب کھاؤ۔" اس سے قبل کہ وہ مطالبے میں' کچھ اور اضافہ کرتیں۔ مریم نے فہد اس کی گود سے لے لیا۔ بانو نے ٹرے سامنے کی اور شروع ہو گئیں۔ کباب ختم ہونے تک تائی سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔ عریشہ نے ہنسی دبائی اور— فروٹ چاٹ کھاتی رہی۔

"آپا! اتنا کھڑاک تو بڑی نند کی دفعہ بھی نہ ہوا تھا۔" فاطمہ بھی فارغ ہو کر وہیں آبیٹھی۔

"تب میری دیورانی نہیں آئی تھی۔" وہ اطمینان سے گویا ہوئیں۔

"تو اس کی سزا ہم نے بھگتنی ہے؟" مریم بڑبڑائی۔ بانو آپا کو پتنگے لگ گئے۔ عریشہ انہیں جھگڑتا چھوڑ کر اوپر چلی آئی' مگر کمرا خالی تھا۔ عریشہ کو لگا کمرا ہی نہیں اس کا دل بھی خالی ہو گیا ہے۔ وہ یقیناً" کمبائن اسٹڈی کے لیے اپنے دوست کے گھر جاچکا تھا۔ پہلے بھی جاتا رہتا تھا لیکن اس بار عریشہ کی بے چینی کا عالم ہی کچھ اور تھا۔

"یا اللہ! یہ محبت کتنا بے بس کرتی ہے۔" عریشہ نے آزردگی سے سوچا۔ کچھ دیر ثوبان کی کرسی پر بیٹھی رہی۔ نیچے آئی تو مطلع صاف ہو چکا تھا۔ مریم غائب تھی۔ فاطمہ کام سمیٹ چکی تھی اور بانو آپا کہہ رہی تھیں۔

"اماں! ذرا فون کر کے اظہر کو بھی کھانے کا کہہ دیں۔ انہوں نے مجھے لینے تو آنا ہی ہے۔ آپ کو تو کبھی خیال نہیں آیا کہ داماد کو کھانے پر ہی روک لیں۔ میری دیورانی کے میکے والوں نے......"

تائی بوکھلا کر فون کرنے اٹھ گئیں۔ اظہر بھائی کے آنے کا مطلب تھا کہ اب گھر میں اچھی خاصی ہڑبونگ مچے گی۔ عریشہ چپکے سے کھسک آئی۔ تایا ڈیوڑھی میں چلا رہے تھے۔

"سارے کباب خود ہی ڈکار جاؤ' مجھے نہ پوچھنا۔"

"ارے بھیج دیتی ہوں تمہیں بھی۔"
"تو نے اپنے میکے سے منگوائے ہیں' جو مجھ پر رعب جماتی ہے۔"
"ابا... ابا!" فرید باہر سے بھاگا آیا۔ "وہ چاچا ناصر آیا ہے۔ پانچ سو روپے ادھار مانگ رہا ہے۔"
"ہاں... اپنی ماں سے پانچ سو لے کر اس کو دے آ۔ بے چارے کے گھر میں آٹے کے لیے بھی پیسے نہیں ہیں۔"
"کہاں سے دے دوں' تمہاری لاڈلی آئی بیٹھی ہے' شادی اور خرچے کا بلاوا لے کر۔ ان کا پورا کروں یا ان غریب مفت خوروں میں بانٹوں۔"
"اچھا چل دے دے ثواب ملے گا۔"
"میں نے کمالیا ثواب' میرے تو اپنے سیاپے پورے نہیں پڑتے۔ جا کہہ دے ابا گھر پر نہیں ہیں۔"
"اماں! پکی بات ہے۔" فرید نے پوچھا۔
"ٹھہر... میں تجھ پر مہر لگا کرتاتی ہوں کہ کچی بات ہے یا پکی۔" حمیدہ نے جوتی اٹھائی تو وہ باہر کی طرف بھاگا' تایا کو تاؤ آگیا۔
"تیرے جیسی عورتیں جہنم میں جاتی ہیں۔"
"ہاں جنت تو تو نے ہی جا کر آباد کرنی ہے۔" حمیدہ بڑبڑائیں۔
"یہ گھر ہے یا مچھلی بازار' جب گھر آؤ بس شور شرابا ہوتا رہتا ہے۔" نعمان آتے ہی دہاڑا۔
تایا ظفر کے ساتھ ساتھ حمیدہ تائی بھی دبک گئی تھی۔ وہ بڑبڑاتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا۔



"آنٹی! کھانا لگا دوں۔" طیبہ نے کمرے میں جھانکا۔ آج کھانا اس نے بنایا تھا۔ سو بہو رانی کے چہرے پر بیزاری صاف دکھتی تھی۔ نبیلہ نے کتاب بند کرتے ہوئے عینک اتاری۔
"محسن آگیا؟"
"ابھی تک تو نہیں آیا۔"
"آجائے تو اکٹھے کھاتے ہیں۔" وہ مسکرائیں۔
"اگر وہ نہ آیا تو ہم بھوکے بیٹھے رہیں گے۔" طیبہ میں مروت نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔
"نہیں' بھوکی کیوں بیٹھو گی' ایسا کرو' تم کھالو میں اور محسن اکٹھے کھالیں گے۔" نبیلہ نے نرمی سے کہا۔ تب ہی طیبہ کے قریب سے محسن نے جھانکا۔ وہ غالباً "ماں کا آخری جملہ سن چکا تھا۔
"ہم حاضر ہیں۔ کھانا لگا دیا جائے۔"
"تو... محسن بھی آگیا۔" نبیلہ نے کتاب اور عینک سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔
"بھابھی! بہت سخت بھوک لگی ہے؟"
"تمہارے آفس کے رستے میں کوئی ریسٹورنٹ نہیں ہے؟؟"
محسن نے منہ کھول کر ماں کو دیکھا۔ وہ مسکراہٹ دبا گئیں۔ طیبہ اپنی بات کہہ کر کمرے سے چلی گئی تھی۔
"لگتا ہے آج جمال بھائی کا فون نہیں آیا۔" محسن نے شرارت سے سرگوشی کی۔
"جاؤ' فریش ہو کر آجاؤ۔ میں میز پر انتظار کر رہی ہوں۔" نبیلہ بیٹے کے کندھے پر چپت لگا کر جانے لگیں۔ محسن نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"اب کیسی طبیعت ہے؟؟"

"ہاں، دوا لے لی تھی۔ اب بہتر ہوں۔" وہ تسلی دے کر چلی گئیں۔ محسن فریش ہو کر آیا تو کھانا لگ چکا تھا۔ ماں انتظار میں بیٹھی تھی۔

"بھابھی نہیں کھائیں گی۔"

"شاید نہیں۔" انہوں نے محسن کی پلیٹ میں چاول ڈالے۔ دو نوالوں کے بعد ہی محسن کا منہ بن گیا۔ کھانے کے معاملے میں وہ یوں بھی بہت نخریلا تھا۔ کھانا اچھا بنا ہوا، ذائقے دار ہو، خواہ دال یا سبزی ہی کیوں نہ ہو، کچھ ماں کے ہاتھ ۔۔۔ کے پکے کھانوں کا عادی تھا۔ سو کھانے میں کمی دیکھ کر فوراً بول اٹھا۔

"یہ کیا ہے امی! چاول گلے نہیں ہیں اور سبزی میں ابھی پانی ہے۔ اچھی طرح بھنی بھی نہیں ہے۔"

"آہستہ بولو بیٹا! آج کھانا طیبہ نے بنایا ہے۔"

"تب ہی بھابھی خود نہیں کھا رہیں۔ ہمارے سامنے تو ساری چیزیں ابال کر نمک مرچ چھڑک کر رکھ دیتی ہیں گویا کھانا انسانوں نے نہیں، جانوروں نے کھانا ہے۔" محسن نے چمچہ پٹخ کر پلیٹ کھسکائی۔

"اچھا۔ شور کیوں مچا رہے ہو، ہو جاتا ہے کبھی کبھار۔" نبیلہ نہیں چاہتی تھیں کہ طیبہ کے کان میں کوئی بات پڑے۔ وہ بات بڑھا دیتی اور پردیس میں بیٹھے جمال کو پریشان کرتی۔

"کبھی کبھار نہیں، ہمیشہ۔ جب بھی بھابھی کو کھانا بنانا پڑتا ہے، وہ یہ ہی حرکت کرتی ہیں۔ مجھے نہیں کھانا، میں … سے کچھ کھا لوں گا۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

نبیلہ کا دل خراب ہو گیا۔ بیٹا آفس سے سارے دن کا تھکا ہارا آیا تھا اور ڈھنگ کا کھانا بھی نصیب نہ ہوا۔ انہیں طیبہ سے زیادہ خود پر غصہ آیا۔ اب اتنی بھی طبیعت خراب نہ تھی کہ وہ کھانا نہ بنا سکتیں۔ بس یوں ہی کبھی کبھار کسی ذمہ داری سے جان چھڑانے کو دل چاہتا تھا۔ سوچا تھا، بہو آئے گی تو سارا گھر اس کے حوالے کر کے بے فکر ہو جائیں گی، مگر یہاں تو فکروں میں اضافہ ہی ہوا تھا۔ وہ پھر بھی طیبہ کو موقع دے دیتی تھیں کہ اس کا شوہر یہاں نہیں رہتا تھا اور طیبہ خوب ان کی نرمی سے فائدہ اٹھاتی۔

"اور یہ کچے چاول کھا کے آپ کی طبیعت ٹھیک رہے گی، رہنے دیں، میں آپ کے لیے بھی کچھ لیتا آؤں گا۔" محسن کو خیال آیا۔

"ارے بیٹا! میں نے جتنا کھانا تھا کھا لیا۔ باہر کی چیزیں مجھے یوں بھی ہضم نہیں ہوتیں، ضرورت محسوس ہوئی … کوئی پھل لے لوں گی۔"

"او کے۔" محسن باہر نکل آیا، پھر رک گیا، چھوٹے سے گیراج کے پار گیٹ کے پاس طیبہ پزا وصول کر ر… تھی۔ گیٹ بند کر کے پلٹی تو محسن کو کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گئی، پھر ڈھٹائی سے بولی۔

"کھاؤ گے؟"

"شکریہ! آپ کے ہاتھ کا بنا مزے دار کھانا کھا کر آ رہا ہوں۔" وہ بگڑ کر بولا، طیبہ کندھے اچکا کر گزر گئی۔



"اب باہر بھی آ جا جمیلہ! سو کام پڑے ہیں، یا پتر کی پٹی سے ہی لگی رہے گی۔" اصغر کے سامنے روٹی رکھتے کبری… نے بے زاری سے آواز لگائی تو اصغر چونک گیا۔ وہ پینتالیس سالہ لمبا تڑنگا جھلسی ہوئی رنگت والا محنت کش کسان تھا۔ طبیعت کا اکھڑ اور کانوں کا کچا تھا۔ خاص طور پر گھر کے معاملات میں کبری کی آنکھوں سے دیکھتا اور کبری کے دماغ سے سوچتا تھا۔

"دلو کو کیا ہوا؟"

"ذرا سا تاپ ہے۔ زنانیوں کی طرح چارپائی پکڑ کر بیٹھ گیا، اور ماں پٹی سے لگی بیٹھی ہے۔ جیسے ننھا کاکا … گودی سے ہی نہیں نکل رہا۔"

"بک بک کم کر، پانی نہیں دینا کیا؟" اصغر نے جھڑکا۔

"ہاں، میں نوکرانی مل گئی ہوں، مفت کی۔" وہ بڑبڑاتی گھڑے سے پانی بھر لائی۔ "سوچا جوان ہوگا تو چاچے کا بازو بنے گا، پر اسے تو پڑھائیوں نے لے لیا۔ نہ پڑھائیاں ختم ہوں، نہ کسی کم لگے، میں کہتی ہوں، کوئی خبر بھی لے لو، شہر میں پڑھنے ہی جاتا ہے ناں۔"

"پتا نہیں اللہ نے زنانیوں کے منہ میں زبان کیوں ڈالی تھی۔ کیا پٹھے کترنے والی مشین چلتی ہوگی، جوان کی زبان چلتی ہے۔" اصغر نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"اٹھ جاتی ہوں، نہیں اچھی لگتی تو۔" کبریٰ تلملا کر اٹھی اور گھر سے باہر نکل گئی۔ اصغر نے روٹی کھائی، گلاس میں بچے پانی سے انگلیوں کی پوریں دھوئیں اور اٹھ کر اندر آ گیا۔ بلو کی آنکھیں بند تھیں اور جمیلہ اپنا دوپٹہ بھگو کر اس کے چہرے اور سینے پر پھیر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ گویا روتی رہی ہے۔ بلو کا چہرہ بخار کی شدت سے دہک رہا تھا۔

"او... اٹھ جواناں! تو کیا ذرا سے بخار سے ڈھے گیا ہے۔"

بلو نے بمشکل آنکھیں کھول کر چاچے کو دیکھا۔

"اصغر! اس کا پنڈا دیکھ، تاپ کم نہیں ہو رہا۔"

"دوالائی تھی۔" اصغر نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں، دے دی ہے۔" جمیلہ نے روتے ہوئے کہا۔

"دی ہے تو آرام آ جائے گا، اور تو بھی مرد بن مرد، ایسے چھوٹے موٹے بخار مردوں کا کچھ نہیں بگاڑتے۔" وہ لاپروائی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ جمیلہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"اپنا پتر ہوتا تو دیکھتی، ایسے بے فکری سے جاتا ہے۔"

"اماں!" بلو آنکھیں کھول کر مسکرایا۔

"ماں صدقے۔"

"اب تو ان کی باتوں اور رویوں سے پریشان نہ ہوا کر۔ عرصہ ہوا ابا کے مرنے کے بعد سے یہ ہی کچھ تو دیکھ رہے

"بس چپ... ایسی باتیں نہ سوچ، دماغ پر زور پڑے گا، ابھی تیری ماں زندہ ہے۔"

"ہاں اماں! تمہارا ہی آسرا ہے۔"

"نہ... آسرا صرف رب سوہنے کا۔"

"تھوڑا پانی دو۔" "ابھی لائی۔"

"تائی... تائی! بلو کو کیا ہوا ہے؟" پندرہ، سولہ سال کی الھڑ سی لڑکی دوپٹے کی بکل مارے لچکتی ہوئی اندر آئی۔ دوپٹے کے نیچے سے بالوں کی لمبی اور مریل سی چوٹی جھانک رہی تھی۔

"بشریٰ! کدھر نکلی تھی؟ تیری ماں کب سے ڈھونڈ رہی ہے۔"

"میں نے کدھر جانا ہے، رانو کے گھر تھی۔" اس نے لاپروائی سے بتایا۔ وہ کبریٰ اور اصغر کی چھوٹی بیٹی تھی۔ بڑی والی ناصرہ کو کبریٰ نے پندرھویں سال ہی بیاہ دیا تھا۔ وہ اب اوپر تلے کے تین بچے لیے پھر رہی تھی۔ اصغر کی صرف دو ہی بیٹیاں تھیں۔ اس ناتے بلو کو گھر میں خاصی اہمیت ملنا چاہیے تھی، مگر کبریٰ کچھ نہ کچھ ایسا کرتی رہتی کہ دونوں ماں، بیٹے کونے میں لگے ہوئے تھے۔

"زیادہ بخار ہے؟" بشریٰ نے ہمدردی سے بلو کو دیکھا۔ اسے اپنا تایا زاد اچھا لگتا تھا کیونکہ اس کی سکھیاں کہتی تھیں اس کی ماں اس کی شادی بلو سے ہی کروائے گی۔

"بشریٰ! ایک پیالہ دودھ کا لا دے' بلو کو پاپے کھلا کے دوا دے دوں۔"
جب سے ان کی بھینس نے دودھ دینا چھوڑا تھا' جمیلہ کو یوں ہی منتوں سے شے مانگنی پڑتی۔ بیٹے کے لیے مانگنے میں اسے کوئی شرم بھی نہ آتی تھی مگر کبریٰ کئی باتیں سناتی۔ہاں بشریٰ کی بات اور تھی۔
"ابھی لائی تائی!" بشریٰ باہر بھاگ گئی۔
"اماں! اس طرح فقیروں کی طرح نہ مانگا کر' زمین میں میرا بھی حصہ ہے۔" بلو کو ماں کا لہجہ ناگوار گزرا۔
"ہاں پر بھینس تو کبریٰ کی ہے' داج میں لائی تھی۔"
"ہاں مگر۔۔۔"
"بس چپ' کھانا ابھی دماغ پر زور نہ دے' تاپ سر کو چڑھ جائے گا۔"
جمیلہ نے پیار سے ڈانٹا تو اس نے لب بھینچ کر آنکھیں موند لیں۔

✡ ✡ ✡

ساری رات نبیلہ کی طبیعت خراب رہی پیٹ میں رہ' رہ کر درد اٹھتا رہا۔انہوں نے محسن کو نہیں جگایا۔خود ہی گھریلو ٹوٹکے آزماتی رہیں۔
"امی! آج ناشتا نہیں ملے گا؟" محسن آفس جانے کے لیے تیار تھا۔
"طیبہ نہیں اٹھی؟" وہ کچھ مضمحل سی تھیں۔
"نہیں۔۔۔ بھابھی تو۔۔۔ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" محسن نے تشویش سے دیکھا پاس آ کر ماتھا چھوا۔
"ہاں ٹھیک ہوں' چلو تمہارے لیے ناشتا بنا دوں۔" نبیلہ اٹھنے لگیں۔
"آپ بالکل ٹھیک نہیں ہیں' مت اٹھیں۔ پہلے ہی کہا تھا وہ کھانا مت کھائیں' مگر آپ بھی' اب کئی دن تک پرابلم چلے گی۔"
"محسن! تم خوامخواہ پریشان ہو رہے ہو' ابھی ٹھیک ہو جاؤں گی۔" وہ نہیں چاہتی تھیں کہ محسن آفس میں بھی پریشان رہے۔
"آپ لیٹ جائیں' میں آتا ہوں۔" وہ انہیں زبردستی لٹا کر چلا گیا۔اور جب واپس آیا تو ناشتے کی ٹرے ساتھ تھی۔ انہیں بیٹے پر پیار آ گیا' وہ غصیلا' منہ پھٹ سا لڑکا بہت حساس اور محبت کرنے والا تھا۔ چائے کے ساتھ ٹوٹے ہوئے فرائی انڈے اور سلائس تھے۔دونوں ماں' بیٹا ناشتا کر رہے تھے' جب طیبہ آ گئی۔
"خیریت۔۔۔" نبیلہ جگہ جگہ کھانے کے برتن لے کر پھرنے کے خلاف تھیں۔ناشتا' کھانا سب میز پر ہوتا تھا۔
"کچھ نہیں' بس ذرا پیٹ میں گڑبڑ تھی' معدہ بھی۔۔۔"
"تو مجھے جگا دیا ہوتا' میں کوئی دلیہ وغیرہ بنا دیتی۔" احسان جتاتا سرسری لہجہ۔
"جو آپ بناتیں' وہ دلیہ ہوتا؟" محسن نے تلخی سے کہا۔
"کیا مطلب؟" طیبہ کو آگ لگ گئی۔
"پلیز امی! اگر آپ کھانا نہیں بنا سکتیں تو کسی عورت کا بندوبست کر لیں۔"
"تمہاری شادی نہ کر دوں؟" طیبہ کے تیور دیکھ کر نبیلہ نے بات بدلنے کی کوشش کی۔
"ہاں مگر پہلے لڑکی کے ہاتھ کا کھانا ضرور کھا لیجیے گا۔" وہ طنزیہ انداز میں کہہ کر ماں کے سر پر بوسہ دیتا ہوا چلا گیا۔
"یہ۔۔۔ یہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے؟" طیبہ بگڑی۔
"کچھ نہیں بیٹا! بس جذباتی ہے' بنا سوچے سمجھے بول اٹھتا ہے۔" نبیلہ نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ "چھوٹا سمجھ کر نظر انداز کر دیا کرو۔" "وہ اتنا بھی چھوٹا نہیں ہے۔"

✡ ✡ ✡

ساجدہ نے صبح صبح چھاپہ مارا کیونکہ اسے خبر مل گئی تھی کہ بانو کی نند کی شادی میں اماں کیا کیا خریداری کر رہی ہیں، اور یہ اطلاع دینے والی خود بانو تھی۔ سو اب گھر مچھلی بازار بنا تھا۔ ساجدہ کے دونوں بچے آپس میں گتھم گتھا تھے۔ تیسرا گود میں بھاں بھاں کر رہا تھا۔ اور ساجدہ باپ کے گھٹنے سے لگی جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔ گھر میں سب سے بڑی ہونے کے ناتے اس کی باپ سے زیادہ بنتی تھی۔ اور بانو کی اپنی ماں سے اس لیے آپس میں دونوں کی ٹھنی رہتی۔

"ساری زندگی یہ بانو اماں کی چہیتی رہی، ہمیشہ اسی کا سوچا اور وہ بھی جب دل چاہتا ہے منہ پھاڑ کے مانگ لیتی ہے۔ اس کا جہیز بھی مجھ سے اچھا تھا۔ فرمائشیں کر کر کے ہر شے بنائی۔ مجھے آج تک میرا میاں طعنے دیتا ہے، میں کیا سوتیلی ہوں۔"

"تیرے سارے کام سوتیلے والے ہی ہیں، اب بیٹھی ہے، باپ کے گھٹنے سے لگی میری شکایتیں کرنے۔" تائی آپہنچی۔

"تو اب کیا اپنے باپ سے بھی دکھ سکھ نہ کروں؟" اس نے گود والے کو جھانپڑ رسید کیا۔

"نہ تجھے کیا نہ دیا؟ یہ بتاؤ۔" حمیدہ چمک کر بولیں۔

"میرے دیور اور نند کی شادی ہوئی کیا دیا۔۔۔ وہی دو سڑے ہوئے سوٹ وہ بھی گھر سے نکال کر۔"

"اس وقت حالات ہی ایسے تھے میں کیا کرتی۔" حمیدہ نے جواب دیا۔

"دیکھا ابا! تو اب کیا قارون کا خزانہ نکل آیا ہے؟ اتنا فرق کرتی ہیں اماں ہم دونوں بیٹیوں میں۔" اس نے پھپک پھپک کر رونا شروع کر دیا۔

"بڑی سنگ دل عورت ہے بھئی یہ، صاف کہے دے رہا ہوں میں بانو کے لیے جتنا کیا تھا اتنا ہی ساجد کے لیے ہوگا۔" تایا نے حکم صادر کیا۔

"نا۔ تو کیا تم نے میری ہتھیلی پر پیسے رکھنے ہیں؟"

"تیری زبان تو۔۔۔"

ساجدہ کی بات اندر کہیں گم ہو گئی۔ دونوں آپس میں چونچیں لڑانے لگے۔ ثوبان گھر آیا تو بدمزا ہو گیا۔

"السلام علیکم آپا! کب آئیں؟" وہ مختصر سے سوال کر کے کچن کی طرف آ گیا۔

عریشہ کپڑے دھو کر پھیلا رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی چہرے پر روشنیاں بکھر گئیں۔

"آپ کہاں غائب ہو گئے تھے؟" اس نے عادلہ کا سوٹ بالٹی میں ہی چھوڑ دیا۔

"یار! گھر میں پڑھا نہیں جاتا، سو اک دوست کے ساتھ ہاسٹل شفٹ ہو گیا تھا اور تم یہ اتنی ٹھنڈ میں کپڑے کیوں دھو رہی ہو؟" ثوبان نے اس کی سرخ ہوتی ہتھیلیاں دیکھیں۔

"اب کپڑے دھونے کے لیے گرمیوں کا انتظار کروں؟" وہ کھلکھلائی۔ اسے دیکھتے ہی ساری کلفت دور ہو گئی تھی۔

"میری جاب ہو گئی تو سب سے پہلے ایک ملازمہ کا بندوبست کروں گا۔" وہ تار پکڑے عین سامنے کھڑا تھا۔

"وہ تو اپنے گھر کے لیے رکھیں گے ناں۔" عریشہ نے نل بند کیا۔

"تم ہم سے الگ ہو؟" ثوبان کا لہجہ گمبھیر اور مدھم ہو گیا۔ تب ہی اندر سے عادلہ نکلیں تو ثوبان ان کی طرف مڑ گیا اور عریشہ اپنے دل کی دھڑکنیں سنبھالتی رہ گئی۔

"گھر میں شور کیسا ہے؟" عادلہ پوچھ رہی تھیں۔

"ساجدہ آپی اور ان کے بچے آئے ہیں میں تو آج خوامخواہ گھر آ گیا۔"

"ایسے تو نہ کہو، بہنیں کبھی کبھار تو آتی ہیں۔"

"آپ بھی جانتی ہیں' میرا فائنل ایر ہے' اب کوئی کمی بیشی رہ گئی تو وہ ساری زندگی پر محیط ہو جائے گی اور مجھے اس ماحول سے نکلنا ہے۔"

"صرف خود نکلنا ہے۔ اور جو تم سے وابستہ لوگ ہیں۔" عادلہ مسکرائیں۔

"میری زندگی میں تبدیلی آئی تو ان پر خود بخود اثر انداز ہو گی۔"

دونوں باتیں کرتے اندر چلے گئے' عریشہ نے بے اختیار اپنی پسند پر فخر کیا۔ ثوبان سارے گھر سے مختلف تھا۔ اس میں کچھ خاص تھا۔ شاید آگے بڑھنے' کچھ بدلنے کا جذبہ۔

"لیکن کیا وہ بھی مجھے پسند کرتا ہے' کیا وہ جانتا ہے کہ میں عریشہ جمیل اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔" وہ بے چین سی ہو گئی۔

"تم ہم سے الگ ہو؟" اسے ثوبان کی بات یاد آئی تو کچھ ڈھارس سی ہوئی۔

"یقیناً" وہ مجھے پسند کرتا ہے' لیکن اس جملے سے یہ تو نہیں پتا چلتا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے' اگر وہ کسی اور کو پسند کرتا ہوا تو۔۔۔؟ وہاں یونیورسٹی میں تو اتنی ساری لڑکیاں ہوتی ہیں' خوب صورت' طرح دار۔۔۔ بے چینی اتنی بڑھی کہ وہ سب چھوڑ چھاڑ اندر چلی آئی۔ عادلہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"عرشی! چائے ہی بنا لو۔"

"چائے کی ضرورت تو اس وقت عرشی کو ہے' دیکھیں! کیسے بھیگ رہی ہے۔"

عریشہ نے بے اختیار ثوبان کو دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ عریشہ کی نگاہ جھک گئی۔



"مریم! اری او مریم!" حمیدہ نے آواز لگائی۔ ساتھ ہی وہ شاپر سے کپڑے نکال نکال کر دیکھ رہی تھیں اور عادلہ سے مشورہ کر رہی تھیں کہ مزید کیا کچھ چاہیے۔ دونوں ابھی ابھی بازار سے آئی تھیں۔ عادلہ کا بہت بار جی چاہا کہ انہیں اس اسراف سے روکیں۔ مگر اپنی جٹھانی کی عادت سے بھی واقف تھیں اس لیے خاموش رہیں۔

"ساجدہ کب واپس گئی؟" عادلہ نے پوچھا۔

"صبح ہی نکل گئی تھی۔ جاتے ہوئے تین ہزار بھی لے گئی۔"

"چلیں! کوئی بات نہیں' والدین بیٹیوں پر ساری زندگی خرچ کرتے ہی رہتے ہیں۔" عادلہ نے متانت سے کہا۔

"ہاں ساری زندگی' ان ہی بیاہی بیٹیوں کے چونچلے پورے کرتی رہیں گی ہماری اماں۔ ہمارے تو کوئی ارمان ہی نہیں ہیں۔" مریم پھولے منہ کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ شادی کے لیے اس کے کپڑے نہیں بنے تھے' سو اس کا مزاج برہم تھا۔

"ایسا کر' میری کھال کھنچوا کر سلوا لے اپنا سوٹ۔ اب یہی کسر رہ گئی ہے۔" حمیدہ کا ضبط جواب دے گیا۔

"بھابھی! اس لیے تو اعتدال اور میانہ روی کا حکم ہے۔" عادلہ نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ "لیکن ہماری نمود و نمائش کی عادت نے شادی جیسے مقدس فریضے کو بھی بار بنا دیا ہے۔"

"ہاں تم یہ تقریریں کر سکتی ہو۔ ایک ہی اولاد ہے' جو چاہے اس پر خرچ کرو۔ مجھ سے پوچھو ٹبر کے خرچے کیسے پورے کرتی ہوں۔" انہوں نے تڑخ کر کہا۔ عادلہ کے پاس خاموش ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

"میں شادی پر نہیں جاؤں گی۔"

"نہ جاؤ۔" حمیدہ نے بے مروتی سے کہا۔

"اماں!" مریم روہانسی ہو گئی۔

"دیکھ مریم! میرے پاس کوئی پیسا نہیں ہے۔ وہ پرانے کپڑے پڑے ہیں پہن کر جا سکتی ہے تو چل ورنہ پڑی رہ

گھر میں۔"

"وہ آؤٹ آف فیشن کپڑے......"

"یہ مجھے نہیں پتا۔" حمیدہ نے آرام سے کہہ کر سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ مریم پاؤں پٹختی اندر چلی گئی۔

"عرشی سے بھی کہو تیاری کر لے ساتھ جائے گی۔" "اسے رہنے دیں وہ کیا کرے گی۔" عادلہ نے ٹالنا چاہا۔

"جو ڈھول ہم نے بجانے ہیں وہی جا کر عریشہ بجالے گی۔" وہ پہلے ہی چڑی بیٹھی تھیں۔

"میں تو اس لیے کہہ رہی تھی۔بانو کے سسرال والوں کا مزاج عجیب سا ہے۔ کہیں....."

"ارے گھر سے تو نہیں نکال دیں گے۔ بچی سب کے ساتھ جائے گی تو ہنس بول لے گی بس۔ تمہاری تو ویسے بھی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ عریشہ ددھیال والوں سے دور رہے۔"

"بانو کے سسرال والے عرشی کے ددھیال والے تو نہ ہوئے۔" عادلہ مسکرائیں۔ عرصہ ہوا سسرال والوں کی تلخ و شیریں وہ یونہی مسکرا کر ٹال جاتی تھیں۔

"تم تو بات پکڑ لیتی ہو۔ اچھا! تمہارے پاس کچھ پیسے ہیں؟"

"پیسے؟" عادلہ گڑبڑائیں۔ (ایک اور ادھار؟)

"دیکھو اب یہ نہ کہہ دینا کہ نہیں ہیں۔ آخر تم دو جانوں کا خرچا ہی کیا ہے۔ کچھ نہ کچھ تو رکھا ہوگا۔" وہ حمیدہ تھیں سامنے والے کو یوں گھیرتیں کہ انکار کی گنجائش ہی نہ رہتی۔ ساری عمر گزر گئی عادلہ کو انہیں سمجھنا نہیں آیا۔ "جی.....وہ" عادلہ ہچکچائیں۔ "تو بس ادھار دے دو۔ یہ شادی نبٹ جائے تو واپس کر دوں گی۔"

یہ بات تو عادلہ بھی اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان روپوں کی واپسی کی امید بے کار ہے۔

"جی۔ عرشی کے ہاتھ بھجواتی ہوں۔" وہ اک طویل سانس لے کر اٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

کچھ لمحے سکون کی تلاش میں وہ گھر سے نکل آیا۔ چلتے چلتے کیکر کے پاس خشک کنویں کے قریب رک گیا' چار دن وہ بیمار ہو کر گھر کیا رہا۔ کبریٰ نے گویا اس کی جان کھالی تھی۔ نجانے کیوں اسے لگا تھا کہ وہ بہانا بنا رہا ہے۔

"کیا زندگی ہے' فضول اور بے کار۔" اس نے کنویں کی گہرائی میں جھانک کر یاسیت سے سوچا۔ "زندگی پہلے تو ایسی نہ تھی۔ جب تک ابا زندہ تھے۔"

اس نے ان دنوں کی خوشگواریت کو پوری طرح محسوس کرنے کی کوشش کی۔ تب کبریٰ بھی اتنی بد زبان نہ تھی۔ ابا کو بہت شوق تھا کہ اس کا بلو پڑھ لکھ جائے۔ وہ ہمیشہ کہتے "میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ پڑھ لکھ کر افسر بنے۔ بھلے! اپنی زمین سنبھالے مگر علم ضرور حاصل کرے۔" ابا کے مرنے کے بعد شاید ان کا خواب' یہ ارمان بھی مرجاتا' مگر یہاں جمیلہ آڑے آگئی۔ اس نے ہر لمحے بلو کو یہ باور کرایا کہ اسے پڑھنا ہے۔ باپ کی خواہش کو پورا کرنا ہے۔ تب ہی تو اسے شہر کے کالج میں داخلہ کروا دیا۔ وہ اپنے گاؤں سے پڑھنے کے لیے شہر جانے والا واحد نوجوان تھا۔ جہاں گاؤں کے لوگ اس پر فخر کرتے' وہیں کبریٰ اسے ذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی۔ پڑھنا لکھنا اسے بے کار کا کام لگتا۔ وہ چاہتی تھی کہ ابرار پڑھائی چھوڑ کر اپنے چاچا کا ہاتھ بٹائے' کیونکہ وہ تنہا زمینوں کو سنبھال رہا تھا۔ اس خواہش میں اگر خلوص تھا تو صرف اپنے شوہر کے لیے۔

"اے بلو! تو یہاں کیا کر رہا ہے۔" بشریٰ کی آواز پر ابرار کا جی چاہا سر پیٹ لے۔ "کیا مصیبت ہے؟" وہ تنک کر بولا۔

"ہا... تو مجھے مصیبت کہہ رہا ہے۔" بشریٰ نے پورا منہ کھول لیا۔

"میں گھر سے نکلا تھا' کچھ لمحے سکون سے گزارنے کے لیے۔" ابرار نے دانت پیسے۔

"کیا مطلب ہے' گھر میں تجھے سکون نہیں ملتا۔" بشریٰ نے کمر پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے' وہاں بیٹھ کر چاچی کی باتیں سننے کا۔" ابرار نے ایک چھوٹی سی کنکری کنویں میں اچھالی۔

"اماں! تجھے باتیں سناتی ہے؟" اس نے اچھنبے سے پوچھا۔

"ہاں....."

"میں اماں کو بتاؤں گی۔" بشریٰ نے دھمکی دی۔

"ضرور بتانا جتنی باتیں وہ سناتی ہے۔ اگر میں سنانے پر آیا تو ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ یہ زمین اکیلے چاچے کی نہیں ہے۔ اس میں میرا بھی حصہ ہے۔ بتا دینا اپنی ماں کو....."

وہ تلخی سے کہہ کر ناک کی سیدھ میں چلتا چلا گیا۔ بشریٰ منہ کھولے اسے دیکھتی رہی۔ جو راستے میں آئے ہر پتھر کو ٹھوکر سے اڑا رہا تھا۔

"لگتا ہے بخار دماغ کو چڑھ گیا ہے۔ اس کے دماغ کا علاج بھی کروانا پڑے گا۔ اماں کو جا کر بتاتی ہوں۔" وہ واپس گھر کی طرف بھاگی۔

☆ ☆ ☆

"دیکھ لیں امی حضور! عین وقت پر آیا ہوں۔" محسن نے آتے ہی کہا۔

"ہاں... میں بھی تیار بیٹھی ہوں۔" نبیلہ نے اپنا پرس اور ایک شاپنگ بیگ اٹھایا۔

"ابھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ تھوڑے دن ٹھہر کر چلی جاتیں۔" محسن نے ان کے ہاتھ سے بیگ پکڑا۔

"بھئی یہ تم ہر وقت میرے پیچھے نہ پڑے رہا کرو۔ ٹھیک ہوں میں گھر بیٹھے بیٹھے تو یوں بھی دل گھبرانے لگتا ہے۔" وہ جھنجلائیں۔

"ہاں طیبہ بھابھی کے ساتھ رہتے ہوئے یہ ممکن ہے۔"

"شریر۔" نبیلہ نے گھورا تو وہ ہنس دیا۔

"اچھا تم گاڑی نکالو۔ میں طیبہ کو بتا آؤں۔" وہ دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے طیبہ کے بیڈ روم میں آئیں۔ وہ ریسیور کان سے لگائے بات کر رہی تھی۔

"دل لگانے کے لیے یہاں ہے کیا؟ جمال! میں تنگ آگئی ہوں۔"

نبیلہ لاشعوری طور پر رک سی گئیں۔

"گھر کے کام کیسے کروں۔ جو کام بھی کرتی ہوں۔ اس میں سو سو نقص نکالے جاتے ہیں۔ ہر کام پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ امی تو ایک طرف' محسن بھی باز نہیں آتا۔ میں بڑی بھابھی ہوں مگر مجال ہے جو ذرا عزت کرتا ہو۔ ہر بات منہ پر مار دیتا ہے۔ روٹیاں ایسی کیوں ہیں۔ چاول کچے ہیں۔ سبزی نہیں بھنی... بتائیں کیا میں پھوہڑ ہوں؟ اپنے گھر میں کوکنگ کی ماہر سمجھی جاتی تھی اور یہاں....."

وہ رک کر جمال کی بات سننے لگی۔

"جانتی ہوں؟ ہر گھر کے اپنے طور طریقے ہوتے ہیں' مگر آپ کے گھر کے طریقے میری سمجھ میں نہیں آتے۔" نبیلہ ایک طویل سانس لے کر واپس پلٹ گئیں۔ محسن ان کا گاڑی میں انتظار کر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے جا کر بیٹھ گئیں۔

"کیا ہوا؟" محسن نے چونک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں چلو..." وہ بدقت مسکرائیں۔

☆ ☆ ☆

"مریم!" عریشہ نے پکارا۔
"ہوں۔۔۔" مریم اپنے ہاتھوں اور پیروں پر ابٹن ملنے میں مصروف تھی۔ دونوں چھت پر تھیں۔
"محبت کیسے ہوتی ہے۔۔۔؟"
"ایں۔۔۔" مریم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا' وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی تھی۔
"بتاؤ نا۔۔۔ محبت کیسے ہوتی ہے؟" عریشہ نے اصرار کیا۔
"تم نے رس ملائی بنانے کی ترکیب پوچھی ہوتی تو میں بتا دیتی۔ اب مجھے کیا پتا محبت کیسے ہوتی ہے۔ ویسے تم کیوں پوچھ رہی ہو۔" مریم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔
"ویسے ہی معلومات میں اضافے کے لیے عریشہ نے کندھے اچکا کر کہا۔"
"عرشی! پتا ہے میرا بھی دل چاہتا ہے کوئی مجھ سے محبت کرے بالکل فلمی ہیرو جیسی مجھ پر مر مٹے' میرے لیے سب کچھ کرنے کو تیار رہو۔ میں راتوں کو اٹھ کر آہیں بھروں۔۔۔ چوری چوری باتیں' ملاقاتیں کروں اور آخر میں ہم دونوں گھر سے بھاگ جائیں۔" وہ جوش سے بولتی چلی گئی۔"
"ربش۔۔۔ ایسی سڑک چھاپ قسم کی محبت کرنی ہے تم نے؟" عریشہ نے گھورتے ہوئے کہا۔
"تمہیں پسند نہیں آئی تو نہ سہی۔" مریم نے کندھے اچکائے' پھر ابٹن والا برتن اٹھا کر نیچے جھانکا۔
"فاطمہ! چائے بن گئی کیا؟"
"ہاں میں آواز دینے ہی والی تھی۔ آجاؤ۔۔۔" فاطمہ نے جواب دیا۔
دونوں نیچے آگئیں۔ فاطمہ نے برآمدے کے تخت پر چائے اور گھر کے بنے بسکٹ رکھے تھے۔
"اپنے باپ کو دے دی؟" حمیدہ نے پوچھا۔
"جی امی!" فاطمہ نے جواب دیا' وہ اپنا کپ لیے فرید کو قابو کیے بیٹھی تھی۔ جو بے زار چہرے کے ساتھ کتابیں کھول رہا تھا۔
"فاطمہ آپی! میں بھی آپ سے بسکٹ بنانا سیکھوں گی۔" عریشہ نے کہا تو تائی جھٹ سے بولیں۔
"تو سیکھنا کیا ہے' جب دل چاہے' فاطمہ بنا دے گی۔"
"سیکھنے دیں سسرال میں کام آئے گا۔" مریم ہنسی۔
"تو عرشی نے کہاں جانا ہے۔ یہیں رہے گی میرے پاس۔" حمیدہ نے پیار سے عریشہ کو دیکھا۔
عریشہ کے ہاتھ سے بسکٹ چھوٹ کر کپ میں گر گیا۔ اس نے تائی کو دیکھا' وہ آرام سے چائے میں بسکٹ ڈبو ڈبو کر کھا رہی تھیں۔ عریشہ نے باری باری سب کو دیکھا۔ فاطمہ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ عریشہ نے گڑبڑا کر سر جھکا لیا۔ دل نے خوش گوار دھڑکنوں کا راگ چھیڑ دیا۔
"تو کیا تائی بھی یہی چاہتی ہیں؟"
تب ہی دروازے پر بیل ہوئی' فرید کتاب پھینک کر بھاگا۔ فاطمہ ارے۔۔۔ ارے کہتی رہ گئیں۔ اس نے بھاگ کر دروازہ کھول دیا۔
"لو آگئیں نصیحت بی بی!" حمیدہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ پھپھو نبیلہ کے ساتھ محسن کو دیکھ کر تینوں لڑکیوں نے سر پر دوپٹے لے لیے۔ حمیدہ نے بھی زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجالی۔
"بڑے دنوں کے بعد چکر لگایا۔ اور یہ محسن۔۔۔ اسے تو کبھی مامی کی یاد ہی نہیں آئی۔" حمیدہ نے شکوہ کیا۔
"کئی دنوں سے آنا چاہ رہی تھی۔ کبھی محسن فارغ نہیں ہوتا تھا تو کبھی میں بیمار پڑ جاتی۔ آج سوچا ہو ہی آؤں' موسم بدل گیا ہے۔ کئی دنوں سے لڑکیوں کے لیے کپڑے خرید رکھے تھے۔"

نبیلہ کی ہمیشہ سے عادت تھی۔ ان کے لیے کچھ نہ کچھ خریدتی رہتیں۔ بقول ان کے "اس طرح وہ بیٹیوں کی کلر فل شاپنگ کا مزا لیتی ہیں۔"

"محسن بھائی! آپ بیٹھیں نا۔" مریم کو خاموش کھڑے محسن کا خیال آیا۔ تو اس نے جلدی سے کرسی سامنے کی۔

"شکر ہے، پھپھو کے علاوہ کچھ نظر تو آیا۔ ورنہ میں تو سوچ رہا تھا' کھڑے کھڑے واپس جانا پڑے گا۔" وہ شرارت سے کہہ کر بیٹھ گیا۔ "اور سنائیں عرشی بی بی! کیا حال چال ہیں۔" وہ عریشہ سے مخاطب ہوا۔

"فٹ فاٹ۔" وہ مسکرائی۔ محسن سے زیادہ فری نہیں تھی۔

"اصغری بی بی! آج چائے نہیں ملے گی؟" محسن نے عین سامنے بیٹھی فاطمہ کو چھیڑا' جو کاپی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر محسن کو دیکھا۔

"محسن! میری بیٹی کو تنگ مت کرو۔" نبیلہ نے گھورا۔

"میں نے اسے اکبری تو نہیں کہا' اصغری کہا ہے' تعریف ہی کی ہے' کیوں بچیو!" اس نے عقب میں کھڑی عریشہ اور مریم سے تائید چاہی۔

"میں لاتی ہوں۔" فاطمہ مسکراہٹ دباتی اٹھ گئی۔

"اور لڑکی! تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔ چھوٹی مامی کو بلاؤ' اکٹھے چائے پیتے ہیں۔" عریشہ محسن کی بات سن کر ماں کو بلانے چل دی۔

"بھائی جان کدھر ہیں۔" نبیلہ نے پوچھا۔

"نماز پڑھنے گئے ہیں۔ پتا نہیں پوری آتی بھی ہے یا نہیں۔" حمیدہ کے جواب پر محسن کو زور سے ہنسی آگئی۔



توبہ... توبہ ایسی مہنگائی کہ مت پوچھو۔ بیٹھے بٹھائے پورے پندرہ ہزار خرچ ہو گئے۔ اوپر سے لڑکیوں کے چونچلے... اگر عادلہ ادھار نہ دیتی تو پتا نہیں کیسے پورا ہوتا۔ نعمان نے تو کہہ دیا تھا اور ایک پیسا نہیں دوں گا۔"

نبیلہ نے بے اختیار عادلہ کو دیکھا۔ وہ نظریں چرا گئیں۔ نبیلہ نے طویل سانس لے کر حمیدہ کو دیکھا' جو ابھی تک مہنگائی کے رونے رو رہی تھیں۔

"ہاں' بات تو کچھ ایسی ہی ہے اسی لیے انسان کو چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا چاہئیں۔ اب کتنی بار تو سمجھا چکی ہوں کہ سوچ سمجھ کر خرچ کیا کریں۔ تھوڑی بچت کی عادت ڈالیں۔ ابھی دو لڑکیاں بیاہنی ہیں۔ ثوبان کی تعلیم... نعمان کی شادی... خواہشات کا کیا ہے' چیونگم کی طرح جتنا مرضی چباتے جاؤ۔ آخر میں بدمزا ہی کرتی ہیں۔ اب دکھاوے کے چکروں میں بجٹ تو نہیں خراب کرنا چاہیے' لڑکیوں کو بھی سمجھایا کریں۔ اس مقابلے بازی میں میکے والوں کا کباڑا نہ کریں۔"

نبیلہ نے رسانیت سے سمجھایا۔ حمیدہ دل ہی دل میں کلس کر رہ گئیں' تب ہی بات بدل دی۔ "یہ محسن کہاں چلا گیا۔"

"اسے آفس جانا تھا۔ واپسی پر مجھے لے جائے گا۔"

"اچھا میں کچھ کھانے کا بندوبست کر لوں۔" حمیدہ اٹھیں۔

"جی...." نبیلہ نے انہیں اندر غائب ہونے تک دیکھا۔ پھر عادلہ کی طرف مڑیں۔

"میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ اس طرح ادھار مت دیا کرو۔ تمہیں پتا بھی ہے کہ وہ کبھی واپس نہیں

کرتیں۔"
"میں کیا کروں نبیلہ! انکار کر کے ان کے طعنے کون سنے۔"
"عادلہ حد کرتی ہو۔ خود مختار ہو۔ اپنے گھر میں رہتی ہو۔ اپنا خرچ کرتی ہو۔ پھر استاد بننے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ جھنجلائیں۔
"نبیلہ! تم جانتی ہو۔ جہالت کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔"
"یہ کوئی لاجک نہیں ہے۔ عریشہ کی شادی' تعلیم کیا بندوبست کیا ہے تم نے۔ بتاؤ تم میں اور حمیدہ میں فرق کیا ہے۔ وہ اس طرح اڑاتی ہیں ہم اس طرح......"
"اچھا چھوڑو اس قصے کو۔" عادلہ نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔
"میری مانو تو کمیٹی ڈال کر عریشہ کا زیور وغیرہ بنوالو۔ ورنہ اس طرح تو کچھ جمع نہیں کر پاؤ گی۔" نبیلہ کا مشورہ عادلہ کے دل کو لگا۔
"ہاں' یہ بات تو ٹھیک ہے۔"
"تو بس اسی مہینے سے شروع کر دو۔" نبیلہ کے لیے عادلہ کو سمجھانا آسان تھا۔



"بلو کا بخار اتر گیا؟" اصغر نے پراٹھے پر پگھلتے مکھن کو دیکھتے پوچھا۔ کبریٰ موٹے موٹے پراٹھے بنا رہی تھی۔ جب سے سردی کا آغاز ہوا تھا۔ سب چولہے کے پاس بیٹھ کر ناشتا کرتے تھے۔
"نہیں' دماغ کو چڑھ گیا ہے۔" کبریٰ نے تپ کر کہا۔
"ہیں؟ مجھے بتایا کیوں نہیں۔" وہ اٹھنے لگا۔
"بیٹھ جا' کیسے بھتیجے کے لیے ہڑکتا ہے۔ کچھ نہیں ہوا اسے بس دماغ خراب ہے۔"
"تو سیدھی طرح نہیں بتا سکتی۔ پتھی مت ہے تیری بھی۔" اصغر گرجا۔
"چار جماعتیں کیا پڑھ لی ہیں۔ ہمارے سر چڑھنے لگا ہے۔ بڑھ بڑھ کر باتیں سنانے لگا ہے۔ بشریٰ کو بلا کر پوچھ کل کیا کیا طعنے دیے ہیں۔" اس نے گرما گرم پراٹھا چنگیر میں رکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔ ساتھ میں دہی کا پیالہ اور مٹی کی کٹوری میں اچار بھی موجود تھا۔ اصغر اس میں سے مرچ کا اچار الگ کرنے لگا۔
"کیا کہتا ہے؟"
"بشریٰ کو کہتا ہے' تیری ماں مجھے طعنے دیتی ہے۔ اس زمین میں میرا بھی حصہ ہے۔ چاچا اکیلا نہیں ڈکار سکتا۔"
"اس نے یہ کہا؟" اصغر کی تیوری چڑھی۔
"نہیں میں جھوٹ بول رہی ہوں۔"
"بلو او... بلو..." اصغر دھاڑا۔
"اچھی طرح دماغ درست کرنا۔" کبریٰ کو موقع مل گیا تھا۔
"جی چاچا!" بلو باورچی خانے کے دروازے میں آ کھڑا ہوا۔ وہ کالج جانے کے لیے تیار تھا۔
"کل بشریٰ سے کیا بکواس کی تھی؟"
بلو نے کبریٰ کو دیکھا۔ یقیناً "اچھی خاصی لگائی بجھائی کی تھی۔ کل غصے میں جو کچھ کہا تھا۔ اس پر پچھتایا بھی تھا' فی الحال اسے چاچا کی ضرورت تھی۔ اپنا حق' عنایت سمجھ کر لینا منظور تھا' کم از کم اس وقت تک' جب تک وہ خود کمانے کے قابل نہ ہو جاتا۔
"تیرا زمین میں حصہ ہے؟" اصغر نے پوچھا۔

"کیا نہیں ہے؟" ابرار نے سنبھل کر نگاہ اٹھائی۔

"اوئے تیری....."

"چاچا! گالی مت دینا۔" ابرار نے انگلی اٹھائی' ایک لمحے کے لیے اصغر کو احساس ہوا۔ اصغر بوڑھا ہو گیا ہے اور بلو جوان' وہ اب بے عزتی نہیں سہارے گا' اس احساس نے اسے جھنجلا دیا۔

"مجھے انگلی دکھاتا ہے....." چار کی کٹوری اڑتی ہوئی ابرار کے سینے سے ٹکرائی اور اس کی سفید شرٹ کو داغ دار کرتی نیچے گر کر ٹوٹ گئی۔ ابرار ذرا سا پیچھے کو لڑکھڑایا' ایک لمحے کو کبریٰ بھی ششدر رہ گئی۔ اتنے شدید رد عمل کی توقع نہ تھی۔ یوں تو کئی مرتبہ شکایتیں لگا کر ابرار کو ڈانٹ پڑوائی تھی۔

مگر آج کچھ نیا ہوا تھا۔

آج ابرار نے سر جھکا کر گالیاں نہیں سنی تھیں۔

اس کی انگلی اٹھی تھی۔ آج انگلی اٹھی تھی تو کل..... کبریٰ توے پر پڑا پراٹھا بھول گئی۔

اصغر مغلظات بک رہا تھا اور ابرار.....

کبریٰ کو ابرار کی شرارے برساتی آنکھوں سے خوف آیا۔

شور سن کر جمیلہ اور بشریٰ بھاگتی ہوئی آئیں۔

"کیا ہوا؟"

"سمجھالے..... سمجھالے..... اس سانپ کو..... مجھے انگلی دکھاتا ہے۔ میں تو اس کی....." اصغر لپکا' کبریٰ نے تیزی سے اٹھ کر آٹے سے بھرے ہاتھوں سے اصغر کا بازو پکڑ لیا۔ "جانے دے' رہنے دے بچہ ہے۔"

"جمیلہ دل پر ہاتھ رکھے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ابرار کی سفید شرٹ سرسوں کے تیل میں لتھڑی تھی۔

"بلو! تو چل باہر..... چل ادھر سے....." جمیلہ اسے کھینچنے لگی تو بلو نے اپنا بازو چھڑایا۔ ایک نفرت بھری نگاہ سب پر ڈالی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

جمیلہ اس کے پیچھے بھاگی مگر وہ لمحوں میں بیرونی دروازہ پار کر گیا۔ وہ وہیں چوکھٹ پر بیٹھ کر رونے لگی۔

کبریٰ اصغر کا غصہ ٹھنڈا کر رہی تھی اور بشریٰ ایک طرف تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"اگر بلو گھر نہ آیا تو....."



"نہیں..... نہیں اپنے سیاپے پورے کر لے۔ میرا کیا ہے؟ کسی نے جوتے پر پالش پھیرنے کی زحمت گوارا بھی نہیں کی۔ گھر میں رکھی کوڑے کے ٹوکری جتنی اہمیت نہیں۔"

تایا ظفر کو ویسے بھی بہت شوق تھا' ایسے کسی بھی موقع پر گھر والوں کے ہاتھ پاؤں پھلانے کا۔ فاطمہ سب کام چھوڑ کر بھاگی۔ ہاتھ میں چمکتے دمکتے جوتے تھے۔

"دیکھیں نا ابا! میں نے تو صبح سے آپ کے جوتے چمکا کر رکھے ہیں۔"

"تو چھپا کر رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔" انہوں نے گھورا۔

"چھپائے نہیں وہ تو ادھر....."

"فاطمہ! میں نئی بنیان لایا تھا۔" نعمان کی آواز پر وہ ادھر لپکی۔

"ہاں پہلے ان کو دولہا بنا دو۔ جتنا کماتا ہے۔ اس سے دگنی آنکھیں دکھاتا ہے۔" وہ بڑبڑانے لگے۔ گھر میں عجیب سی ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔ ثوبان اوپر سے تیار ہو کر خوشبو میں بسا نیچے آیا۔

"ماشاء اللہ! میرا بیٹا ہیرو لگتا ہے۔ آج تو لوگ جل مریں گے۔ ہے کوئی اس جیسا۔" حمیدہ سارے کام چھوڑ کر

اس کی بلائیں لینے لگی۔ نعمان نے مڑکر ثوبان کو دیکھا اور مسکرایا۔
''ہاں اماں! یہ تو ٹھہرا تیرا افسر بیٹا! اسی کی بلائیں لے گی۔''
''نہیں... تو بھی کسی سے کم نہیں۔'' ماں نے تسلی دی۔ ساتھ ہی پکارا۔ ''مریم او مریم! جلدی سے مرچیں ملا' اپنے بیٹوں سے وار دوں۔''
''اماں! میں عریشہ سے جوتے لینے جا رہی ہوں۔'' مریم نے جواب دیا' اور عریشہ کی طرف آگئی۔ جو میک اپ کر رہی تھی۔ مریم ٹھٹک گئی۔ میرون اور گلابی امتزاج کے جدید اسٹائل سوٹ میں وہ غضب ڈھا رہی تھی۔
''تم نے یہ سوٹ کب لیا؟''
''امی کے ساتھ جا کر لائی تھی۔'' عریشہ مڑکر مسکرائی۔
''شادی کے لیے؟''
''ہاں...''
''مجھے دکھایا ہی نہیں۔'' اس کے لہجے میں حسد ہی حسد تھا۔
''ابھی کل ہی تو لائے ہیں۔ تم اس وقت مہندی لگوانے گئی تھیں۔'' عریشہ نے کانوں میں وہی ٹاپس ڈالتے ہوئے بتایا' جو عادلہ نے اسے میٹرک پاس کرنے پر بنوا کر دیے تھے۔
''تم تیار ہو گئیں؟''
''ہوں... تم سے اسٹریپ والے بلیک سینڈل لینے آئی تھی۔''
''اوہ... وہ تو میں نے پہن رکھے ہیں۔'' عریشہ نے پاؤں سامنے کیا۔ ''تم کوئی اور دیکھ لو براؤن...''
''نہیں سوٹ پرانا ہے تو میں سینڈل بھی پرانے پہن لوں گی۔'' مریم کا مزاج مکمل طور پر برہم ہو چکا تھا۔ اسے اپنی ساری تیاری۔ بے کار لگنے لگی تھی۔
''جیسے تمہاری مرضی...'' عریشہ کندھے اچکا کر میرون اور گلابی چوڑیاں پہننے لگی۔ مریم پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔
''عرشی! اب جلدی آجاؤ' میں جا رہی ہوں۔'' عادلہ اندر آئیں پھر تو ٹھٹک گئیں۔
''بری بات عریشہ! کنواری لڑکیاں اتنا میک اپ نہیں کرتیں۔'' انہوں نے نرمی سے ٹوکا۔
''امی! زیادہ تو نہیں ہے۔'' عریشہ نے آئینہ دیکھا۔
''ہاں... بس لپ اسٹک ہلکی کر لو۔ زیادہ میک اپ سے نیچرل بیوٹی دب جاتی ہے اور میری بیٹی ویسے ہی بہت پیاری ہے۔''
''اوکے...'' عریشہ اپنی تعریف پر خوش ہو گئی۔
''اچھا... میں جا رہی ہوں تم بھی جلدی آؤ۔''
''بس چوڑیاں پہن لوں...'' وہ جلدی جلدی چوڑیاں پہننے لگی۔ تھوڑی تنگ تھیں۔ اس لیے وقت ہو رہی تھی۔ دوسری طرف اٹھنے والا شور بتا رہا تھا کہ سب گاڑی میں بیٹھنے والے ہیں۔ چوڑیاں پہن کر عریشہ نے ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا۔
''آج غضب ڈھا رہی ہو۔'' آئینے نے سرگوشی کی۔
''اچھا... تو کیا آج وہ کچھ بولے گا؟''
آئینہ خاموش ہوا' مگر اس میں ثوبان کا عکس بولنے لگا۔
عریشہ گھبرا کر پلٹی۔ ثوبان اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

کچی کلیوں سی نازک لڑکی گلابی رنگ اوڑھے
آنکھوں میں خوابوں کی دھنک
لبوں پر شرمیلی مسکان۔
جھکی نگاہ بتاتی تھی وہ ثوبان پر اپنا آپ ہار چکی ہے۔
اس کی انا اور خود پسندی بلند ہونے لگی۔
"آج تو اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ کوئی بھی ساری دنیا کے خزانے تم پر لٹانے کو تیار ہو جائے۔" وہ پلٹ کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی اشیا کو خوامخواہ چھیڑنے لگی۔
"مجھے کسی کے خزانے کی ضرورت نہیں۔" عریشہ کو لگا یہی لمحہ ہے۔ اگر اس لمحے میں ثوبان بندھ گیا تو ساری عمر کے لیے قید ہو جائے گا۔
"تو..." وہ قریب آیا۔ اتنا قریب کہ اس کے پرفیوم کی مہک عریشہ کے حواسوں پر طاری ہونے لگی۔
"کبھی کبھی کسی کے کہے چند الفاظ انمول خزانوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔"
"کون سے الفاظ؟" وہ مستقل انجان بن رہا تھا۔
"آپ کے پاس میرے لیے چند الفاظ بھی نہیں۔" عریشہ نے ایک ادا سے کہا۔
ایک پل کو ثوبان حیران رہ گیا۔
اتنی بے باکی اتنی جرات اتنا کھلا اظہار...
"تو سنو..." وہ اس کے کان پر جھکا۔
"کوئی وعدہ نہیں ہم میں
نہ آپس میں بہت باتیں
نہ ملنے میں بہت شوخی
نہ آخر شب مناجاتیں
مگر اک ان کہی سی ہے
جو ہم دونوں سمجھتے ہیں۔"
"عریشہ! وہ..." عادلہ اپنی دھن میں اندر آئیں۔ ثوبان بدک کر پیچھے ہٹا۔
عریشہ گھبرا کر مڑی تو ہاتھ لگنے سے پرفیوم کی شیشی نیچے گر گئی۔
عادلہ ششدر سی کھڑی بھول گئیں کہ کیا کہنے آئی تھیں۔
پرفیوم نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔
خوشبو چار سو بکھرنے لگی۔
خوشبو جو سارے راز افشا کر دیتی ہے۔
"کب سے کہہ رہا ہوں اب نکلو بھی۔ مگر ان لڑکیوں کی تیاری بھی" ثوبان بوکھلا کر باہر نکل گیا۔ عادلہ ہکا بکا تھیں، بچپن سے ایک ساتھ پلے بڑھے تھے۔ یوں کھڑے ہو کر بات کرنا انوکھا نہ تھا مگر انوکھے تو دونوں کے انداز تھے۔
"اور کتنی دیر ہے؟" عادلہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"بس آرہی ہوں۔" عریشہ دوپٹہ اوڑھتی باہر کھسک گئی۔ شادی میں انجوائے کرتے اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ وہ اپنی ماں کے لیے فکروں کے نجانے کون کون سے در کھول آئی ہے۔



گڑوالی چائے کی پیالی سے اٹھتی بھاپ معدوم ہو گئی تھی۔
ابھی ابرار نے ایک گھونٹ نہیں لیا تھا۔ ماسٹر صاحب عشا کی نماز پڑھ کر آئے تو ٹھٹک گئے۔ وہ ابھی تک نہیں گیا تھا۔ ماسٹرنی نے بتایا تھا۔ اس نے نماز بھی نہیں پڑھی اور کھانے سے بھی انکار کر دیا تھا۔
"کیا بات ہے بلو بیٹا! ٹھیک تو ہو....." انہوں نے لوئی اتار کر کھونٹی پر ٹانگی۔ گاؤں کی راتیں ٹھنڈی ہونے لگی تھیں۔ رات کو گرم کپڑوں کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔
"جی ماسٹر صاحب!" ابرار نے کہا اور پیالی اٹھالی۔ چائے میں ہلکی سی گرمائش تھی۔ وہ ایک ہی گھونٹ میں پی گیا۔
"گھر نہیں جانا؟" انہوں نے چارپائی پر بیٹھ کر کھیس ٹانگوں پر ڈال لیا۔
ابرار خاموش رہا۔
"ماں انتظار کر رہی ہوگی۔" انہوں نے پھر کہا تو ابرار کھڑا ہو گیا۔
ماسٹر صاحب نے اسے بغور دیکھا۔ پھر نرمی سے بولے۔
"بلو! نہیں جی چاہ رہا تو بیٹھ جاؤ۔ ٹھنڈی رات کو گلیوں میں پھرنے کی ضرورت نہیں۔" ابرار اسی طرح بیٹھ گیا۔
"چاچے نے کچھ کہا ہے؟" وہ اس کے گھر کے حالات سے بخوبی آگاہ تھے۔
"کچھ....." ابرار نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔" بہت کچھ۔ سب کچھ چاچے کا ہے۔ بس نہیں چلتا اس کا کہ میرے ہاتھ سے کتابیں چھین کر کہیں پھینک دے۔ وہ چاہتا ہے میں کالج چھوڑ کر اس کے ساتھ زمینیں سنبھالوں۔"
"اس کا بیٹا نہیں ہے۔ اس لیے چاہتا ہے کہ تم اس کے بازو بنو۔ ہاں کالج چھوڑنے والی بات غلط ہے۔ زمین سونا اگلتی ہے تو علم ذہن کو زرخیز کرتا ہے۔" ماسٹر صاحب نے رسانیت سے کہا۔
"جاہل کیا جانیں علم کی قدر۔"
"تم خود کو عالم سمجھنے لگے ہو۔" وہ دھیرے سے مسکرائے۔
ابرار کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔
"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ پر چاچی کی ہر شکایت پر چاچا بار بار بے عزتی کرتا ہے۔ خرچا تک پورا نہیں دیتا۔ ماں دودھ بیچ بیچ کر کرایہ دیتی ہے۔ ایک ایک پیسے کے لیے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے۔ کیوں' میرا اس زمین میں حصہ نہیں ہے کیا؟ آج وہ محنت کر رہا ہے۔ تو کل کو میں بھی کماؤں گا۔ کہاں لے جاؤں گا' اسی گھر میں لاؤں گا۔" ابرار دل کی بھڑاس نکالتا چلا گیا۔
"اصغر کو اسی بات کو تو یقین نہیں ہے۔ اسے لگتا ہے کہ جب تو پڑھ لکھ کر کسی ملازمت پر لگے گا تو یہاں نہیں رہے گا۔ شہر چلا جائے گا ماں کے ساتھ۔"
"جیسا اس کا سلوک ہے۔ یہی کروں گا۔"
"دیکھ پتر! تو میرے شاگردوں میں سب سے ہونہار شاگرد تھا۔ تجھے بہت آگے جانا ہے۔ پر ابھی تیری منزل دور ہے۔ صبر اور تحمل سے یہ وقت گزار دے۔ اسے یہی گلہ ہے کہ تو اس کا ہاتھ نہیں بٹاتا۔ تھوڑا وقت نکال کر کھیتوں میں چلا جایا کر۔ اس کے شکوے بھی دور ہو جائیں گے۔" ماسٹر صاحب نے رسانیت سے سمجھایا۔
"اس کے شکوے کبھی دور نہیں ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں۔ شہر یہاں سے کتنی دور ہے۔ دو دو ویگنیں بدل کر جانا پڑتا ہے۔ کالج شہر کے آخری نکڑ پر ہے۔ آتے آتے شام ہو جاتی ہے۔ میں کیا کروں۔ اور چاچے نے کون سا میرا خرچا اٹھا رکھا ہے۔ ایک ایک پیسے کے لیے ترساتا ہے۔ جس دن کرایے کی رقم کم ہو' مجھے پیدل کالج تک جانا پڑتا ہے۔" وہ تلخی سے کہتا چلا گیا۔

"اور ماسٹر صاحب! آج میرے ساتھ جو یہ سلوک کر رہے ہیں۔ میں کل ان کے ساتھ کیسا سلوک کروں گا۔ یہی کچھ لوٹاؤں گا۔"

"ہوں۔ نیت نیک رکھ۔ اللہ سارے رستے کھول دے گا۔ مشکل وقت ٹل جانے کے لیے ہوتا ہے۔ اسے صبر سے گزارے گا تو میٹھا پھل پائے گا۔ میں تجھے یہیں ٹھہرا لوں، پر تیری ماں دروازے سے لگی بلک رہی ہو گی۔ جا، ماں کو اتنا نہ ستا، اس دنیا میں اللہ کے بعد تو ہی اس کا سہارا ہے۔ جا میرا بیٹا اللہ نگہبان۔"

ابرار ست روی سے اٹھا۔ اگر ماں کے انتظار کا خیال نہ ہوتا تو کبھی گھر کا رخ نہ کرتا۔ مگر اب جانا ہی تھا۔



رات کافی بیت گئی تھی۔ مگر سب لوگ ابھی بھی اپنے تھکے تبصروں میں مصروف تھے۔ چائے کے دو دور چل چکے تھے مگر گپ شپ جاری و ساری تھی۔

"توبہ! انجانے کسی سستی بیوٹیشن سے میک اپ کروایا تھا۔ سارا منہ لال لال کر دیا اور آئی شیڈ۔ توبہ۔" مریم نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"اور اس کے سسرال والے دیکھے تھے؟ ساری عورتیں اپنی شادی کے جوڑے پہن کر آئی تھیں۔ پندرہ پندرہ سال پرانے۔" ساجدہ بھی ان کے ساتھ ہی آ گئی تھی۔

"ارے لوگ بڑے سیانے ہیں۔ میرے تمہارے جیسے نہیں ہیں۔" حمیدہ نے جل کر کہا۔ "بانو نے اپنی دیورانی کو ہوا بنایا تھا۔ کیا لے کر آئے اس کے میکے والے۔ ٹھینگے سوا۔ اور نے کر ہمارا اتنا خرچ کروا دیا۔"

"آپ ہی فوراً اس کی باتوں میں آ جاتی ہیں۔ ان کی اوقات کا پہلے نہیں پتا تھا کیا؟"

ساجدہ تڑخ کر بولی۔ عادلہ نے طویل سانس لے کر عریشہ کو دیکھا۔ وہ اب بھی فاطمہ اور مریم کے ساتھ باتوں میں مگن تھی۔ پوری شادی میں انہوں نے بہت کچھ دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ بیٹی کے بدلے ہوئے انداز ان کے تفکرات میں اضافہ کر رہے تھے۔

انہوں نے بہت غور سے عریشہ کو دیکھا۔ وہ واقعی بڑی ہو چکی تھی۔

"عریشہ!" انہوں نے گھبرا کر پکارا۔ آواز اتنی بلند تھی کہ سب مڑ کر انہیں دیکھنے لگے۔

"کافی دیر ہو گئی ہے اب چلو، صبح کالج کے لیے لیٹ ہو جاؤ گی۔"

"میں تو صبح بالکل نہیں جا رہی کالج۔ اتنی تو تھکن ہو رہی ہے۔" مریم نے آرام سے کہا۔ عادلہ عریشہ کو اشارہ کر کے کھڑی ہو گئیں۔ گھر آ کر بھی عریشہ نے کپڑے نہیں بدلے۔ یونہی مسرور سی گھومتی رہی۔ آخر عادلہ کو ٹوکنا پڑا۔

"اب کیا یونہی چکراتی رہو گی۔ کپڑے بدل کر آؤ۔"

عریشہ نے ٹھٹک کر ماں کو دیکھا۔ وہ کچھ الجھی ہوئی لگ رہی تھیں۔

اسے صبح والا منظر یاد آیا تو کپڑے بدلنے کے بہانے کھسک گئی۔ واپس آئی تو عادلہ جاگ رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔

"عریشہ!" وہ نیم غنودگی میں تھی، جب عادلہ نے پکارا۔

"تمہیں ثوبان کیسا لگتا ہے۔"

عریشہ کی ساری نیند اڑ گئی۔ "اچھا ہے۔ اچھا لگتا ہے۔"

"ہوں۔۔۔" عادلہ کسی گہری سوچ میں گم ہو گئیں۔ عریشہ منتظر تھی کہ وہ کچھ اور پوچھیں تو وہ ماں سے دل کا حال کہہ دے گی، مگر وہ بالکل خاموش ہو گئی تھیں۔ عریشہ نے کروٹ بدلتے ہوئے سوچا۔

"اچھا تو امی کو کچھ نہ کچھ اندازہ ہو گیا ہے۔ اللہ خیر کرے، ویسے ثوبان میں کس چیز کی کمی ہے۔ سب سے بڑھ کر اپنا ہے۔ میں ہمیشہ امی کی نظر کے سامنے رہوں گی۔"
اپنی ہی سوچوں نے اس کے لبوں پر پھول کھلا دیے تھے۔



جمیلہ کب سے دہلیز پکڑے بیٹھی تھی۔ رات گہری ہو گئی گلیوں میں پھرتے آوارہ کتے بھی منہ چھپا گئے۔ گہری خاموشی پورے گاؤں پر سائے کی طرح پھیل گئی۔ باڑے میں جانور گردن ہلاتے تو گردنوں میں بندھی گھنٹیاں گنگنانے لگتیں۔ تاریک رات کی گود بے حد روشن ستاروں سے بھری ہوئی تھی۔
"تائی! تم ابھی تک سوئی نہیں۔" بشریٰ آنکھیں ملتی سر پر کھڑی تھی۔ وہ پانی پینے کے لیے اٹھی تھی، جو صحن کے آخری کونے میں تھا۔
"ماں کا کلیجہ گلیوں میں رل رہا ہے۔ نیندر کہاں سے آئے۔" جمیلہ نے دوپٹے سے آنکھیں خشک کیں۔
"ہائے اللہ! بلو ابھی تک نہیں آیا؟" جمیلہ نے کھا جانے والی نظروں سے بشریٰ کو دیکھا۔
"سارا سیاپا تو نے لگایا تھا، کیا ضرورت تھی جھوٹ سچ لگانے کی۔ پتا بھی ہے تیرے ماں پیو گرم دماغ کے ہیں۔"
"لو! میں نے کوئی جھوٹ بولا تھا۔ بلو نے مجھ سے خود یہ سب ....." بشریٰ نے تنک کر کچھ کہنا چاہا۔ جمیلہ نے درشتی سے اس کی بات کاٹ دی۔
"تو....؟ غصے میں بلو نے کچھ کہہ ہی دیا تھا تو چپ نہیں رہ سکتی تھی۔ ذرا سی بات اور....."
"ہاں سارا قصور تو میرا ہے۔" بشریٰ روہانسی ہو گئی۔
"ہائے ربا! یہ آدھی رات کو دروازے پر بارات کیوں کھڑی ہے۔" کبریٰ کی پاٹ دار آواز پر بشریٰ نے مڑ کر دیکھا۔
"اماں! بلو ابھی تک گھر نہیں آیا۔"
"ہائے.... وہ کیا ننھا کاکا ہے۔ جو گھر کا راستہ بھول گیا۔ کہیں پھر رہا ہوگا آوارہ۔ تو کیا اس کی راہ تک رہی ہے۔ چل دفع ہو اندر۔ اب ماں بیٹے کے تماشے تو چلتے رہیں گے.... نہ دن کو چین، نہ رات کو سکون ....." کبریٰ نے کھا جانے والی نظروں سے جمیلہ کو دیکھا۔
"جا۔ کبریٰ خوامخواہ میرا جی نہ جلا۔ میں نے نہیں کہا۔ اس سے میرے پاس دروازے پر کھڑے ہو۔ میں اپنے پتر کی راہ دیکھ رہی ہوں۔"
"ہونہہ پتر.... جسے نہ ماں کی فکر ہے نہ خیال.... چل نی۔" وہ بشریٰ کو ٹھوکا لگا کر اندر چلی گئی۔
جمیلہ نے طویل سانس لے کر گھٹنوں پر سر جھکا لیا۔
بلو نے تاروں کی روشنی میں دروازے پر ایستادہ اس سائے کو دیکھ لیا تھا۔ شرمندگی سے اس کی قدم من من بھر کے ہو گئے۔ سارے دن کی تھکی ہاری ماں کو اس وقت گرم بستر میں ہونا چاہیے تھا اور وہ اس کی خاطر سردی میں ٹھٹھر رہی تھی۔
ابرار کو خوامخواہ غصہ آنے لگا۔
"اماں! یہاں کیوں بیٹھی ہو۔"
جمیلہ جھٹکے سے اٹھی اور اس سے لپٹ کر رونے لگی۔
صدقے جاؤں پتر! تو کہاں چلا گیا تھا۔"
"اماں! کہاں جاؤں گا ادھر ہی تھا گاؤں میں۔ تو آرام سے سو جاتی۔"

"آرام سے۔" جمیلہ نے سر اٹھا کر بیٹے کو دیکھا۔ وہ اس سے اونچا ہو گیا تھا۔ ایسا مشورہ دے سکتا تھا۔ تاروں کی اجلی روشنی میں جمیلہ کے آنسو جھلملا رہے تھے۔
"تجھے دیکھے بغیر تو مجھے سانس نہیں آتا پتر! نیند کیسے آتی۔"
"اچھا سردی ہے اندر چل۔" ابرار کو ندامت ہونے لگی۔
"دیکھ، کتنا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ چل لحاف اوڑھ کے لیٹ میں تیرے لیے دودھ پتی لاتی ہوں۔"
وہ منع کرنا چاہتا تھا، مگر جمیلہ تیزی سے باورچی خانے میں چلی گئی۔ تب ہی بشریٰ باورچی خانے سے نکلی، اسے دیکھ کر ٹھٹکی۔
"آگیا واپس۔ بڑا ہی اتھرا ہے۔ اپنے کی دو باتیں نہ سن سکا۔" وہ چلتی ہوئی اس کے سامنے آئی۔ ابرار نے لب بھینچ لیے۔ "ویسے اتنا ہی غصہ تھا تو واپس کیوں آیا۔"
"تو مجھے سمجھتی کیا ہے؟"
"میں تو تجھے کچھ بھی نہیں سمجھتی۔" ابرار نے ایک دم اسے بازوؤں سے دبوچا اور غرایا۔
"اپنے آپے میں رہ، ورنہ تیرا وہ حشر کروں گا کہ یاد کرے گی۔"
وہ ایک دم ڈر گئی۔
ابرار نے اسے جھٹکے سے چھوڑا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔
وہ کئی قدم لڑکھڑا کر رکی اور ساکت سی رہ گئی۔ شاید اسے بلو سے اس جارحانہ رویے کی توقع نہ تھی۔
"کیا ضرورت تھی اتنا غصہ کرنے کی۔" کبریٰ لحاف میں دبکے اصغر کے پاؤں دبا رہی تھی۔
"شاباشے۔ پہلے میرے کان بھرتی ہے۔ سنا سنا کے غصے کو ہوا دیتی ہے۔ بعد میں کیا ضرورت تھی؟" اصغر نے کبریٰ کے ہی انداز میں کہا۔
"لے۔ میں نے تیرے کون سے کان بھر دیے۔" کبریٰ نے غصے سے ہاتھ کھینچ لیے۔
"بھئی یہ زنانیوں میں دل پھیرے بندے کی سمجھ میں نہیں آتے۔"
"جو سچ تھا، تجھ سے وہی کہا تھا۔"
"تو میں نے بھی وہی کیا، جو مجھے کرنا ہے۔" اصغر ترکی بہ ترکی بولا۔
"جوان خون ہے۔ تجھے اس پر یوں ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ اس طرح تو وہ بالکل ہاتھ سے نکل جائے گا۔" کبریٰ نے پتے کی بات کی۔
"آخر تو چاہتی کیا ہے؟" اصغر جھنجلایا۔ کبریٰ نے بلب کی پیلی روشنی میں شوہر کا چہرہ دیکھا۔
"اصغر! نہ بھول، جوان دھی کا باپ ہے۔"
"کیا مطلب؟" اصغر بری طرح چونکا۔
"اس پر بس اتنا رعب رکھ کہ وہ تیرے کہنے میں رہے۔ بشریٰ کے لیے اس سے اچھا بر کہاں سے ملے گا۔"
اصغر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔
"کل تک وہ زمانے بھر کا آوارہ تھا۔ اب وہ تجھے بشریٰ کے لیے ٹھیک لگ رہا ہے۔"
"وہ تو اس لیے کہتی ہوں کہ تو اکیلا ہے۔ وہ بھی تھوڑا بہت ہاتھ بٹا دے۔ ماسٹر صاحب بتا رہے تھے پڑھنے لکھنے میں اچھا ہے۔ کل کو کسی اچھی نوکری پر لگا تو فائدہ بھی تو اپنا ہی ہے۔" کبریٰ نے تحمل سے سمجھایا۔
اصغر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔
"تو پھر میں جمیلاں سے ابھی بات کر لیتا ہوں۔ یہ نہ ہو کہ وہ کچھ اور سوچ لے۔"
"جلدی کس بات کی ہے۔ کر لیں گے۔ بس ذرا بلو سے نرم بات کیا کر۔ زیادہ سختی بھی اچھی نہیں۔"

"ٹھیک ہے... اس معاملے میں زنانیوں کی عقل کچھ زیادہ ہی چلتی ہے۔" اصغر کہہ کر لیٹ گیا۔ کبریٰ نے دل میں سوچا۔ "ابھی سے بات کر کے جمیلاں کو اپنے سر پر بٹھالوں... پہلے ہی پتر پر بڑا مان کرتی ہے۔"



نبیلہ کچن میں کھانا بنا رہی تھیں... صبح سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی... لیکن دوپہر تک جب کھانا بننے کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو مجبوراً انہیں اٹھنا پڑا... ورنہ محسن نے آکر شور مچا دینا تھا۔ طیبہ نے دیکھا مگر نظرانداز کر گئی...

"جب میرے ہاتھ کا بنا کھانا پسند ہی نہیں آتا تو مجھے کیا ضرورت ہے اتنا کھپنے کی۔"

"بیگم صاحبہ! جب طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو جا کر لیٹ جائیں۔ میں جیسا تیسا بنا ہی دوں گی۔" ملازمہ نے انہیں ہمدردی سے دیکھا... وہ بار بار پانی کا گھونٹ بھر رہی تھیں۔

"وہ جیسا تیسا کھانا محسن کو پسند نہیں آتا بتول... ! تمہیں تو پتا ہے۔ وہ کھانے کے معاملے میں کتنا نخریلا ہے۔" انہوں نے بتول کے ہاتھ سے کٹے ہوئے ٹماٹر لے کر ہنڈیا میں ڈالے۔

"اب آپ میں بھی تو دم خم نہیں رہا۔ سیدھے سیدھے محسن صاحب کی شادی کر دیں۔"

"ہاں... سوچ تو میں بھی یہی رہی تھی۔"

"ہاں، پر یہ دیکھ لیجئے گا... لڑکی کو گھر داری کا بھی شوق ہو۔ ورنہ تو..." اندر آتی طیبہ نے بتول کا جملہ سن لیا تھا... کڑے تیوروں سے گھورا۔

"تمہیں صرف باتیں بنانی آتی ہیں۔ کب سے کہا تھا میرے کپڑے استری کرو۔"

"وہ چھوٹی بی بی! تب لائٹ نہیں تھی... تو میں بیگم صاحبہ کی مدد..."

"ہو گئی مدد تو اب جا کر کپڑے استری کرو... نکمے، جاہل لوگ..." بتول نبیلہ کو دیکھتی چلی گئی۔

"بری بات ہے بیٹا! ملازموں کے ساتھ بھی ذرا..." انہوں نے رسانیت اور نرمی سے سمجھانا چاہا۔ طیبہ نے بات کاٹ دی۔

"مجھے تو آپ ہر وقت نصیحتیں کرتی رہتی ہیں... کہ گھر کی باتیں باہر نہیں کرتے اور خود ملازموں کے سامنے میری برائیاں کرتی رہتی ہیں۔"

نبیلہ ڈھکنا پتیلی پر دے کر حیرت سے مڑیں۔

"میں نے تمہاری کون سی برائیاں کی ہیں؟"

"بس رہنے دیں امی! میں سب جانتی ہوں... میں گھر کے کام نہیں کرتی، کروں تو بے دلی سے کرتی ہوں۔ آپ کا اور گھر کا خیال نہیں رکھتی... شوہر کی محنت کی کمائی شاپنگ میں اڑاتی ہوں... مجھے نظر بھی آتا ہے اور سنائی بھی دیتا ہے..." طیبہ بدتہذیبی سے کہتی چلی گئی۔

"اگرچہ اس میں سے کوئی ایک بات بھی جھوٹ نہیں... لیکن اتنی تہذیب ہے مجھ میں کہ گھر کی باتیں، دوسروں پر خاص طور پر ملازمہ کے سامنے نہ کروں... اور دوسری بات، اپنی فرسٹریشن نکالنے کا یہ طریقہ انتہائی غلط ہے کہ تم بڑوں سے بات کرنے کی تمیز بھی بھول جاؤ..."

انہوں نے ہلکی آواز لیکن سخت لہجے میں تنبیہہ کی۔ طیبہ کا منہ کھل گیا۔

"آپ مجھے فرسٹریٹڈ کہہ رہی ہیں؟"

"طیبہ! اپنے کمرے میں جاؤ..." انہوں نے تحمل سے ٹالا۔

"میں اچھی طرح سمجھتی ہوں... یہی باتیں آپ جمال سے بھی کہتی ہیں... تب ہی وہ مجھے اپنے پاس نہیں بلاتے..." وہ غصے سے پاؤں پٹختی چلی گئی۔ اندر آتے محسن نے حیرانی سے طیبہ کو دیکھا۔

"خیریت امی! بھابھی کو کیا ہوا؟ اندھے بیل کی طرح ٹکریں مارتی پھر رہی ہیں۔"
"محسن۔۔۔" نبیلہ نے سہارے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ محسن نے تیزی سے آگے بڑھ کر انہیں سنبھالا۔
"امی! کیا ہوا؟"
"کچھ نہیں، چکر سا آگیا۔۔۔ مجھے میرے کمرے تک چھوڑ آؤ۔" وہ چاہتیں تو بھی محسن کو کچھ نہیں بتا سکتی تھیں۔ وہ جذباتی سا لڑکا تھا۔ خوامخواہ طیبہ سے الجھنے کھڑا ہو جاتا۔
"کتنی بار کہا ہے۔۔۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو مت آیا کریں کچن میں، لیکن آپ ہیں کہ سنتی ہی نہیں۔" وہ انہیں سہارا دے کر کمرے تک لایا اور آرام سے لٹا دیا۔ نبیلہ نے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔
"امی! کیا بات ہے؟" محسن نے آہستگی سے پوچھا۔
نبیلہ کو اپنے حساس سے بیٹے پر ٹوٹ کر پیار آیا۔۔۔ تو آنکھیں کھول دیں، ہلکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر بکھر گئی۔
"جاؤ بیٹا! کھانا تقریباً تیار ہی تھا۔ بتول سے کہو، تمہیں روٹی ڈال دے۔"
"امی! میں بچہ نہیں ہوں، جو آپ میرے کھانے کے لیے اتنی پریشان ہوتی ہیں۔۔۔ کھا لوں گا۔۔۔ آپ بس آرام سے لیٹی رہیں۔۔۔ بلکہ ایسا کرتا ہوں۔۔۔ یہیں لے آتا ہوں۔۔۔ اکٹھے مل کر کھائیں گے۔" وہ پہلے جھنجلایا، پھر خیال آنے پر لہجہ بدل کر بولا تھا۔
"بیٹا! مجھے بالکل بھوک نہیں لگ رہی۔ تم۔۔۔"
"او کے۔۔۔" وہ آرام سے مان گیا۔
"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ طیبہ کے دل میں میرے خلاف اتنی کدورت اور بغض ہے۔ لیکن کیوں۔۔۔؟ میں نے تو کبھی اسے بہو نہیں سمجھا۔ ہمیشہ بیٹی ہی جانا۔۔۔ اور وہ۔۔۔ نجانے جمال سے کیا کچھ کہتی ہوگی۔" جمال کا خیال آتے ہی وہ بے چین ہو گئیں۔



عادلہ اسکول سے گھر آئیں تو عریشہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ انہوں نے پریشان ہو کر تیز برستی بارش کو دیکھا اور جٹھانی کی طرف آ گئیں۔ جہاں فاطمہ پکوڑے بنا رہی تھی اور مریم مزے سے چٹنی میں ڈبو ڈبو کر کھا رہی تھی۔
"تم کالج نہیں گئیں؟" وہ مریم کو دیکھ کر کچھ پریشان ہو گئیں۔ اس کا مطلب تھا عریشہ کالج میں اکیلی ہے۔
"صبح سے موسم خراب تھا، میں نے تو عریشہ سے بھی کہا تھا چھٹی کر لے۔ مگر وہ مانی نہیں۔" مریم نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔
"مجھے تو لگتا ہے، وین والا نہیں گیا۔۔۔ موسم بھی اتنا خراب ہے۔" وہ قدرتی طور پر پریشان ہو گئیں۔
"چچی! آپ ثوبان کو فون کریں، وہ عریشہ کو پک کر لے گا۔" فاطمہ نے مشورہ دیا تو وہ سر ہلاتی فون کی طرف آ گئیں۔ ثوبان نے تسلی دی کہ وہ عریشہ کو لے لے گا۔
"اب خدا کرے وہ کالج سے نہ نکلی ہو۔" عادلہ نے زیر لب کہا۔ فاطمہ ان کے لیے وہیں چائے لے آئی۔
"ارے، عریشہ آ جائے تو اکٹھے پی لیں گے۔"
"چچی! آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔۔۔ ثوبان لے آئے گا۔ آپ آرام سے بیٹھ کر چائے پئیں اور گرما گرم پکوڑے کھائیں۔" فاطمہ نے تسلی دی۔
"آپا کہاں ہیں؟"
"باتھ روم میں ہیں۔" تب ہی باہر کے دروازے پر زور کی دستک ہوئی۔

"اماں ہوں گے۔ وہ بھی صبح کے نکلے ہیں۔" فاطمہ نے ٹرے ان کے سامنے رکھی اور دوپٹہ سر پر رکھتی بھاگتی ہوئی صحن عبور کر گئی۔ بارش کا پانی ڈیوڑھی میں بھی اکٹھا ہونے لگا تھا۔ فاطمہ نے دروازہ کھول دیا، پھر محسن کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"آپ۔۔۔!"

"اللہ کی بندی اندر آنے دو گی؟ میں بارش میں کھڑا ہوں۔"

"اوہ سوری۔۔۔ آجائیں۔" فاطمہ نے کھسیا کر رستہ دیا۔



وہ کب سے شیڈ کے نیچے کھڑی برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ رکشے، ویگنیں اس کے سامنے آتے اور گزرتے رہے۔ تب ہی ایک گاڑی اس کے پاس آرکی۔۔۔ ثوبان کو دیکھ کر وہ اندر تک پرسکون ہو گئی۔

"آج تو کچھ اور بھی مانگتی تو۔۔۔ لیکن کچھ اور کیوں مانگتی بھلا۔" وہ بھاگتی ہوئی گاڑی میں آبیٹھی۔

"آپ کیسے آگئے۔؟"

"چچی کا فون آیا تھا۔"

"بہت اچھا ہو گیا۔ میں کب سے وین کا انتظار کر رہی تھی۔"

"وین والے کا دماغ خراب ہے، جو اس موسم میں روڈ پر نکلے گا۔" ثوبان نے گاڑی بڑھائی۔ "اور موسم تو صبح سے خراب تھا۔ جب مریم نے چھٹی کی تو تم کیوں آئیں۔"

عریشہ کو اس کی ڈانٹ خاصی بری لگی۔ "میرا بہت ضروری ٹیسٹ تھا۔"

"ہو گیا؟"

"نہیں۔۔۔ مس آئیں ہی نہیں۔"

ثوبان نے بے ساختہ اسے دیکھا اور ہنس دیا۔

"آپ کو اتنا برا لگا ہے تو نہ آتے۔ میں پہنچ ہی جاتی گھر۔" وہ منہ بنا کر بیٹھ گئی۔ تب ہی گاڑی میں کسی خوشبو کا احساس ہوا۔ اس نے چونک کر ثوبان کو، پھر پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ وہاں سرخ گلابوں کا گلدستہ پڑا مہک رہا تھا۔

"یہ کس کے لیے ہے؟"

"ایک دوست کی عیادت کو جا رہا تھا۔"

"اچھا۔" دل خوش فہم کو ٹھیس سی لگی۔ "میں سمجھی شاید کسی دوست سے میرے لیے گاڑی ادھار مانگی ہے۔"

"بہت خوش فہم ہو، ویسے یہ گاڑی بھی اسی کی ہے جس کی عیادت کو جا رہا ہوں۔"

"تو آپ کے پاس کیوں ہے؟"

"ورکشاپ میں تھی، اس نے کہا آتے ہوئے لیتا آؤں۔"

"کوئی خاص دوست ہی ہو گا۔" عریشہ کے لہجے میں ہلکی سی جلن تھی۔

ثوبان مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ عریشہ کچھ لمحے خاموشی سے بیٹھی رہی۔ پھر پیچھے مڑ کر بوکے سے ایک بڑا سا گلاب کھینچ لیا۔

"ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ یہ کیا کر رہی ہو، سارا بوکے خراب ہو جائے گا۔"

"ہو جائے۔"

"بہت ہی اوٹ پٹانگ لڑکی ہو۔" ثوبان گھور کر رہ گیا۔ عریشہ گلاب کو انگلیوں میں گھمانے لگی۔

"مجھے گلاب بہت پسند ہیں۔" کچھ دیر کے بعد عریشہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "میرا دل چاہتا ہے' کوئی مجھے بھی سرخ گلاب دے۔" عریشہ کے لہجے اور آنکھوں سے اس کی خواہش مترشح تھی۔
"تمہارا دل ایکسیڈنٹ کروانے کو چاہ رہا ہے۔"
"اللہ نہ کرے۔"
"میں جس کے لیے لے جا رہا ہوں' وہ بھی ایکسیڈنٹ کے بعد ہی اسپتال پہنچا ہے۔"
"غالباً" آپ جانتے نہیں' سرخ گلاب محبت کی علامت ہوتا ہے۔"
"سوری' مجھے پھولوں کے بارے میں زیادہ انفارمیشن نہیں۔"
"شاعرانہ مزاج رکھنے والا بندہ پھولوں کے بارے میں نہیں جانتا؟"
"شاعرانہ مزاج؟ کم آن عریشہ! میں تو اچھا خاصا پریکٹیکل بندہ ہوں... ہاں تم! لگتا ہے خواب بہت دیکھتی ہو۔" وہ ہنسا۔
"اچھا... اور وہ جو مجھے نظم سنائی تھی؟"
"کون سی؟" ثوبان کے سرسری لہجہ پر عریشہ نے حیرت سے اسے دیکھا... جو لمحہ اس کی ساری زندگی پر محیط ہو گیا تھا... ثوبان کے خیال سے بالکل محو ہو چکا تھا۔
(تو کیا وہ صرف اک وقتی سی اٹریکشن تھی... صرف ایک پل کے جذبات... اور میں... خواب نگری میں اس ایک لمحے کو تھامے ان لفظوں کی پائل چھنکاتی اب تک محو رقص ہوں۔)
اس نے ثوبان کو دیکھا۔ وہ انہماک سے گاڑی چلا رہا تھا۔
عریشہ نے ہاتھ میں پکڑے گلاب کو دیکھا... اور اس سے اپنی محبت کی تصدیق چاہی۔
ایک ایک پتی پھول سے الگ ہو کر امید و ناامیدی کے درمیان ڈولتی اس کی گود میں گرنے لگی۔
محبت ہے...
محبت نہیں ہے...
محبت ہے...
گاڑی آہستگی سے گھر کے سامنے رک گئی اور عریشہ ہکا بکا ہاتھ میں پکڑے گلاب کی آخری پتی پر اٹک گئی تھی... جو "نہیں ہے" پر جا کر رک گئی تھی۔ اس نے جھنجلا کر اسے باہر اچھال دیا اور خود تیزی سے اتر کر اندر بھاگ گئی۔ ثوبان وہیں سے واپس چلا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"نبیلہ کو بھی لے آتے۔" عادلہ نے تیسری بار محسن سے کہا تو حمیدہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئیں۔
"چچی! امی کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں تھی۔ اسی لیے انہوں نے فاطمہ کو بلایا ہے۔"
"کیوں؟ تمہاری بھابھی کہاں گئی۔ دو دن ساس کی دیکھ بھال بھی نہیں کر سکتی۔" حمیدہ چمک کر بولیں۔
"وہ کرتیں تو مسئلہ کس بات کا تھا۔" وہ زیر لب بڑبڑایا' پھر براہ راست فاطمہ سے پوچھنے لگا۔
"کیوں فاطمہ! چل رہی ہو؟"
فاطمہ گھبرا کر ماں کو دیکھنے لگی... تو مریم فوراً بول اٹھی۔
"محسن بھائی! میں چلوں...؟"
"میں فاطمہ کو امی کی دیکھ بھال کے لیے لے جا رہا ہوں... تمہاری دیکھ بھال کون کرے گا۔" مریم منہ بنا کر اٹھ گئی۔ "ارے... مگر فاطمہ کے بغیر میں..."
حمیدہ نے کچھ کہنا چاہا' مگر اس سے قبل ہی برکت صاحب کی آمد ہو گئی' شومیٔ قسمت کہ انہوں نے سن بھی لیا تھا۔

"ہاں... ابھی تمہارے میکے سے بلاوا آجائے تو فوراً" بھیج دوں گی... اب میری بہن کو ضرورت ہے' تو آنا کانی کر رہی ہے۔ اٹھو فاطمہ... جاؤ... بارش بھی رک گئی ہے۔ کل میں پتا کرنے آؤں گا تو تمہیں لے آؤں گا۔"
انہوں نے ساری بات ہی ختم کردی۔ سب کے سامنے کچھ کہنا اپنی بے عزتی کروانے کے مترادف تھا' سو حمیدہ دل ہی دل میں کلس کر رہ گئیں۔ عادلہ بھی کھڑی ہو گئیں۔
"چچی! عریشہ کے لیے پکوڑے لے جائیں' کہہ رہی تھی' کپڑے بدل کر آتی ہوں' آئی ہی نہیں۔" فاطمہ نے کہا تھا۔



نعمان اپنے اسٹور کے دروازے میں کھڑا برستی بارش کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے اوپر "نعمان سپر اسٹور اینڈ پی سی او" کا بورڈ لگا تھا۔ چچا جب فوت ہوئے تو یہ اسٹور اتنی اچھی حالت میں نہ تھا۔ نعمان نے اس میں بہت سی تبدیلیاں کی تھیں اب یہ علاقے کا صاف ستھرا اور خوب چلتا ہوا اسٹور تھا۔ برستی بارش میں کسی گاہک کے آنے کی تو امید نہ تھی' سو وہ اطمینان سے کھڑا موسم کے تیور دیکھ رہا تھا۔
"نومی بھائی! گرما گرم جلیبیاں اور سموسے لے کر آؤں..." اس کے ساتھ کام کرنے والا لڑکا سر پر آکھڑا ہوا۔
"جانے دے یار! بارش تیز ہے۔"
"اب اتنی بھی تیز نہیں۔ دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔" وہ مسمسی شکل بنا کر بولا تو نعمان ہنس دیا۔
"تیرا اندیدہ پن نہیں جائے گا۔ چل جا' لے آ۔" نعمان نے پیسے نکال کر دیئے تو وہ بھاگ گیا۔ نعمان نے سی ڈی پلیئر کی آواز اونچی کی اور شیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔
وہ بے رنگ سا منظر تھا۔
تواتر سے برستی بارش۔ بھیگتی ٹوٹی پھوٹی سڑک اور سڑک پر جمع ہوتا پانی۔
اسی پانی میں ایکدم رنگ سے ابھر آئے۔ نعمان کا دل اسی ٹوٹی پھوٹی سڑک کے کھڑے پانی میں دھمال سا ڈالنے لگا۔ چند منٹ تھے اور اسے یہاں سے گزر جانا تھا۔ اور یہی چند منٹ نعمان کی زندگی کا حاصل تھے' مگر خود پر چھتری تانے' سیاہ چادر میں لپٹی لڑکی وہاں سے گزری نہیں بلکہ اس کے عین سامنے آکھڑی ہوئی۔
نعمان دم بخود رہ گیا۔ اک خواب مجسم ہو کر اس کے سامنے ٹھہر گیا تھا۔
اس نے بوکھلا کر رستہ دیا۔ وہ تیزی سے اندر آئی۔ اور چھتری بند کردی۔ چھتری کے باوجود اس کی سیاہ چادر کہیں کہیں سے بھیگی ہوئی تھی۔
"مجھے فون کرنا ہے۔"
نعمان نے بوکھلا کر فون سیٹ اس کی طرف بڑھایا۔
وہ تیزی سے نمبر ڈائل کر رہی تھی اور نعمان چپکے چپکے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ عام سے خدوخال کی عام سی لڑکی... اس کے لیے کتنی خاص تھی یہ صرف نعمان کا دل جانتا تھا۔ وہ ہر روز یہیں سے گزرتی اور نعمان ہر روز اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب رہتا تھا۔ اسے وہ اچھی لگتی تھی۔ اچھی نہیں بہت ہی اچھی...
ہیڈ ماسٹر افتخار حسین کی اکلوتی بیٹی۔
استانی عائشہ بی اے بی ایڈ۔
"جی ابو! السلام علیکم میں عائشہ..."
"جی' موبائل میں بیلنس ختم ہو گیا تھا۔ اس لیے خراب موسم میں گھر سے نکلنا پڑا۔"
"ایمرجنسی ہی تھی' امی کی طبیعت بہت خراب ہے۔"
"گھر میں جو کر سکتی تھی کر چکی' مجھے لگتا ہے انہیں فوراً" اسپتال لے جانا ہو گا۔" اس کے لہجے اور چہرے سے

پریشانی ہویدا تھی۔۔۔ بظاہر رجسٹر میں گم نعمان چوکنا ہو گیا۔
"اتنی دور۔۔۔ آپ کو تو پہنچنے میں ہی گھنٹہ لگ جائے گا۔ ٹیکسی کہاں سے ملے گی۔ بارش رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ میں کیا کروں۔۔۔"
"میں کچھ۔۔۔" نعمان بنا سوچے سمجھے بول اٹھا۔
عائشہ نے حیران ہو کر دیکھا۔ وہ ریسیور لینے کے لیے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ عائشہ نے ریسیور دے دیا۔
"جی۔۔۔ ماسٹر صاحب! میں نعمان بول رہا ہوں۔۔۔ سپر اسٹور والا۔۔۔ آپ کہیں تو میں مدد کر دوں؟ جی ٹھیک ہے۔"
"اس سے اچھی بات اور کیا ہو گی۔۔۔ تمہاری بڑی مہربانی بیٹا۔۔۔ اگر کسی طرح انہیں اسپتال پہنچا دو۔۔۔ میں بھی فوراً پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔" ماسٹر صاحب اس کے مؤدب لہجے پر شکر گزار لہجے میں بولے۔ نعمان کی یوں بھی ان کے ساتھ سلام دعا تھی۔ وہ اکثر یہیں سے گھر کا سودا سلف لیتے۔
"عائشہ کو فون دو۔"
نعمان نے ریسیور عائشہ کی طرف بڑھایا۔
"لیکن ابو۔۔۔" وہ بات سن کر کچھ کہنے لگی۔
"عاشی! ضرورت کے وقت کسی سے مدد لینے میں کوئی حرج نہیں۔۔۔ یہ وقت اگر مگر کرنے کا۔۔۔ نہیں ہے۔"
انہوں نے رسانیت سے سمجھایا۔ تو اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔
"آپ گھر جائیں اپنی والدہ کے پاس میں ٹیکسی لے کر آتا ہوں۔" نعمان نے عجلت میں کہا۔



"حد کرتے ہو محسن! مجھ سے تو پوچھ لیتے۔۔۔ خوامخواہ فاطمہ کو تکلیف دی۔" نبیلہ نے پیار سے پاس بیٹھی فاطمہ کو دیکھا جو خجل سی ہو رہی تھی۔۔۔ محسن ہنستا ہوا اماں کے قریب بیٹھا۔
"آپ نے تو کبھی زندگی میں تسلیم نہیں کیا کہ آپ بیمار ہیں۔"
"چھوٹی موٹی بیماریاں تو زندگی کے ساتھ چلتی رہتی ہیں۔۔۔ اب ان کو کیا ہوا بنایا جایا۔"
"اور جو میں بتا دیتا کہ فاطمہ کو لینے جا رہا ہوں تو آپ اجازت دے دیتیں۔ اور نہ ہی ممانی اسے بھیجتیں۔"
"آپ کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔" فاطمہ نے ہلکی آواز میں کہا۔
"صغریٰ بی بی! میں آپ کو یہاں نصیحتیں کرنے نہیں لایا۔ اب جلدی سے کچن میں جا کر دو چار اچھی اچھی ڈشز بنا کر فریز کر دیں اور ہاں۔۔۔ رات کے لیے چکن پلاؤ ضرور بنانا۔"
"بدتمیز۔۔۔ اٹھو یہاں سے 'جاؤ اپنے کمرے میں' پہلے مجھے اپنی بیٹی کے ساتھ بہت سے باتیں کرنا ہیں۔" نبیلہ نے ڈانٹا تو وہ آرام سے اٹھ گیا۔
"جو مرضی کریں۔۔۔ بس کھانا وقت پر تیار ہونا چاہیے۔"
"میرے لڑکے بھی انوکھے ہی ہیں۔۔۔ گھر کے کھانے کے سوا کچھ اچھا ہی نہیں لگتا۔ جمال بھی بالکل اسی طرح کیا کرتا تھا۔ تم اتنی دور کیوں بیٹھی ہو۔ یہاں پاس آؤ۔۔۔"
فاطمہ اٹھ کر ان کے قریب آ گئی۔
"چلو اچھا ہی ہو گیا۔۔۔ میں بھی سارا دن کسی سے بات کرنے کے لیے ترس جاتی تھی۔"
فاطمہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔ وہ بھی اس کی نظروں میں سوال پڑھ گئی تھیں۔
"طیبہ کی اپنی مصروفیات ہیں۔۔۔ جمال کے جانے کے بعد اداس بھی رہنے لگی ہے۔ لو طیبہ بھی آ گئی۔" طیبہ خوبصورت میرون سوٹ میں بالکل تیار تھی۔

"فاطمہ آئی ہے۔"

"السلام علیکم بھابھی۔"

"اچھا ہو گیا۔ آنٹی کو بھی کمپنی مل جائے گی۔ میں بھی ان کی وجہ سے کئی دنوں سے امی کے گھر نہیں جا سکی۔ آنٹی! میں ذرا ہو کر آتی ہوں۔"

فاطمہ ہکا بکا پھپھو کی شکل دیکھنے لگی۔ وہ نظریں چرا گئیں۔

(اللہ کی شان۔۔۔ ایسی شان بے نیازی' نہ بیمار ساس کا خیال' نہ گھر آئے مہمان کا خیال۔۔۔ دو گھڑی پاس بیٹھنا تو ایک طرف' چائے پانی پوچھنا بھی گوارا نہیں۔۔۔ اور پھپھو نے تو کبھی آدھا لفظ نہیں بتایا کہ بہو رانی کے مزاج آسمان پر ہوتے ہیں۔ اب اندازہ ہوا' محسن مجھے کیوں لایا تھا۔)

"ارے بھئی۔۔۔ تم کس سوچ میں ڈوب گئی ہو۔ جلدی سے چائے بنا کر لاؤ۔ پھوپھو بھتیجی مل کر پئیں گے۔ اور ہاں کباب بھی فرائی کر لینا۔" پھوپھو کی آواز پر وہ چونک گئی اور مسکرا کر کچن میں آ گئی۔ سجا سجایا' خوبصورت کھلا سا کچن جس میں زندگی کی ہر سہولت موجود تھی۔

"لوگ بھی کتنے ناشکرے ہوتے ہیں۔" اس نے طویل سانس لے کر سوچا۔



"توبہ' بال دیکھو' اتنے بے جان اور روکھے۔۔۔" وہ تو آئی تھی کہ مریم کے ساتھ مل کر اپنا فیورٹ ڈرامہ دیکھ لے۔ کہ تائی نے دبوچ لیا۔ اور ان کی محبت کے سامنے عریشہ کی کہاں چلتی تھی۔ سو اب آرام سے بیٹھی تیل لگوا رہی تھی۔

"ایک اکلوتی اولاد ہو تم اور تمہاری ماں کو اتنی بھی فکر نہیں ہے۔۔۔ ارے دماغ کمزور ہوتا ہے۔ بال جھڑنے لگتے ہیں۔" "اماں! تمہیں بھی تو ساری فکریں عریشہ کی ہی رہتی ہیں۔ کبھی اتنے پیار سے میرے سر میں تو تیل لگایا نہیں۔" مریم نے چڑ کر کہا۔ حمیدہ نے آنکھیں نکالیں تو منہ بنا تی پاس بیٹھ گئی۔

"تم کیوں جیلس ہوتی ہو۔" عریشہ نے ناز سے کہا۔

"جیلس ہوتی ہے میری جوتی۔"

"زیادہ بک بک نہ کر۔۔۔ چل۔۔۔ ہنڈیا میں ڈوئی چلا کے آ۔۔۔ ایک فاطمہ وہاں جا کر بیٹھ گئی ہے۔" مریم غصے سے دھپ دھپ کرتی کچن میں چلی گئی۔

"پاگل' خوامخواہ جلنے لگتی ہے۔ تو تو مجھے بچپن ہی سے پیاری ہے۔ یاد ہے جب تیری ماں تجھے کھینچ کر اسکول لے جایا کرتی تھی تو تو بھاگ کر میری گود میں آ چھپتی تھی۔" تائی کی زبان پھر سے شہد ٹپکانے لگی۔

عریشہ کی یادداشت میں ایسا کوئی لمحہ نہیں تھا۔ ہاں یہ یاد تھا کہ ابا کی وفات کے بعد تائی اس سے کچھ زیادہ ہی محبت کرنے لگی تھیں۔۔۔ کرنے لگی تھیں کہ جتانے لگی تھیں۔ عریشہ کا ذہن ان گتھیوں کو سلجھنے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ ہاں کبھی کبھی یہ محبت ماں کی محبت کے مقابل کھڑی ہو جاتی۔ یہ صورت حال عریشہ کے لیے تو نہیں' البتہ عادلہ کے لیے ضرور تکلیف دہ ہو جاتی تھی۔

"تمہاری ماں اور پھوپھی نے ہمیشہ مجھے کمتر ہی جانا۔ میں ان پڑھ جاہل' وہ پڑھی لکھی عورتیں میرا ان کا مقابلہ کیا؟"

"تائی جان! ایسی بات کیوں کر رہی ہیں۔"

"بات تو یہی سچ ہے۔۔۔ میں تو ساری زندگی ان کی عقل کا مقابلہ نہیں کر سکی۔۔۔ میں گھنی' میسنی نہیں ہوں' جو دل میں وہی' زبان پر۔۔۔ تیری ماں نے بڑی کوشش کی کہ تجھے مجھ سے دور رکھ سکے۔ تجھے کھینچ کر لے جاتی تھی'

پابندیاں لگاتی تھی۔۔۔ اور میں ایسی پاگل۔۔۔ جب تک تیرے منہ میں نوالہ نہ ڈال دوں۔۔۔ اپنے حلق سے کھانا نہیں اترتا تھا۔"

انہوں نے اک طویل سانس بھری۔ عریشہ ان کے لہجے سے بری طرح متاثر ہو چکی تھی۔۔۔ تب ہی پلٹ کر ان کا تیل والا ہاتھ پکڑ لیا۔

"جانتی ہوں تائی جان! کہ آپ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔"

"لے پگلی اپنا ہاتھ کیوں خراب کر لیا۔"

"کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ تیل ہی تو ہے۔"

"ایسے مخمل جیسے ہاتھ ہیں تیرے ان کی حفاظت کیا کر۔"

"او کے۔۔۔ اب جلدی سے بال سمیٹ دیں۔ ابھی امی کی آواز آجائے گی۔"

"اچھا عرشی! اپنی ماں سے پوچھنا' دو ہزار ہوں گے۔ مہینے کے آخری دن ہیں۔ پہلے ہی شادی پر اتنا خرچا آیا ہے۔ نعمان سے مانگے تو جان کھالے گا۔۔۔ گھر میں ایک بوٹی نہیں اور تمہارے تایا کے حلق سے خالی سبزی اترتی نہیں۔"

"ہاں امی کے پاس پڑے ہیں۔۔۔ میں ابھی لا دیتی ہوں۔"

"ذرا جلدی لانا۔" انہوں نے عجلت میں اس کے بال سمیٹے۔ تو وہ اپنے گھر کی طرف آگئی۔ عادلہ سبزی بنا رہی تھیں اسے ڈانٹنے لگیں۔

"نہ اسٹڈیز کی فکر ہے' نہ گھر کے کسی کام کی' جاتی ہو تو بیٹھ ہی جاتی ہو۔"

"اچھا میں آکر کرتی ہوں۔۔۔ ابھی تو دو ہزار دیں۔"

"وہ کیوں؟" عادلہ نے حیران ہو کر دیکھا۔ "تائی کو ضرورت ہے۔"

"کس لیے؟" عادلہ نے غصہ دباتے تحمل سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔۔۔ اب دے بھی دیں۔ پرس میں ہیں میں نکال لوں۔" وہ جھنجلائی

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ مہینے کے آخری دن ہیں۔ میں نے اپنے خرچے کے لیے رکھے ہیں۔ اور تم نے بتا دیا ہوگا کہ ماں کے پاس ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ ں۔۔۔" اس نے کان کھجایا۔ "امی ہمارا کون سا اتنا خرچا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ ہم تو ہوا کھا کر اور پانی پی کر زندہ ہیں۔۔۔ اگر ہمیں ضرورت پڑ گئی تو۔۔۔" انہیں غصہ آگیا۔

"تو انہیں بھی تو ضرورت ہے۔"

"دے دیتی اگر مجھے یقین ہوتا کہ انہیں واقعی ضرورت ہے۔"

"امی! پلیز۔۔۔ اب تو میں ان سے کہہ آئی ہوں۔ بعد میں بھلے مت دیجئے گا۔" وہ منتوں پر اتر آئی۔

"عرشی! تم سچ مچ بہت بے وقوف ہو۔۔۔ دو بول محبت پر پگھل جاتی ہو۔۔۔ اچھا جاؤ۔۔۔

"کیا کروں؟ نبیلہ ٹھیک ہی کہتی ہے۔ مجھے کوئی کمیٹی ڈال لینی چاہیے۔ شاید اسی طرح بچت ہو سکے۔ مگر یہ لڑکی۔۔۔ کیا کروں اس کا۔۔۔ خوبصورت لہجوں کے پیچھے چھپے رویوں کو پہچان ہی نہیں پاتی۔" وہ واقعی تشویش کا شکار ہو گئی تھیں۔

"اچھا سنو! جلدی واپس آؤ اور آکر برتن دھو دو۔"

"ایک تو پتا نہیں' یہ امی کو میرے مخمل جیسے ہاتھ نظر کیوں نہیں آتے۔" عریشہ جھنجلا کر روانہ پار کر گئی۔

☆ ☆ ☆

نعمان نے بے چینی سے پہلو بدلتے اندرونی دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ کب سے آیا بیٹھا تھا۔ مگر عائشہ کی ایک جھلک بھی دکھائی نہ دی تھی۔

"تمہاری بڑی مہربانی بیٹا! اگر اس دن تم مدد نہ کرتے۔ اس طوفانی بارش میں عائشہ اکیلی کہاں کہاں خوار ہوتی۔" ماسٹر صاحب کی آواز پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"میرا فرض تھا۔ آخر برسوں کی محلے داری ہے۔" اس نے مودب لہجے میں کہا۔

"اور سناؤ' کاروبار ٹھیک جا رہا ہے۔"

"جی۔۔۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔"

"ثوبان تو ایم بی اے کر رہا ہے غالباً"۔

ثوبان کے ذکر پر وہ بدمزا ہو گیا۔ ثوبان اور اس کی تعلیم خاصا ناگوار موضوع تھا۔

"بس ماسٹر صاحب' ابا بیمار ہو گئے تو مجھے کاروبار سنبھالنا پڑ گیا۔ بی اے میں پڑھ رہا تھا۔۔۔ پھر سوچا۔۔۔ کسی ایک کو تو قربانی دینا ہی ہے۔ چھوٹے بہن بھائی کسی منزل تک پہنچ جائیں۔ تو یہی کافی ہے۔" اس نے حتی الامکان خود پر انکساری طاری کی۔ ظاہر ہے اب انہیں یہ تو نہیں بتا سکتا تھا کہ شروع سے ہی پڑھائی میں دل نہیں لگتا تھا۔

"ماشاءاللہ' ورنہ آج کل کون کسی کے بارے میں سوچتا ہے۔"

"ابو۔۔۔" دروازے کے دوسری طرف سے عائشہ کی آواز پر اس نے بے ساختہ دیکھا۔ وہ ذرا اوٹ میں کھڑی تھی۔ "لے آؤ بیٹا! اندر ہی لے آؤ۔"

نعمان کا دل چاہا' ماسٹر صاحب کا منہ چوم لے۔

عائشہ نے اندر آ کر سلام کیا اور درمیانی میز پر ٹرے رکھ دی جس میں چائے کے ساتھ بسکٹ اور نمکو وغیرہ موجود تھے۔ اس نے سبز دوپٹہ ماتھے تک اوڑھ رکھا تھا۔ نعمان نے چور نگاہوں سے دیکھ کر چہرہ جھکا لیا۔ محبت میں پہلی شرط احترام ہے۔ اس کے دل و دماغ نے پہلی بار سر تسلیم خم کیا تھا۔ وہ معطر ہوا کے جھونکے کی طرح آئی اور گزر گئی۔ وہ سر جھکائے چائے کے گھونٹ بھرتا ماسٹر صاحب کے سوالوں کے جواب دینے لگا۔ ماسٹر صاحب کو یہ لڑکا اچھا لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

فاطمہ کچن میں مصروف تھی۔ ارد گرد انواع و اقسام کے کھانے اور ڈبے بکھرے تھے۔ اس کا ارادہ آج واپس جانے کا تھا سو کچھ کھانے بنا کر فریز کر رہی تھی۔

"کمال ہے' آج گھر میں دعوت ہے اور مجھے خبر ہی نہیں۔"

طیبہ کی آواز پر فاطمہ پلٹی اور مسکرا دی۔ وہ بظاہر فریج کھولے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

"دعوت کہاں بھابھی! وہ تو آج مجھے واپس جانا تھا تو سوچا' کچھ کھانے بنا کر فریز کر دیتی ہوں۔"

"ہاں بھئی' اب تمہارے ہاتھ جیسا ذائقہ ہمارے ہاتھ میں کہاں۔" اس کا لہجہ سراسر طنزیہ تھا۔

"نہیں' وہ محسن کہہ رہا تھا تو۔۔۔" فاطمہ ٹھٹک سی گئی۔ وہ سیدھی سادی لڑکی تھی۔ طیبہ کے مزاج کی وجہ سے ویسے ہی اس سے دور رہتی۔

"محسن کی بڑی مانتی ہو۔"

فاطمہ تیزی سے پلٹی۔ طیبہ مسکرا کر باہر نکل گئی۔

"بھابھی نے ایسے کیوں کہا۔"

"فاطمہ بیٹا! بس کرو۔۔۔ تھک جاؤ گی' صبح سے لگی ہو۔" نبیلہ پھپھو نے آ کر اسے چونکا دیا۔

"جی پھپھو! ہو گیا ہے۔"

"چلو پھر بازار چلتے ہیں۔ تمہارے لیے اچھا سا سوٹ لے کر آتے ہیں۔"
"اس کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس بہت کپڑے ہیں۔"
"کچھ باتیں ضرورت کے لیے نہیں' دل کی خوشی کے لیے کی جاتی ہیں ڈیر کزن۔" محسن کو غالباً نبیلہ نے اسی مقصد کے لیے بلایا تھا۔
فاطمہ رخ موڑ کر ڈبے فریزر میں رکھنے لگی۔ وہ ابھی تک طیبہ کی کہی بات میں الجھی تھی۔ محسن اور نبیلہ کے اصرار پر اسے جانا ہی پڑا۔
طیبہ نے انہیں جاتے دیکھا تو کلس کر رہ گئی۔
"بہت ناز اٹھائے جا رہے ہیں' بھیجی کے۔ اور وہ بھی کتنی گھنی اور میسنی ہے۔ پھپھو' پھپھو کہتی آگے پیچھے پھرتی ہے... کوئی غرض ہے تب ہی اتنی جان ماری ہو رہی ہے۔ ورنہ کون اتنا کرتا ہے۔"
طیبہ کی خود غرض فطرت اس کے دماغ میں خناس بھرنے لگی... حالانکہ فاطمہ کی فطرت میں ہی خدمت گزاری اور خلوص شامل تھا۔ مگر طیبہ کو عادت تھی ہر کسی کو اپنی عینک سے دیکھنے کی۔ اور عینک بھی وہ جس کے شیشے بے حد دھندلے تھے۔



بانو آئی تھی۔ مریم کے لیے اپنے دیور کا رشتہ لے کر...
"لیکن مریم کیوں؟ فاطمہ اس سے بڑی ہے۔" حمیدہ نے اعتراض کیا۔
"میں کیا کروں؟ اسے تو مریم ہی پسند ہے حالانکہ میں نے کہا بھی کہ فاطمہ سے کروا دیتی ہوں۔ اب مریم کو دیورانی بنانے کا مطلب ہے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار لوں۔" بانو نے مزے سے کہا۔ مریم کو تو آگ لگ گئی۔
"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے۔ تمہاری دیورانی بننے کا اور تمہیں میرے لیے وہی ملا ہے۔ پختہ عمر کا کلرک... جس کے دانت چوبیس گھنٹے منہ سے باہر رہتے ہیں... کیا کرے اسٹرکچر ہی ایسا ہے۔"
"اپنا چوکھٹا دیکھا ہے... ہر نقش فریم سے باہر... اور منہ پر یہ کھلے ہوئے گل بوٹے... ایسی حور پری نہیں ہو' جو کوئی شہزادہ تمہیں بیاہنے آئے گا۔ ہمارے جیسے گھروں میں یہی دکان دار کلرک ہی جھانکتے ہیں۔"
"تمہارا دیور اگر دنیا کا آخری مرد بھی ہوا تو میری طرف سے صاف انکار ہے اور اماں! اگر آپ نے ہاں کرنے کی کوشش کی تو میں کچھ کھا لوں گی' بتا رہی ہوں۔" وہ تن فن کرتی اندر کمرے میں گھس گئی۔
"دیکھا اماں! اس کی زبان دیکھی ہے۔ اور اسے کالج میں پڑھاؤ۔" بانو نے ماتھا پیٹ لیا۔
"تھوڑا تحمل رکھ بانو! تجھے بھی بس ہل ہل کرنے کا شوق ہے۔ ضرورت کیا تھی اس کے سامنے بات کرنے کی... اور ویسے بھی جب تک فاطمہ کی نہیں ہو جاتی' میں تو مریم کے بارے میں سوچوں گی بھی نہیں۔" حمیدہ نے صاف کہہ دیا۔
"اچھا مریم کی رہنے دو ابھی... نعمان کی نہیں کرنی۔"
حمیدہ نے ہاتھ میں پکڑا کپ ٹرے میں پٹخا۔
"جب تک دونوں لڑکیوں کی نہیں ہو جاتی۔ میں تو لڑکوں کا نام بھی نہیں لوں گی اور اگر تو اپنی وہ موٹی بھینس جیسی نند میرے سر تھوپنے کا سوچ رہی ہے۔ تو مریم کی طرح میری طرف سے بھی صاف انکار ہے۔"
"ہو تو میری ماں! ہر کام اور ارادے سارے دشمنوں والے ہیں۔ کوئی ایک بلا تو میرے سر سے ٹلے گی۔"
"اپنی بلائیں میرے سر ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے... معاف کرو بی بی۔" حمیدہ نے دونوں ہاتھ پٹاخ سے اس کے سامنے جوڑے... مارے غصے کے بانو کو رونا ہی آ گیا۔
"ٹھیک ہے جا رہی ہوں میں... اب نہیں آؤں گی... ابا سے سلام کہہ دینا... اس گھر میں میری یہی عزت

ہے۔" جوتا پہن کر چادر اوڑھتی بولتی بولتی دروازے سے نکل گئی۔
"عزت کروانے والے کام بھی تو ہوں۔" حمیدہ بڑبڑائی۔ پھر ٹرے پر نظر گئی۔ "ایک نمبر کی بھوکی ہے۔"



"جاؤ بیٹا! طیبہ کو بھی بلالاؤ۔" جب سے وہ لوگ بازار سے آئے تھے۔ طیبہ کمرے سے باہر ہی نہیں نکلی تھی۔ اب رات کا کھانا کھایا تو نبیلہ نے فاطمہ سے کہا۔
"کوئی ضرورت نہیں۔ فاطمہ ملازمہ نہیں ہے۔" محسن نے سختی سے کہا۔ "بھابھی کو خود تو احساس ہی نہیں۔ سارا دن اپنے کمرے میں بند۔۔۔ دو گھڑی مہمان کے پاس بیٹھنے کی بھی توفیق نہیں۔"
نبیلہ چپ سی ہو گئیں۔ وہ کہہ تو ٹھیک ہی رہا تھا۔
"چھوڑیں۔ اب اتنی سی بات کے لیے بدمزگی کیوں کروائیں۔" فاطمہ اٹھ گئی۔ نبیلہ نے توصیفی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا۔
"ماشاء اللہ بہت ہی سمجھ دار بچی ہے۔"
"جی۔ بڑی امی کی تو نہیں لگتی" محسن نے معصومیت سے کہا۔
"بہت بد تمیز ہوتے جا رہے ہو۔"
"اچھا میں ہاتھ دھو آؤں۔" وہ ہنستے ہوئے چلا گیا۔۔۔ مگر واپسی پر راہداری سے گزرتے ہوئے رک گیا۔ فاطمہ طیبہ کے کمرے کے سامنے کھڑی تھی۔ ہاتھ ہینڈل پر تھا۔ مگر بت کی مانند ساکت و صامت۔۔۔ کسی غیر معمولی بات کا احساس ہوتے ہی وہ آہستگی سے اس کے عقب میں جا کھڑا ہوا۔۔۔ ادھ کھلے دروازے سے طیبہ کی سسکیاں باہر آ رہی تھیں۔
"جمال! اب میری بس ہو گئی ہے۔ کسی فالتو سامان کی طرح گھر کے کونے میں پڑی ہوں۔ نہ کوئی حیثیت ہے' نہ اہمیت۔۔۔ اور کل جب آنٹی ملازمہ کے سامنے میری برائیاں کر رہی تھیں۔ کچھ نہ پوچھو میرے دل پر کیا گزری۔ مجھے نہیں پتا' آنٹی نے مجھ سے کس بات کا بیر باندھا ہے۔ کیا صرف اس لیے کہ میں آپ کی پسند ہوں۔"
محسن کو فاطمہ کا تو نہیں پتا چلا لیکن خود غصے سے برا حال ہو گیا۔ لیکن طیبہ کی اگلی بات نے اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی۔
"اور وہ فاطمہ۔۔۔ سارے گھر میں یوں دندناتی پھر رہی ہے۔ گویا وہ اس گھر کی بہو ہو۔۔۔ اور جمال! تم یقین کرو نہ کرو۔۔۔ محسن کا کوئی نہ کوئی چکر فاطمہ کے ساتھ۔۔۔"
فاطمہ لڑکھڑائی۔۔۔ عقب سے محسن نے اسے تھام لیا۔۔۔ فاطمہ نے تڑپ کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھری تھیں۔ اس نے ایک جھٹکے سے محسن کے ہاتھ ہٹائے اور بھاگتی چلی گئی۔۔۔ محسن کا ضبط جواب دے گیا تھا۔۔۔ اس نے تیزی سے پورا دروازہ کھول دیا۔
طیبہ نے بوکھلا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ طیبہ کا رنگ ایک لمحے کو زرد پڑ گیا۔
"میں نے آپ جیسی گھٹیا عورت ساری زندگی نہیں دیکھی۔"
اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ دوسری طرف جمال نے بخوبی سنی۔
"ڈرامہ باز عورت۔۔۔" محسن نے نفرت سے کہا اور مڑ گیا۔۔۔ کچھ لمحے اور کھڑا رہتا تو شاید اس کا گلا دبا دیتا۔
"طیبہ۔۔۔ طیبہ کیا ہوا؟" جمال کی آواز پر وہ ہوش میں آئی۔
"تم نے۔۔۔ تم نے سنا جمال۔۔۔ یہ اوقات ہے میری اس گھر میں۔۔۔ مجھے اس طرح گالیاں دی جاتی ہیں۔" محسن آندھی و طوفان کی طرح کھانے کی میز تک آیا۔ جہاں فاطمہ روتی جا رہی تھی۔ اور نبیلہ پریشانی سے پوچھ رہی تھیں۔ کیا ہوا ہے۔

"اٹھو فاطمہ! تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔" محسن نے کہا۔
"کیا ہوا محسن؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔۔۔ فاطمہ رو کیوں رہی ہے۔"
"واپس آکر بتاتا ہوں۔۔۔ اٹھو فاطمہ۔۔۔" وہ سختی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ اپنا چہرہ صاف کرتی فاطمہ اس کے پیچھے تھی۔

☆ ☆ ☆

"میری ہی غلطی ہے، مجھے فاطمہ کو لانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ کیسی کینہ پرور عورت ہے۔۔۔ آپ کے بارے میں کیسی کیسی باتیں جمال بھائی سے کہہ رہی تھی۔" وہ غصے میں پورے کمرے میں چکرا رہا تھا۔ نبیلہ سر پکڑے بیٹھی تھیں۔
"کب پتا چلا، جمال بھائی مجھے فون کیوں نہیں کرتے۔۔۔ ایسا ہی کچھ میرے بارے میں بھی کہتی ہوگی۔"
"محسن! بیٹھ جاؤ۔" نبیلہ نے ہارے ہوئے انداز میں کہا۔ "مجھے تو فاطمہ کی فکر ہے۔ نجانے کیا سوچتی ہوگی۔ طیبہ کو ذرا شرم نہیں آئی ایسی تہمت لگاتے۔۔۔ کیسی شرم لحاظ اور رکھ رکھاؤ والی لڑکی ہے۔۔۔ اس نے تو کبھی تم سے کھل کر بات بھی نہیں کی۔"
"گھٹیا سوچ رکھنے والوں کو بات بڑھانے کے لیے رائی کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔۔۔ پہاڑ کھڑا کر لیتے ہیں۔" محسن تھک کر ان کے قریب بیٹھا۔
"ایسے کون سے پہاڑ کھڑے کر دیے میں نے۔۔۔" طیبہ دروازے میں آکھڑی ہوئی۔ بالکل بدلے ہوئے تیور کے ساتھ۔۔۔ نہ کوئی خوف۔۔۔ نہ جھجک۔ "کچھ دیکھا ہے، کچھ محسوس کیا ہے تو ہی بات کی ہے۔"
"امی! اس سے کہہ دیں کہ یہاں سے چلی جائے۔" محسن نے دانت پیس کر کہا۔
"جا رہی ہوں۔۔۔ اس گھر سے۔۔۔ میں نے شادی جمال سے کی تھی۔۔۔ جب وہی یہاں نہیں۔ تو یہاں رک کر آپ کے طعنے سننے کا فائدہ۔" وہ کھٹ کھٹ کرتی چلی گئی۔
"خس کم جہاں پاک۔۔۔" محسن نے کہہ کر ماں کو دیکھا۔۔۔ وہ گم صم بیٹھی تھیں۔
"آپ کو زیادہ ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جمال بھائی سے بات کریں۔"
نبیلہ نے اک طویل سانس لے کر بیٹے کو دیکھا جو اس سچویشن پر بوکھلایا ہوا بھی تھا اور غصے میں بھی تھا۔ وہ بولیں تو لہجہ خلاف معمول پر سکون تھا۔
"میں ٹینشن نہیں لے رہی۔۔۔ میں جانتی ہوں، مجھے اس مسئلے کو کیسے ہینڈل کرنا ہے۔۔۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ طیبہ یہ سب کیوں کر رہی ہے۔۔۔ جب تک بات لحاظ کے پردے میں چھپی تھی چل رہا تھا۔۔۔ اب فیصلہ تو کرنا پڑے گا۔۔۔ تم جاؤ۔۔۔ آرام کرو۔۔۔ صبح آفس کے لیے نکلنا ہے۔"
"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا۔" محسن نے تشویش سے ماں کو دیکھا۔

☆ ☆ ☆

ثوبان نے رائٹنگ ٹیبل پر پڑی پرچی اٹھا کر دیکھی۔

اک ذرا ہاتھ بڑھا میری طرف
خود کو میرا تو ہم سفر کر دے
تم میری زیست کا حاصل ہو
اتنا کہہ اور معتبر کر دے

ثوبان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ اسے اک ٹین ایجر کی جسارت سمجھ کر نظر انداز کرنے کو تھا۔ اس سے قبل کہ اسے ڈسٹ بن میں پھینکتا۔۔۔ اس نے دروازے میں کھڑی عریشہ کو دیکھ لیا تھا۔ جس کے ہاتھ میں

مگ تھے۔ جن پر سرخ اسٹرابری بنی تھیں۔۔۔ یہ عریشہ کے فیورٹ مگ تھے۔
"آؤ عریشہ۔۔۔" اس نے پرچی سائڈ پر رکھ دی۔
"کافی۔۔۔"
"شکر ہے اس گھر میں کسی کو تو کافی بنانا آتی ہے۔" ثوبان نے ہاتھ بڑھا کر مگ پکڑا اور ریلیکس سا ہو کر کرسی پر ٹک گیا۔ "کیا ہو رہا ہے؟"
"کچھ نہیں۔ یونہی موڈ ہو رہا تھا۔۔۔ آپ کے ساتھ کافی پیتے باتیں کرنے کا۔" وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔۔۔ جہاں ڈھلتی دوپہر کی زردی بکھری تھی۔
"آپ کا دوست کیسا ہے؟"
"کون سا"
"وہی جس کے لیے سرخ گلاب لے کر گئے تھے۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی رقابت در آئی۔
"تم سرخ گلابوں سے اتنا الرجک کیوں ہو؟" ثوبان مسکرایا۔۔۔ اب تو اسے بھی اس آنکھ مچولی میں مزا آنے لگا
"میں کیوں پھولوں سے الرجک ہوں گی۔" عریشہ نے کندھے اچکائے۔
"تو پھر میری دوست سے جیلس ہو۔"
"میری دوست" عریشہ نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ "وہ لڑکی تھی؟"
"میری یونیورسٹی فیلو"
"آپ کی لڑکیوں سے دوستی ہے؟"
"ہاں بھئی' ساتھ پڑھتے ہیں۔ تو دوستی بھی ہو ہی جاتی ہے" ثوبان نے لاپروائی سے کہا۔۔۔ عریشہ کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے مگ جھپٹ لیا۔
"ارے۔۔۔ ارے کافی تو پینے دو"
"اسی کے ساتھ پئیں' جس کے لیے پھول لے کر گئے تھے۔" عریشہ نے چبا چبا کر کہا اور تیزی سے نکل گئی۔
"اسے کس بات پر غصہ آگیا۔ حد ہو گئی۔۔۔ یہ کوئی بات تھی خفا ہونے والی۔۔۔ نجانے کب میچور ہو گی۔"
عریشہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی نیچے آئی۔۔۔ چارپائی پر بیٹھی حمیدہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"کیا ہوا عرشی؟"
"تائی جان! یہ ثوبان ہے نا بالکل بھی اچھا نہیں ہے۔۔۔ بہت برا ہے۔" اس کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں۔
"کیا کہہ دیا میری بچی کو؟ ابھی بلا کر پوچھتی ہوں۔" انہوں نے پیار سے کہتے بازو سے پکڑ کر قریب بٹھا لیا۔
"وہاں یونیورسٹی میں پڑھنے تھوڑی جاتا ہے' لڑکیوں سے دوستی کرنے جاتا ہے۔ اور وہ بیمار ہو جائیں تو پھول لے کر عیادت کے لیے اسپتال پہنچ جاتا ہے۔"
"تو تو کیوں پریشان ہو رہی ہے۔۔۔ وہاں دس ہزار لڑکیاں ہوں۔۔۔ میری عرشی جیسی تو ایک بھی نہیں ہو گی۔"
(یہ بات وہ کیوں نہیں کہتا) "آنے دے پیچھے ابھی اس کے لتے لوں گی۔۔۔ لے کے تجھے رلا دیا۔"



عائشہ ابھی ابھی اسکول سے لوٹی تھی۔۔۔ سیدھی ماں کے کمرے میں آئی' مگر دروازے میں ٹھٹک کر رک گئی۔
آمنہ خاتون کے پاس نعمان بیٹھا تھا۔
"موصوف روز ہی چلے آتے ہیں۔"

نعمان نے اسے دیکھا تو آنکھوں میں چار سو چالیس والٹ کا بلب روشن ہو گیا۔ مگر دوسرے پل وہ سر جھکا چکا تھا۔ "السلام علیکم!" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ آمنہ خاتون مسکرا دیں... سلام کا جواب دے کر کہنے لگیں۔

"عاشی! کھانا کھا کر نعمان کے لیے ایک کپ چائے تو بنا دو۔ مجھے تو اس نے اٹھنے نہیں دیا۔"

"نہیں خالہ! چائے کی ضرورت نہیں ہے۔"

عائشہ سر ہلا کر چادر اور بیگ کمرے میں رکھ کر کچن میں آ گئی۔ کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ چائے بھی بنالی۔ کپ لے کر اندر آئی تو آمنہ خاتون بے حد سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔

"ایک ہی حسرت ہے میری' عاشی کا رشتہ اچھی جگہ پر ہو جائے تو میں سکون سے مر سکوں۔ پتا نہیں کیا بات ہے کہ کہیں بات آگے بڑھتی نہیں۔"

عاشی کو دیکھتے ہی وہ فوراً" خاموش ہو گئیں۔

عاشی نے بڑے ضبط سے کپ نعمان کو تھمایا اور کمرے میں آ گئی۔

"وہ فرید اور اکرم..." نعمان نے ان کے بیٹوں کے بارے میں پوچھنا چاہا۔

"اللہ کا شکر ہے... فرید تو پچھلے سال دبئی چلا گیا تھا۔ اکرم ابھی ایف ایس سی کر رہا ہے۔ بہاولنگر اپنے ماموں کے پاس رہتا ہے... میرے بھائی کی اولاد نہیں تھی۔ بچپن سے اسے گود لے لیا تھا... کہتا ہے... یہاں کوئی نہیں ہے... واپس آجاؤں گا... مگر اس کے ابو کے منع کر دیا... وہاں اس کا ماموں بھی تو تنہا ہے۔ ہمارے پاس تو عاشی ہے... ہمارا ارادہ تو یہی ہے کہ عاشی کی شادی کے بعد وہیں بہاولنگر چلے جائیں گے... عاشی کے ابو کی ریٹائرمنٹ بھی قریب ہے... اس کرایے کے گھر سے بھی جان چھوٹے گی۔"

آمنہ خاتون کو بھی بڑے عرصے کے بعد سامع ملا تھا۔ سو نعمان بہت جلد ان کے گھر کے تمام حالات سے بخوبی واقف ہو گیا تھا۔

"اچھا خالہ! اب اجازت دیں... کوئی کام ہو تو مجھے یاد ضرور کیجئے گا۔" آمنہ خاتون اسے دعائیں دینے لگیں۔

اس کے جانے کے بعد عاشی شیر کی طرح کمرے میں آئی۔

"امی! آپ بھی حد کرتی ہیں۔ کیا ضرورت تھی" ایک اجنبی شخص کے سامنے میرے رشتے کی بات کرنے کی۔"

آمنہ خاتون نے دیکھا اس کا چہرہ غصے اور خجالت سے سرخ ہو رہا تھا۔

"مجھے کس قدر انسلٹ فیل ہوئی۔ میں اتنی گئی گزری ہوں کہ مجھے کوئی پوچھنے ہی نہیں آرہا... ہزاروں لڑکیاں ہیں' جن کی شادیاں نہیں ہوئیں... تو وہ کیا زندہ نہیں رہتیں... ہر آئے گئے کے سامنے یہی ذکر... آپ تھکتی نہیں میری بے عزتی کرواتے کرواتے۔"

"عائشہ! تو کتنی تلخ ہونے لگی ہے" انہوں نے حیرت اور دکھ سے اسے دیکھا۔

عائشہ کو اپنے لہجے کی تیزی کا احساس ہوا۔ تو جیسے تھک کر ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"جانتی ہوں' میں اک معمولی شکل و صورت کی لڑکی ہوں... میرا باپ کوئی بڑا جہیز بھی نہیں دے سکتا... تو فرق پڑتا ہے... میں کسی پر بوجھ تو نہیں... اپنا کماتی" اپنا کھاتی ہوں اللہ نے کسی کا محتاج تو نہیں کیا۔"

"عاشی! مجھے یہ لڑکا بہت اچھا لگتا ہے۔ گھرانا بھی ہمارے جیسا ہے۔ اور مجھے لگتا ہے' وہ بھی تجھے پسند کرتا ہے۔"

عاشی نے حیرت سے ماں کی شکل دیکھی۔

"چوک میں کھڑی کر کے نیلامی لگا دیں... جس کا جی چاہے لے جائے۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر چلی گئی... آمنہ خاتون ششدر سی اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"یہ تو نہیں، وقت کی تلخیاں بول رہی ہیں، میری بچی۔" انہوں نے آنکھوں پر دوپٹہ رکھ لیا۔

☆ ☆ ☆

پڑھتے پڑھتے اس کا دماغ بوجھل ہونے لگا۔ اس نے گردن موڑ کر ماں کو دیکھا۔ سارے دن کی تھکی ہاری سو رہی تھی۔ وہ چائے بنانے کے ارادے سے کچن میں آ گیا۔ شکر تھا کچن میں سلنڈر گیس موجود تھی۔ ورنہ وہ کہاں آگ جلاتا۔ چائے بنا کر پیالی میں ڈال رہا تھا۔ جب کبری چلی آئی۔
"اچھا تو ہے۔ میں سمجھی بلی ہے۔"
"چاچی! بڑی خبردار نیند ہے تیری" وہ ہنسا۔۔۔ خیال تھا وہ ابھی کوئی نہ کوئی طعنہ مارے گی۔۔۔
"اچھا دودھ اچھی طرح ڈھک کے اور دروازہ بند کر کے جانا۔" وہ جمائی لیتی چلی گئی۔
"حیرت ہے، آج تو راوی چین ہی چین لکھ رہا ہے۔" وہ پیالی اٹھا کر اندر آ گیا۔ چارپائی پر بیٹھا تو وہ چرچرانے لگی۔ جمیلہ نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔
"کیا ہوا بلو۔۔۔؟"
"کچھ نہیں اماں۔۔۔"
"اب سو جا بلو، ساری رات پڑھتا رہے گا۔"
"اماں! پرچے ہو رہے ہیں۔ ویسے بھی میرے اس جاگنے پر میرے مستقبل کا انحصار ہے۔"
"اللہ تجھے ساری کامیابیاں دے۔۔۔ تیری راہیں آسان کرے" وہ دعائیں دیتے دیتے سو گئی۔ ابرار نے اس کے تھکے ہوئے چہرے کو پیار سے دیکھا۔
"ماں! سفر تو تم نے کیا ہے۔۔۔ لیکن اب تھوڑا ہی عرصہ ہے۔۔۔ اللہ نے چاہا تو تمہاری مشقت ختم ہونے کو ہے۔" اس نے چائے کا گھونٹ بھرا اور کتابیں کھول لیں۔

☆ ☆ ☆

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا، آپ کچھ کہتی ہیں، طیبہ کچھ اور کہہ رہی ہے۔"
جمال سخت الجھا ہوا تھا، کئی ماہ سے طیبہ روٹھ کر میکے بیٹھی تھی۔
"جمال! میں یہ نہیں کہتی کہ مجھ پر اعتبار کرو، جو کچھ ہوا؟ میں اسے بھول جانا چاہتی ہوں۔ غلطی تمہاری بھی ہے، تم نے ابھی تک اسے اپنے پاس بلانے کے لیے کوئی کوشش نہیں کی۔ ایک بیوی کا حق ہے کہ وہ شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ رہے۔"
نبیلہ کی یہی اچھی عادت تھی۔ وہ کبھی بات کو بڑھاتی نہیں تھیں۔ اس وجہ کو ختم کرنے کی کوشش کرتیں، جو فساد کا باعث بنی ہو۔
"امی! میں تو آپ کی وجہ۔۔۔"
"میری فکر نہ کرو، بس تم کاغذات بنواؤ، اور اسے اپنے پاس بلا لو، طیبہ کے یہاں رکھنے سے صرف قباحتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ بھلا کسی کا نہیں ہو رہا۔ میں زبردستی اسے یہاں اپنی خدمت کے لیے نہیں روکنا چاہتی۔" انہوں نے مالیت سے سمجھایا۔
"تو پھر ایسی عورت کا فائدہ، جو کسی کو فیض نہیں پہنچا سکتی۔" جمال نے تلخی سے کہا۔
"یوں مت کہو، جو کچھ اس نے کیا غلط تھا۔ لیکن میں نے معاف کیا۔ تم سے پیار کرتی ہے، تم سے مخلص ہے، میرے لیے یہی بہت ہے۔"

”آپ اکیلی رہیں گی؟“
”میری فکر مت کرو‘ میرے پاس محسن ہے“ اور میں جلد اس کی شادی کردوں گی۔“
انہوں نے قطعی لہجے میں کہا۔ کچھ دیر بات کرنے کے بعد فون بند کردیا۔ ٹانگیں دباتی بتول نے حیرت آمی
توصیفی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔
”بڑا دل گردہ ہے بیگم صاحبہ! میری بہو ایسی ہوتی تو چوٹی سے پکڑ کر گھر سے نکال دیتی۔۔۔ بلکہ بیٹے سے کہہ ک
فارغ بھی کروادیتی۔“
”ایسے مت کہو بتول۔۔۔ غلطیاں چھوٹوں سے ہوجاتی ہیں۔ ہمارا کام انہیں سمجھانا اور معاف کرنا ہے۔ طی
سمجھانے کی حد سے نکل گئی ہے‘ سو میں نے اسے معاف کردیا۔“ انہوں نے تحمل اور بردباری سے کہا۔
”اچھا۔۔۔ محسن کو میرے پاس بھیجو‘ مجھے اس سے ضروری بات کرنا ہے۔“



حسب معمول وہ کالج سے سیدھی تائی کے پاس آئی تھی۔
”آجا میری بچی! فاطمہ نے آلو چنے کی چاٹ بنائی ہے‘ چائے بھی دم پر ہے۔“
عریشہ کچن میں چلی گئی فاطمہ اس کے لیے چاٹ نکال رہی تھی۔
”لے جاؤ‘ میں چائے لاتی ہوں۔“
وہ چائے لے کر تائی کے پاس آگئی۔
”بات سن عرشی! یہ تیری ماں پیسے کو چھپانے لگی ہے۔“ تھوڑی دیر کے بعد حمیدہ نے رازداری سے پوچھا۔
”کیوں؟“
”ابھی تنخواہ آئی کو دیر ہی کتنی ہوئی ہے‘ کل پانچ سو مانگے تو صاف انکار کردیا کہ ختم ہوگئے۔ اتنی جلدی کیسے
ہوگئے۔“ انہیں یہ بات ہضم ہی نہیں ہورہی تھی کہ عادلہ نے انکار کیسے کردیا۔
”پتا نہیں۔۔۔ کسی کو ادھار دیے ہوں گے۔“ عریشہ نے لاپروائی سے چاٹ کھاتے کہا۔
”ہاں۔۔۔ ہمیں ادھار دیتے تو جان نکلتی ہے۔“ وہ بڑبڑائیں۔
”ہو رہی ہیں شہزادی کی نازبرداریاں‘ اماں! میں بھی کالج سے آئی ہوں۔“ مریم حسب عادت چڑ گئی۔
”مریم! تو عریشہ سے نہ جلا کر‘ یہ تو مجھے شروع ہی سے بہت پیاری ہے۔“ حمیدہ نے دلار سے عریشہ کے
ہاتھ پھیرا۔ ”ابھی پاؤں پاؤں چلتی تھی‘ تب ہی سوچ لیا تھا‘ اسے اپنی بیٹی بناؤں گی۔“
”کیوں اپنی چار بیٹیوں سے جی نہیں بھرا تھا۔“ مریم جل کر بولی۔
”ارے پگلی! بہو کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔“
پانی پیتی عریشہ کو اچھو لگ گیا۔ ایسا واضح اظہار حمیدہ کی طرف سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔
”ارے کیا ہوا؟ سنبھل کر کھاؤ۔“ حمیدہ گھبرا کر اس کی پیٹھ سہلانے لگیں۔
”نوالہ نہیں‘ آپ کی بات حلق میں پھنسی ہے۔“ مریم ہنسی۔
”ہاں تو اس کی ماں نے کون سا اسے بتایا ہوگا۔ اس کے باپ کی بھی یہی خواہش تھی۔ اب نہ باپ رہا‘ نہ اس
خواہش۔“
عریشہ نے سٹپٹا کر تائی کو دیکھا۔
”اب تو سب کچھ اس کی ماں کے ہاتھ میں ہے‘ میں تو اب بھی ذکر نہ کرتی‘ بس دل بھر آیا‘ سنا ہے بالا ہی بال
کا رشتہ ڈھونڈ رہی ہے۔“

"نہیں تائی جان۔" عریشہ نے گلاس ہاتھ سے رکھ دیا۔ "ایسی کوئی بات نہیں۔"
"تو بچی ہے میں نہیں۔"
عریشہ کا دل ایک دم ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا۔



"آپ بہت اچھے ہیں نعمان صاحب، لیکن میں نے اب تک کی زندگی بہت احتیاط سے گزاری ہے۔ آپ کا اس طرح بار بار اس دروازے تک آنا، لوگوں کو چونکا سکتا ہے اور لوگوں کو باتیں بنانے کے لیے زیادہ کچھ کی ضرورت نہیں پڑتی۔"
دروازے کے دوسری طرف کھڑی عائشہ کی مدھم آواز اور مضبوط لہجہ نعمان کو اپنے حصار میں لے رہا تھا۔
"عائشہ! میں... میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
عائشہ نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ اچھے قد کاٹھ اور اچھی شکل و صورت کا نوجوان تھا۔ سنا تھا کاروبار بھی اچھا چل رہا ہے۔ اگر اس کی ماں نے آس لگائی تھی تو یہ کچھ ایسا غلط تو نہ تھا۔
"تو اس کے لیے آپ کو نہیں، آپ کے والدین کو آنا چاہیے۔" عائشہ نے کہہ کر ایکدم دروازہ بند کر دیا۔
نعمان نے بے یقینی سے بند دروازے کو دیکھا۔
"کیا واقعی عائشہ نے یہ کہا ہے، کیا واقعی اسے میرا ساتھ قبول ہے۔"
بے یقینی کا پل گزرا۔ تو دل خوشی سے بھر گیا۔ اس کا دل چاہا، گلی میں ایک ایک کو روک کر خوش خبری سنائے۔



نبیلہ نے فاطمہ کا رشتہ مانگا تھا۔ جہاں حمیدہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہیں برکت حسین نے سینہ پھلا لیا۔
"دیکھا... آخر بہن ہے میری بھائی کا احساس کیا، کیسا لائق فائق لڑکا ہے، محسن اور کیسی اچھی نوکری..."
"ارے رہنے دو، غیروں سے بھولا کر دل بھر گیا، تو اپنوں کا خیال آیا۔" حمیدہ سے شوہر کی جتاتی ہوئی خوشی ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔
"ہائے فاطمہ! تیری تو لاٹری نکل آئی۔" مریم بے حد خوش تھی۔
نبیلہ نے کوئی ہنگامہ کرنے ہی نہیں دیا۔ بس اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر فاطمہ کو پہنا دی، فاطمہ گم صم تھی۔
"پھوپھو! آپ نے تو طیبہ کی بات پر تصدیق کی مہر لگا دی۔" انگوٹھی دیکھتے ہوئے فاطمہ نے آہستگی سے کہا تو نبیلہ نے اس کی پیشانی چوم لی۔
"صرف اچھی اچھی باتیں سوچو، محسن نے کہا ہے، ہمارے گھر کو فاطمہ جیسی لڑکی کی ضرورت ہے، اب کسی کی فضول سی بات پر میں ایسی ہیرا لڑکی کو کھو نہیں سکتی تھی۔"
"جمال بھائی کیا سوچیں گے۔"
"وہ میرا بیٹا ہے، اور فکر نہ کرو، سب کچھ اس کے مشورے سے ہو رہا ہے، اب جلدی سے مسکرا دو، محسن پوچھے گا فاطمہ خوش تھی تو میں کیا جواب دوں گی۔"
ان کے شرارت بھرے انداز پر فاطمہ جھینپ کر مسکرا دی۔
"آجائیں، کھانا تیار ہے۔" عادلہ نے جھٹ پٹ کھانے کی تیاری کر لی تھی۔ کباب، چکن، پلاؤ، قورمہ۔
"پھوپھو... بھتیجیوں کی بڑی فکر ہے آپ کو، بھتیجوں کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔"
نعمان نے کان میں انگلی چلاتے کہا، سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ آج پہلی بار اس کے منہ سے ایسی

کوئی بات سنی تھی۔ورنہ وہ من موجی اور مست سا بندہ تھا۔
"لڑکا اپنے منہ سے بول رہا ہے۔بھائی صاحب! سوچ لیں۔" نبیلہ نے مسکرا کر کہا۔
"صبر کرو۔۔۔ صبر۔۔۔دو بہنیں گھر بیٹھی ہیں۔۔۔ پہلے انہیں تو رخصت کر لے۔۔۔ اپنی پڑ گئی ہے۔" حمیدہ نے حسب عادت چمک کر کہا۔
"مطلب' بہنوں کو بیاہتا بیاہتا بوڑھا ہو جاؤں۔" بظاہر اس نے ہنستے ہنستے کہا۔مگر لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ نبیلہ اور عادلہ نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔
"نہیں بھئی۔ہم تو نعمان کے لیے لڑکی ڈھونڈنا شروع کر دیں گے۔فاطمہ اور نعمان کی شادی ایک ساتھ کریں گے۔" عادلہ نے کہا۔
"کیوں بھائی جان۔۔۔" نبیلہ نے بھائی کو ساتھ ملا لیا۔
(ہاں میرا دماغ خراب ہے۔اکلوتا اس گھر کا کمانے والا۔۔۔ میں بیاہ کے ہاتھ سے گنوادوں مریم کے بعد ہی کروں گی' کرتے رہو صلاح مشورے)
حمیدہ نعمان کو دیکھتے سوچ رہی تھیں۔



"امی! اچھا ہو گیا نا۔ محسن بھائی اور فاطمہ کی منگنی۔" سارے کام سمیٹ کر وہ دونوں گھر آئی تھیں۔
"ہاں بہت اچھا ہو گیا۔فاطمہ کے لیے ایسا ہی اچھا شریک حیات ہونا چاہیے تھا۔" وہ اپنے بستر پر دراز ہو گئیں۔وہ بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔
"بلکہ میرا تو دل چاہتا ہے' اب جلدی سے کوئی اچھا سا لڑکا ملے اور میں بھی اپنی بیٹی کی منگنی کروں۔"
(اچھا لڑکا آس پاس ہی تو ہے۔اب آپ کو دکھائی نہیں دیتا تو میں کیا کروں۔)
"کس سوچ میں ڈوب گئیں؟"
"کچھ نہیں میں تو سوچ رہی تھی۔فاطمہ آپی کی شادی پر کپڑے کیسے بنواؤں گی۔" عریشہ ہنس دی۔
"ایک کام تو کرو۔" کچھ لمحے اسے دیکھنے کے بعد عادلہ کے دل میں خواہش سی پیدا ہوئی تو تکیے کے نیچے سے چابی نکال کر اسے تھمائی۔
"الماری کے لاکر میں ایک ڈبا ہے۔۔۔وہ نکال لاؤ۔"
"کیسا ڈبا۔۔۔؟"
"لاؤ تو۔۔۔"
عریشہ نے وہیں کونے میں رکھی الماری کا لاک کھول کر اندر سے ایک سرخ مخملیں بڑا سا ڈبا نکالا۔
"امی! یہ تو زیور لگتا ہے۔"
عادلہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔۔۔ڈبا اس کے ہاتھ سے لے کر کھولنے لگیں۔
"واؤ۔۔۔ کتنا خوبصورت ہے۔" مکمل گولڈ کا سیٹ کڑوں کے ساتھ جگر جگر کر رہا تھا۔
"امی! کس کا ہے؟۔"
"تمہارا۔" عادلہ نے پیار سے بیٹی کو دیکھا۔
"کیا مطلب؟ یہ تو بالکل نیا ہے۔" اس نے حیران ہو کر جھمکا اٹھایا۔
"میں نے کمیٹی ڈالی تھی۔پچھلے ماہ نکلی تو فوراً بنوا لیا۔"
"اسی لیے آپ تائی کو پیسے نہیں دے رہی تھیں۔"

"ہاں۔۔۔ مجھے اب کچھ تمہارے لیے بھی تو جمع کرنا ہے۔"
عریشہ کبھی انگوٹھی پہن کر دیکھ رہی تھی تو کبھی جھمکا کان سے لگا کر۔۔۔ نازک کلائی کڑوں سے سج گئی۔ عادلہ تصور ہی تصور میں اسے دلہن کے روپ میں دیکھ رہی تھی۔
"اچھا بات سنو عرشی! ابھی کسی کو۔۔۔"
لیکن عادلہ کی بات درمیان میں رہ گئی۔
"عادلہ چچی! وہ امی پوچھ رہی ہیں۔"
"مریم! دیکھو امی نے میرے لیے کتنا خوبصورت سیٹ بنوایا ہے۔"
"کمال ہے چچی! اتنا زیور بنا لیا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔"
"ابھی کچھ دن قبل ہی لائی ہوں۔۔۔ میں۔۔۔"
"میں امی کو بلا کر لاتی ہوں۔"
"تائی کو یہاں کیوں بلانا ہے۔۔۔ میں وہیں دکھا لاتی ہوں۔" عریشہ جوش میں اٹھی۔ عادلہ اپنا سر تھام کر رہ گئیں۔ وہ تصور میں حمیدہ کے تاثرات کا اندازہ لگا سکتی تھی۔



جمیلہ نے نم آنکھوں کے ساتھ بیٹے کی پیشانی چومی' پھر اس کے گلے میں پڑے گولڈ میڈل کو پورا گاؤں امڈ پڑا تھا۔۔۔ اصغر بھی سینہ تانے سب کی مبارک باد وصول کر رہا تھا۔ آج پہلی بار اسے ابرار پر فخر محسوس ہوا تھا۔ اخبار میں ابرار کی تصویر اور انٹرویو آیا تھا۔ جمیلہ کا بس نہ چلتا تھا اسے فریم کروا کے دیوار پر ٹانگ دے۔
"آج تو تو نے پورے گاؤں کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے بیٹا جی۔" ماسٹر صاحب نے اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا تھا۔
"اصغر! میں نے تجھ سے کہا تھا نا معمولی لڑکا نہیں ہے۔ اسے تو بہت آگے جانا ہے۔"
"آہو۔ ماسٹر صاحب۔۔۔ بات تو آپ نے ٹھیک کہی تھی۔"
رات تک مٹھائی بٹتی رہی۔ لوگ آتے جاتے رہے۔ اور بہت رات گئے جب وہ کھری چارپائی پر بازوؤں کا تکیہ بنائے روشن تاروں بھرے آسمان کو تکتے مستقبل کی پلاننگ کر رہا تھا۔ تو جمیلہ اس کے لیے دودھ کا پیالہ لے کر آئی۔
"پتر! اب تو نوکری کرے گا؟"
ابرار مسکرا دیا۔ "اماں! ابھی تو سفر باقی ہے۔"
"ابھی اور پڑھائی کرے گا۔"
"ہاں اماں! میں نے سی اے کرنا ہے۔ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ بننا ہے۔ سفر لمبا بھی ہے اور مہنگا بھی۔"
"اچھا۔" ابرار کو اس کے لہجے میں ہلکی سی افسردگی محسوس ہوئی۔ دوسرے پل وہ جوش سے بولی۔
"تو فکر نہ کر' زیادہ پیسوں کی ضرورت پڑی تو میں بھینس بیچ دوں گی۔" اسے ماں کی معصومیت پر پیار بھی آیا اور رونا بھی۔
"بھینس بیچ دی تو اماں تمہارا گزارہ کیسے ہو گا؟"
"اللہ وارث ہے۔"
"اماں! تو فکر نہ کر۔۔۔ مجھے اسکالرشپ بھی ملے گا اور میں کوئی چھوٹی موٹی ملازمت بھی ڈھونڈ لوں گا۔ میرا گزارہ ہو جائے گا۔ بس یہ ہے کہ اب مجھے شہر میں رہنا پڑے گا۔"

"اچھا۔" وہ افسردہ سی ہو گئی۔ "خیر۔ تو دودھ پی۔"



"سچی بات ہے کبریٰ۔ لڑکا تو بہت ہی لائق نکلا۔" اصغر اب تک متاثر تھا۔

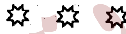
"پتا ہے' ماسٹر جی بتا رہے تھے۔ اب وہ یونیورسٹی میں پڑھے گا اور بہت بڑا افسر بنے گا۔"

"بس اب اس کے قصیدے نہ پڑھتے رہو۔ ایک بار افسر بن گیا تو پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔" کبریٰ نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"کیوں بھئی۔۔۔"

"اصغر! میں کہتی ہوں' اب وقت آگیا ہے تو جمیلہ سے بات کر۔۔۔ میں تو کہتی ہوں نکاح ہی کر دیتے ہیں۔۔۔ پاؤں میں نکاح کی بیڑی ہو گی تو مڑ کر ادھر ہی آئے گا۔"

"ہوں' کہتی تو تو ٹھیک ہے۔" اصغر نے پر سوچ انداز میں گردن ہلائی۔ "لے فر۔ میں صبح ہی جمیلاں سے بات کرتا ہوں۔ گھر کی بات ہے۔ چند دنوں میں دو بول نکاح کے پڑھا دیں گے۔"



مرغیوں کو دانہ ڈالتے ابرار کے ہاتھ سے سارے دانے ایک ساتھ گرے۔۔۔ ساری مرغیاں پر پھڑپھڑاتی ایک ساتھ لپکیں۔ ابرار نے بے یقینی سے ماں کو دیکھا۔ وہ تھکے تھکے انداز میں چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔

"بشریٰ سے؟"

"ہاں تیرا تایا کہتا ہے" جمیلہ کے لہجے سے صاف لگتا تھا۔ کہ وہ بھی دل سے راضی نہیں۔

"تایا جو مرضی کہتا رہے۔ لیکن ابھی مجھے ان جھنجٹوں میں نہیں پڑنا۔"

"تیرا تایا ناراض ہو گا بلو۔"

"تو ہوتا رہے۔۔۔ وہ کون ہوتا ہے میرے بارے میں فیصلہ کرنے والا۔۔۔ اور اماں تجھے ان کے پریشر میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے ابھی پڑھنا ہے' بہت کچھ کرنا ہے۔ اور بشریٰ سے شادی۔۔۔ جس لڑکی نے ساری عمر میری ماں کی عزت نہیں کی۔ اسے اپنی بیوی بنالوں۔۔۔ وہ تجھے چارپائی پر بٹھا کر نہیں کھلائے گی۔۔۔ ساری زندگی چاچی نے تجھے اور مجھے دو کوڑی کی حیثیت نہیں دی۔۔۔ اب بیٹی کا رشتہ دے رہی ہے۔۔۔ نو وے۔۔۔ کسی صورت نہیں۔ میری طرف سے صاف انکار ہے۔"

وہ تن فن کرتا باہر نکل گیا۔

جمیلہ نے تھکے تھکے انداز میں اسے جاتے دیکھا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ گھر میں اس وقت کوئی نہ تھا۔ وہ کبریٰ اور اصغر کے ردعمل کا سوچ کر اندر ہی اندر سہم گئی۔



"دیکھ خالہ! صاف صاف کہہ رہا ہوں۔ میرا یہ کام کروانا ہے۔ لیکن اگر گھر جا کر میرا نام لیا تو سچ کہتا ہوں میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔"

ماسی زبیدہ ہنس دی۔۔۔ نعمان کی بے تابی وہ ایک ہی نظر میں بھانپ گئی تھی۔ رشتے کروانے کے سلسلے میں ماسی زبیدہ کا نام اس محلے میں خاصا معتبر جانا جاتا تھا۔

"لڑکی والوں کی طرف سے انکار نہیں ہو گا۔ یہ تو گارنٹی ہے۔ ماسٹرنی کئی دفعہ مجھے عائشہ کے رشتے کے لیے کہہ چکی ہے۔ اچھی بھلی لڑکی ہے۔ پھر بھی دیر ہوئی جا رہی ہے۔ اب تیرے گھر والوں کا کیا ارادہ ہے۔"

"خالہ! اسی لیے تو تجھ سے بات کی ہے۔ میں خود گھر میں عائشہ کا نام لوں تو اماں تو کسی اور طرف ہی لے جائے گی۔ اسی لیے کسی بہانے اس کی توجہ اس طرف دلا۔"
"ٹھیک ہے میں کل عائشہ کے لیے کچھ لوگوں کو لے کر جا رہی تھی۔۔۔" اس نے دانستہ جھوٹ بولا۔
"خبردار۔۔۔ خبردار خالہ! جو وہاں کسی کو لے کر گئی۔" نعمان نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ پھر جیب سے پانچ سو نکال کر اسے تھمائے۔
"بس۔۔۔؟ ان سے کیا ہو گا؟"
"تو رشتہ تو کروا، تیرے گھر سودا مفت ڈال دیا کروں گا۔"
"چل پھر ٹھیک ہے۔۔۔ ابھی تو ایک کلو چینی اور ایک کلو چاول دے دے۔" خالہ نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا۔
"بس شروع ہو گئی۔" نعمان ہنسا۔ "اوئے چھوٹے! یہ خالہ کو چینی اور چاول نکال دے ایک ایک کلو۔"
تب ہی حمیدہ سر پر چادر ڈالے کچھ سودا ہاتھ میں پکڑے اندر داخل ہوئی۔
"خالہ! کھسک لے سودا تیرے گھر پہنچا دوں گا۔" نعمان نے آہستگی سے کہا۔۔۔ تو وہ حمیدہ کو سلام دعا کرتی چلی گئی۔
"یہ تمہارے پاس کھڑی کیا کر رہی تھی؟" حمیدہ نے حیرت سے پوچھا۔
"رات والے ڈرامے کی اسٹوری سنا رہی تھی۔ حد کرتی ہو اماں! اسٹور چلاتا ہوں لوگ یہاں سامان خریدنے آتے ہیں۔۔۔ تو بتا کیسے آئی؟"
"میں تو بازار سے آ رہی تھی۔۔۔ سوچا۔۔۔ گھر میں کچھ سامان ختم تھا، تجھ سے کہتی جاؤں۔"



عریشہ نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا۔ اور مطمئن ہو کر مسکرا دی۔ ڈھکی ہوئی پلیٹ اٹھائی۔ دال صاف کرتی عادلہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
"کدھر؟"
"ثوبان کو کھیر دینے" وہ ذرا دیر کو رکی۔
"صرف ثوبان کو۔" عادلہ کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ وہ ایک لمحے کو ٹھٹک گئی۔
"جی۔ اسے آپ کے ہاتھ کی کھیر بہت پسند ہے نا اس لیے۔"
"ہاں۔۔۔ جاؤ۔۔۔" عادلہ نے کہا تو وہ تیزی سے کھسک گئی۔ عادلہ نے دال کا تھال ایک طرف رکھ دیا۔ ان کے ماتھے پر تفکر کی لکیریں بہت گہری ہوئی تھیں۔
"یہ کس راہ پر قدم رکھ دیا ہے عرشی۔" انہوں نے دیوار سے سر ٹکا دیا۔ ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ بیتی ہوئی زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ تنگ نظر، تنگ ذہن اور خود غرض لوگوں میں زندگی گزارنا گویا دنیا میں پل صراط سے گزرنے کے مترادف ہے۔ وہ اس پل صراط سے گزر رہی تھیں۔
"لیکن عریشہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ وہ نہیں۔۔۔" وہ فیصلہ کر کے اٹھیں اور فون کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کی انگلیاں نبیلہ کا نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔



پلیٹ تقریباً "پٹخنے" والے انداز میں رکھی گئی تھی۔ ثوبان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
"یہ کیا ہے؟"

"کھیر ہے۔"
ثوبان نے پلیٹ اٹھا کر دیکھا۔
"کھیر تو میٹھی ہوتی ہے اور تم تو یوں کھڑی ہو گویا کریلے چبا کر آئی ہو۔"
"آپ کو تو اتنا بھی یاد نہیں ہو گا کہ کسی کو منانا ہے۔" وہ روٹھے روٹھے انداز میں بولی
"کس کو۔۔۔؟" ثوبان کے اس قدر انجان انداز پر عریشہ کو غصہ آ گیا۔
"میں آپ سے ناراض تھی۔"
"اوہ۔۔۔ اور اب خود ہی منانے چلی آئیں۔"
"آپ کو کوئی حق نہیں، میری انسلٹ کرنے کا۔" ثوبان کے مذاق اڑاتے انداز پر عریشہ کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ وہ تیزی سے پلٹنے کو تھی۔ ثوبان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"بالکل پاگل ہو۔"
"مجھے جانے دیں۔"
"جاؤ۔۔۔ ویسے یہ گلابی رنگ تمہیں بہت سوٹ کرتا ہے۔"
عریشہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر مسکراہٹ چھپانے کو رخ موڑ گئی۔
"چلتی ہوں۔"
ثوبان نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ عریشہ دروازے تک جا کر پلٹی۔
"ویسے۔۔۔ یہ گلابی نہیں، کاسنی رنگ ہے۔"
وہ شرارت سے کہہ کر چلی گئی۔ ثوبان نے ہنس کر اپنے سر پر چپت لگائی۔



ابرار بیرونی دروازے سے ابھی اندر آیا ہی تھا جب بشریٰ تیر کی طرح اس کے سامنے آئی۔ ابرار کو رکنا پڑا۔ وہ سامنے کھڑی خونخوار تیوروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"رستہ چھوڑو۔" ابرار نے سنجیدہ انداز میں کہا۔
"تم نے مجھ سے شادی سے انکار کیا ہے۔"
"ہاں۔۔۔" وہ جو چند قدم آگے چلا گیا تھا۔ طویل سانس لے کر پلٹا۔
"اگر مجھے اتنی سی امید ہی ہوتی کہ تم کل کو میری ماں کو چارپائی پر بٹھا کر اس کی خدمت کرو گی۔۔۔ یا میری عزت کرو گی۔۔۔ تو میں اقرار کرنے میں ایک منٹ نہیں لگاتا۔"
"خدمت۔۔۔ خدمت کرتی ہے میری جوتی۔۔۔ تمہاری اوقات کیا ہے؟"
ابرار نے بڑے تحمل سے سامنے کھڑی غصے میں بھڑکتی آگ کو دیکھا۔
"وہی جو تمہاری ہے، ہم دونوں ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔"
"میں بھی تم سے شادی کے لیے مری نہیں جا رہی۔ اس گاؤں میں دس گھر ایسے ہیں۔ جو مجھے بہو بنانا چاہتے ہیں۔" وہ تڑخ کر بولی۔
"تو ان ہی میں سے کوئی انتخاب کر لو اور میری جان چھوڑو۔" وہ قطعی لہجے میں کہہ کر صحن اور برآمدہ عبور کر کے اندر آیا۔ اور ٹھٹک کر رک گیا۔
کمرے میں موجود تینوں افراد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہاں ایک مانوس سی خاموشی بکھری تھی وہی خاموشی جو کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ابرار کے لیے نہ یہ خاموشی نئی تھی اور نہ اس کے بعد اٹھنے والا طوفان۔

"ایسے احسان فراموش ہر تم ماں پتر۔" اصغر کی سرسراتی آواز خاموشی کو چیرتی چلی گئی۔
"اچھا... کون کون سے احسان کیے ہیں آپ نے؟" ابرار کی ہلکی سی طنزیہ ہنسی نے اصغر کو بھڑکا دیا۔
"بکواس بند کرا دے۔"
"بکواس نہیں کررہا۔ ان احسانات کی فہرست دریافت کررہا ہوں۔ جو اب تک آپ نے ہم ماں بیٹے پر لیے۔" ابرار نے چبا چبا کر کہا۔ جمیلہ بے اختیار اٹھ کر اس کے قریب آئی۔
"بلو۔"
"دیکھ... دیکھ اس کے تیور... چار جماعتیں کیا پڑھ لیں... چاچے کے منہ کو آرہا ہے۔ دفع دور۔ ہم نے ایسے بے دید' بے لحاظ کو کیا کرنا ہے۔" کبریٰ نے حسب عادت واویلا شروع کیا۔ جب مقصد ہی پورا نہیں ہو رہا تو مصلحت سے کام لینے کا فائدہ کیا؟
"میں بے دید' بے لحاظ ہوں۔ تم لوگ کیا ہو...؟ اور چاچا! تم جو احسانات گنوا رہے ہو۔ آج اس کا حساب بھی ہو جائے... میری ماں اس گھر میں نوکرانیوں کی طرح کام کرتی ہے... دودھ بیچ کر اپنا گزارہ کرتی ہے... میری فیس جمع ہونی ہو تو گاؤں کی اس گلی سے شروع ہوتی تھی ادھار مانگنا... تو نے آج تک میرے لیے کیا ہی کیا ہے؟ اس زمین میں میرے باپ کا بھی حصہ ہے... حق ہے میرا... اور یہی حق نہ مانگ لوں... تم نے آج تک یتیم سمجھ کر بھی میرے سر پر ہاتھ نہیں رکھا۔"
"میں تیرا منہ توڑ دوں گا... بے غیرت..." اصغر لپکا... جمیلہ لپک کر دونوں کے بیچ آگئی۔
"نہ بھائی اصغر... یہ تو ایسے ہی بول گیا... پھر اس نے انکار تو نہیں کیا۔ بس وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔"
"اماں! تو آس کیوں دلا رہی ہے... آج نہ کل' مجھے بشریٰ سے شادی کرنا ہی نہیں۔" ابرار کا لہجہ دوٹوک اور صاف تھا... اصغر کا ہاتھ اٹھ گیا... پہلا تھپڑ ابرار نے بے دھیانی میں کھایا تھا۔ دوسری بار اصغر کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"بس چاچا! اور نہیں..."
"نکل... ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکل..."
"ٹھیک ہے' جا رہا ہوں..."
وہ ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا... جمیلہ جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی۔ کبریٰ نے اسے نفرت سے دیکھا۔
"تیری کرنی کا پھل ہے... بیٹے کو کتابیں تو پڑھا دیں... دو لفظ تمیز کے بھی سکھا دیتی۔"
اصغر باہر نکل گیا تھا... کچھ لمحوں کے بعد وہ بیگ میں اپنے ڈاکومنٹس اور کپڑے ڈالے آیا۔ تو جمیلہ اسی جگہ بت بنی تنہا بیٹھی تھی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
"اماں۔" ابرار کی پکار پر وہ یوں چونکی جیسے کسی خواب سے جاگی ہو۔
"اماں! میں مصلحت سے کام لیتے لیتے تھک گیا ہوں... اس لیے جا رہا ہوں... لیکن بہت جلد واپس آؤں گا۔"
"بہت اندھیرا ہے بلو۔" اس کے لب تھرتھرائے۔
"چھٹ جائے گا... میں جانتا ہوں اماں' تمہیں مشکل حالات میں چھوڑ کر جا رہا ہوں... مگر تم ہمت نہ ہارنا..."
"اسے کیوں چھوڑ کے جا رہا ہے' اسے بھی ساتھ لے کر جا۔" کبریٰ دروازے میں آکھڑی ہوئی۔ ابرار نے اسے سلگتی آنکھوں سے دیکھا اور جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔
"اماں یہیں رہے گی۔ تب تک جب تک میں کوئی ٹھکانا نہیں بنا لیتا۔ کیونکہ جتنا حق تیرا اس گھر پر ہے' اتنا ہی میری ماں کا بھی ہے... اماں! حوصلے سے رہنا۔" اس نے ماں کے سر پر ہاتھ رکھا اور تیزی سے باہر نکل

گیا۔۔۔ روتے روتے جمیلہ بے حال ہو گئی۔ اس کے لبوں پر ایک ہی جملہ بار بار ٹوٹ رہا تھا۔
"باہر بہت اندھیرا ہے پتر۔"



حمیدہ نے سرتاپا ماسی زبیدہ کا جائزہ لیا۔
"نہ تجھ سے کس نے کہا۔ تو میرے نعمان کے لیے رشتہ ڈھونڈتی پھر۔ مجھے رشتہ کرنا ہوتا تو خود تجھ سے کہتی۔"
"ارے، مجھ سے کس نے کہنا ہے۔ وہ ماسٹرنی صاحبہ نے کہا کہ بیٹی کے لیے رشتہ دیکھ لو۔ میرے ذہن میں نعمان کا خیال آیا تو تمہاری صلاح لینے آ گئی۔۔۔ آخر تم نے بیٹوں کی شادیاں کرنا ہیں کہ نہیں۔"
"نہ میں ان کی شادی کروں نہ کروں، تجھے کیا تکلیف ہے؟" وہ چمک کر بولیں۔
"حمیدہ ایک تو تو غصہ بہت کرتی ہے۔ بڑی اچھی لڑکی ہے۔ استانی ہے بیس ہزار تنخواہ۔۔۔"
"بات سن زبیدہ! میں ایک استانی سے بھر چکی۔۔۔ دوسری سر پر لانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔۔۔ ماسٹرنی سے کہو اپنی بیٹی کے لیے کوئی اور گھر دیکھے۔ میرا دماغ خراب ہے۔۔۔ ابھی سے لڑکے بیاہ دوں، وہ لگ جائیں اپنی بیویوں کے چوچلوں میں۔۔۔ اور حمیدہ ہاتھ ملتی رہ جائے۔ اور یہ نعمان، یہ تو پہلے ہی قابو نہیں آتا۔"
زبیدہ مایوس سی ہو کر بیٹھ گئی۔۔۔ یہاں تو کوئی لفٹ ہی نہ تھی۔ نعمان کا ڈر نہ ہوتا تو صاف بتا دیتی لڑکے کی مرضی ہے۔
"اچھا سن زبیدہ۔۔۔ نعمان کی تو میں بعد میں کروں گی، پہلے تو میری مریم کے لیے کوئی رشتہ دیکھ۔"
"حمیدہ بیگم! میں کہاں سے دیکھوں۔ تیری طرح سب اپنے اپنے لڑکے بغل میں دبائے بیٹھی ہیں۔۔۔ رشتہ دیکھ۔۔۔" زبیدہ نے ناک کروار کیا اور بکتی جھکتی چلی گئی۔
حمیدہ ہیں۔۔۔ ہیں کرتی رہ گئیں۔



"سچ سچ بتا رہی ہوں۔ تمہاری ماں کا کوئی ارادہ نہیں۔ اگلے چار پانچ سال تک تمہاری شادی کا۔" زبیدہ پھر سے دکان پر آئی بیٹھی تھی۔
"تم نے بات چھیڑی تھی۔"
"ہاں تو اور کیا؟ پر وہ تو کوئی بات سننے کو ہی تیار نہیں۔ اب ایک کام کر، خود بات کر لے۔" نعمان نے پریشانی سے سرہلایا۔
"میں اماں کو تجھ سے زیادہ جانتا ہوں خالہ۔۔۔ عائشہ میری پسند ہے، یہ سن کر وہ ویسے ہی ہتھے سے اکھڑ جائے گی۔ اچھا خالہ! مجھ سے وعدہ کر۔ تو عائشہ کے لیے ابھی کوئی رشتہ نہیں دیکھے گی۔۔۔ میں کچھ کرتا ہوں۔"
"دیکھ بیٹا! میری اپنی پانچ بیٹیاں ہیں۔ کسی کی بیٹی کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتی۔۔۔" زبیدہ نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ نعمان نے جیب میں ہاتھ ڈالا ہزار کا نوٹ نکال کر زبردستی اس کی مٹھی میں تھما دیا۔
"چل۔۔۔ تیری خاطر کچھ عرصہ رک جاتی ہوں" پیسے دیکھ کر وہ اپنی پانچ بیٹیاں بھول گئی۔ "پر زیادہ دیر نہ کرنا۔ ماسٹر صاحب ریٹائرڈ ہو رہے ہیں۔ اور اس سے پہلے پہلے لڑکی کی شادی کر کے جانا چاہتے ہیں۔"
"خالہ! کرتا ہوں کچھ۔۔۔ تو گھر جا، میں کچھ راشن بھی بھجواتا ہوں۔"
خالہ سرہلا کر چلی گئی۔۔۔ نعمان کچھ دیر بیٹھا رہا۔ لیکن پھر اسٹور میں دل نہیں لگا تو اٹھ گیا۔۔۔ قدم خود بخود عائشہ کے گھر کی طرف بڑھے تھے۔ مگر پھر عائشہ کی بات یاد آ گئی۔۔۔ تو مایوسی سے پلٹ گیا۔



"بس نبیلہ! لڑکا ہی نہیں، اس کی فیملی بھی پڑھی لکھی اور روشن خیال ہو۔ اس سے زیادہ کی ہوس نہیں۔ ۔۔۔ یہ نصیب میں ہو تو مل ہی جاتا ہے۔"
وہ دروازے میں ہی رک گئیں۔ عادلہ کی دروازے کی طرف پشت تھی۔
"وہ بہت بے وقوف ہے۔ خوبصورت لہجوں میں چھپے تصنع اور بناوٹ کو محسوس ہی نہیں کر پاتی۔ ظاہر کو سچ سمجھتی ہے۔ باطن میں جھانکنے کی صلاحیت نہیں ہے اس میں۔"
(اچھا۔ تو یہاں یہ چل رہا ہے۔ دیکھتی ہوں کیسی کرتی ہو عریشہ کی شادی کہیں اور) حمیدہ بھول گئیں کہ وہ یہاں کس کام سے آئی تھیں۔ منہ پر ہاتھ پھیرتی پلٹ گئیں۔
"ٹھیک کہا۔ کم عمر ہے۔ اور ان باتوں کو سمجھنے کے لیے اک عمر درکار ہوتی ہے۔"
"سنا تم نے برکت حسین! وہ تمہاری بھاوج کیا کرتی پھر رہی ہے۔" انہوں نے سیدھا بیٹھک میں انٹری دی۔ برکت حسین نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں دیکھا۔
"صبح سے نہ چائے کا پوچھا، نہ روٹی پانی کا۔ اور آگئی ہے بھاوج کی شکایت لے کر۔"
"اس عمر میں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہ آنا۔ تین پیالیاں تو ابھی تک تمہاری چارپائی کے نیچے پڑی ہیں۔"
"ہاں تو اس گھر کی عورتیں ہی نحوست ماری ہیں۔ مجال ہے جو کبھی گندے برتن اٹھا کر لے جائیں۔" انہوں نے کھسیا کر کہا۔
"صاف کہو حمیدہ بیگم ساری نحوست تیری ہے۔ مجھے گھر سے نکال دو اس گھر میں برکت ہی برکت بچے گی۔"
"ہر وقت چخ چخ، کل کل۔ کبھی آپ لوگ تحمل سے بات نہیں کر سکتے۔" نعمان ابھی ابھی لوٹا تھا۔ ان کی تکرار سن کر مزاج برہم ہو گیا۔ "باہر تک آوازیں آرہی ہیں۔"
"ایسا کر ایک ایک سیخ ہم دونوں کے گلے میں ٹھونک دے۔ ہمیں کھلا رہا ہے نا کما کے، اسی لیے رعب دکھا رہا ہے۔" وہ حمیدہ ہی کیا جو کسی سے دب جائیں۔
"یہاں تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" وہ تن فن کرتا اندر گھس گیا۔
"میرا تو ساری زندگی سہیں کیا۔ کم از کم بیٹے کا لحاظ تو کر لیا کر۔ جوان خون ہے۔" برکت حسین نے سمجھانا چاہا۔
"سب پتا ہے۔ یہ جوان خون کیوں ابل رہا ہے۔ شادی کی ہڑک اٹھی ہے۔"
"ہاں تو کر دے۔ اٹھائیس انتیس کا تو ہو ہی گیا ہے۔"
"جس کا ابھی سے یہ حال ہے۔ بعد میں ہمارے ساتھ کیا کرے گا۔"
"اچھا۔ تو آئی کیا کرنے تھی" برکت حسین نے بے زاری سے پوچھا۔ تو حمیدہ کو یاد آیا۔ قدرے قریب کھسکیں۔
"اوں ہوں۔ کیا اوپر چڑھی آرہی ہے۔ ذرا دور ہو کے بیٹھ۔"
"تیرے قریب بیٹھنے کو تو کبھی جوانی میں دل نہیں کیا۔ اب کیا خاک بیٹھوں گی۔"
"کام کی بات کر۔"
"تیری بھاوج عریشہ کا رشتہ ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔"
"ہاں تو اس کی لڑکی ہے۔ رشتہ نہیں کرے گی۔"
"بڈھا سٹھیا گیا ہے۔ عریشہ باہر نہیں جائے گی، یہ مکان اور دکان باہر جائے گی۔ اور وہ مال بھی جو اس کی ماں نے

جمع کر رکھا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے۔"

"نقصان ہی نقصان ہے برکت حسین۔"

"ہاں تو اسے گھر میں دو جوان جہان لڑکے نظر نہیں آتے۔ کہو تو عادلہ کو بلا کر بات کروں۔"

"کوئی فائدہ نہیں۔ وہ بڑی اونچی ہواؤں میں ہے۔ اور تمہاری بہن بھی اس کے ساتھ ملی ہے، وہی عریشہ کا رشتہ ڈھونڈ رہی ہے۔"

"سچ کہو۔"

"قسم سے۔ لیکن تم فکر نہ کرو، میرا نام بھی حمیدہ ہے۔ ہمارے ہاتھ عادلہ آئے گی نہیں لیکن میں یہ بات خود عریشہ کے منہ سے کہلواؤں گی۔ گھر کی جائیداد باہر نہیں جانے دوں گی تمہارے مرحوم بھائی کی کمائی ہے۔ کوئی اپنے میکے سے نہیں لائی تھی۔ پہلا حق میرے بیٹوں کا ہے۔"

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔ سازشی تو تو پہلے ہی ہے۔ کچھ نہ کچھ کر ہی لے گی۔"

برکت حسین نے تعریف بھی یوں کی کہ وہ غصے سے دیکھتی اٹھ گئیں۔

"ارے۔ یہ پیالیاں تو لیتی جا۔"



"ویسے مام! میں دیکھ رہا ہوں جب سے طیبہ بھابھی گئی ہیں۔ آپ اچھی خاصی فٹ فاٹ ہو گئی ہیں۔" محسن نے عقب سے انہیں کندھوں سے تھاما۔

"فضول مت بولو۔" نبیلہ ہنس دیں۔ آج اس کی فرمائش پر چائنیز بنا رہی تھیں۔

"ایسا ہی ہوتا ہے۔ گھر سے ٹینشن رخصت ہو جائے تو انسان بالکل ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔" وہ شرارت سے کہتا گاجر اٹھا کر کھانے لگا۔

"محسن! تم مار کھاؤ گے۔"

"آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ آپ دوسری ٹینشن گھر لے آئیں۔"

"تم فاطمہ کو ٹینشن کہہ رہے ہو؟"

"کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو اس کے آنے کے بعد ہی پتا چلے گا رحمت ہے یا زحمت۔"

"خیریت، آج بہانے بہانے سے فاطمہ کو کیوں یاد کیا جا رہا ہے۔"

"کیونکہ آپ منگنی کر کے بھول گئی ہیں۔ اور مجھ سے آپ کا اکیلا پن دیکھا نہیں جا رہا۔"

"میرا یا اپنا۔" وہ ہنس دیں۔

"دونوں کا۔"

"بے وقوف ابھی منگنی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔" انہوں نے شملہ مرچ اٹھائی۔

"کیا شرط ہے کہ سال پورا ہونے سے قبل شادی کی بات نہیں ہو سکتی۔؟" محسن نے کان کھجاتے ہوئے کہا۔

نبیلہ نے اسے گھورنا چاہا۔ پھر مسکرا دیں۔

"تم خوش ہو محسن! میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کر دی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ آئی ایم ہیپی۔"

"تو ٹھیک ہے۔ میں جلد ہی جا کر شادی کی تاریخ طے کر دیتی ہوں اور فاطمہ کو بتاؤں گی کہ میرے بیٹے سے اب صبر نہیں ہو رہا۔"

محسن ہنس کر اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔



"تم تو عجیب بات کر رہے ہو نعمان بیٹا۔" آمنہ خاتون نے پریشان ہو کر نعمان کو دیکھا۔ عائشہ دروازے میں ہی رک گئی۔

"مجھے صرف تھوڑا سا وقت چاہیے۔ خالہ۔ فاطمہ کی تو بات طے ہے۔ چند ماہ میں شادی بھی ہو جائے گی۔ بس مریم رہ جاتی ہے۔ میں آپ کو بہت لمبا انتظار کرنے کو نہیں کہہ رہا۔ ایک دو سال کی بات ہے۔" اس نے بے حد آس سے آمنہ خاتون کو دیکھا۔

"جوان بیٹی کے ماں باپ پر ایک ایک دن بھاری ہوتا ہے۔ بیٹا! تم سالوں کی بات کرتے ہو۔" انہوں نے اک طویل سانس لے کر کہا۔

"خالہ۔" نعمان کھڑا ہو گیا۔ "میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا۔ عائشہ آپ کی بیٹی ہے۔ آپ لوگ اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا اختیار رکھتے ہیں۔ صرف اک آس کی ڈور تھام کر آپ کے پاس آیا تھا۔"

"بیٹا! زندگی مفروضوں پر تو نہیں گزرتی۔ اگر دو سال تک تمہارا ذہن بدل جائے۔ یا تمہارے گھر والوں کی مرضی کہیں اور ہو تو۔"

"خالہ! میں نے زندگی میں کبھی کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔" خالہ کی طرف بغیر دیکھے نعمان نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "ولیکن میں عائشہ کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ٹھیک ہے۔ میں آپ کو انتظار کرنے کو نہیں کہوں گا۔ اگر وہ میرے نصیب میں ہوئی تو دنیا کی کوئی طاقت اس راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔" اس کا مدھم لہجہ عائشہ کے دل میں گھر کر گیا۔

(اور اللہ کرے' وہ تمہارا ہی نصیب ہو۔)

آمنہ خاتون کے دل سے دعا نکلی۔

نعمان تیزی سے باہر نکلا۔ عائشہ کو ہٹنے کا موقع نہیں ملا۔ دونوں کی نگاہ ایک دوسرے سے ٹکرائی۔

"میرا انتظار نہیں کر سکتیں' دعا تو کر سکتی ہو۔ یا اس قابل بھی نہیں؟" عائشہ کی نگاہ جھک گئی۔ ہلکا سا مسکرا کر بے اختیار اثبات میں گردن ہلا دی۔

نعمان کو گویا دونوں جہاں کی دولت مل گئی۔ مسرور سا گھر سے نکل گیا۔

ہمسائیوں کے گھر سے نکلتی حمیدہ کے قدم اپنی جگہ پر جم کر رہ گئے۔ نعمان تو اپنی دھن میں آگے چلا گیا۔ مگر حمیدہ کی نگاہ نے دور تک پیچھا کیا۔ اس کی چال کی سرشاری حمیدہ سے چھپی نہیں رہی تھی۔

انہوں نے آگ برساتی نظروں سے ماسٹر صاحب کے گھر کی طرف دیکھا۔

"اچھا تو یہ چکر چل رہا ہے۔"

حمیدہ کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ جو کچھ دیکھا تھا' کسی صورت قابل قبول نہیں تھا۔ نعمان اپنی دھن میں سرشار آگے چلا گیا تھا' انہیں لگا۔ دور نہیں جا رہا' ان کے ہاتھوں سے نکل رہا ہے۔ انہوں نے شرربار نگاہوں سے ماسٹر صاحب کے گھر کی طرف دیکھا۔ دل میں ابلتے غبار پر قابو پانا ان کی فطرت نہ تھی۔ مگر بروقت عقل نے ہاتھ تھام لیا۔ تب ہی کچھ سوچ کر خاموشی سے گھر آ گئیں۔



"یہ یتیم خانہ ہے نہ مسافر خانہ۔ کہاں ٹھہرے گا' جگہ ہے اس ڈبی جیسے گھر میں؟"

حمیدہ کی پاٹ دار آواز ڈیوڑھی میں گونج رہی تھی۔ عریشہ نے ذرا سا جھانک کر دیکھا۔ تایا اور تائی دونوں چونچیں لڑا رہے تھے۔ تایا نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے۔

"یا اللہ! اس عورت کو سب کچھ دیا تھا۔ ایک زبان نہ دیتا تو کیا ہو جاتا۔"

"اب کاٹ دو۔۔۔۔ تمہاری بھی تو زبان کی جگہ تلوار ہی فٹ ہے۔"

"اب وہ رات کو آ گیا تھا تو میں کیا گھر سے نکال دیتا۔ میری سگی چچا زاد بہن کا بیٹا ہے۔"

"ساری زندگی تو اس بہن کا نام نہیں سنا اب یہ بیٹا ٹپک گیا۔۔۔۔ عادلہ کی طرف بھجوا دو۔۔۔۔ ادھر کمرے ہیں۔"

"کیسے بھجوا دوں' گھر میں مرد نہیں جوان لڑکی۔" وہ بدبدائے۔

"میرے گھر میں دو دو جوان لڑکیاں ہیں۔ بڑھاپے میں تمہارا دماغ بالکل ہی کھسک گیا ہے۔"

"ہاں تو تو ابھی بھی سولہ سال کی چھمک چھلو ہے۔ کہہ دیا میں نے اب آ گیا ہے تو یہیں رہے گا۔" تایا نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔ ایسا لہجہ جس کے بعد حمید کی بولتی بند ہو جاتی تھی۔

عریشہ کچھ سمجھی' کچھ نہ سمجھی۔ بس خاموشی سے کھسک لی۔ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی۔ کمرا خالی تھا' باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ رائٹنگ ٹیبل کے پاس آ گئی۔ کمپیوٹر کے پاس رکھے جرنل کے صفحات ہوا سے پھڑپھڑا رہے تھے۔ عریشہ کو شرارت سوجھی۔ اس نے ہولڈر سے پین نکالا اور نچلا لب دباتے ہوئے لکھنے لگی۔ لکھ کر پین درمیان میں رکھ کر جرنل بند کر دیا۔ کچھ دیر کمپیوٹر کو چھیڑتی رہی' پھر اکتا کر واش روم کے دروازے کی طرف دیکھا۔ غالباً" ثوبان نہا رہا تھا اور وہ نہانے میں کتنی دیر لگاتا ہے' عریشہ اچھی طرح جانتی تھی تب ہی مایوس ہو کر کمرے سے نکل گئی۔

پانچ منٹ کے بعد ابرار تولیہ سے سر رگڑتا باہر نکلا۔ نہا کر طبیعت ہلکی پھلکی ہو گئی تھی' ورنہ پوری رات طبیعت بے چین اور سر بوجھل رہا۔ بار بار ایک ہی سوال بے چین کر رہا تھا۔ وہ جس طرح وہاں سے نکلا۔۔۔۔ جس طرح ماں کو تنہا چھوڑ آیا تھا۔۔۔ کیا وہ ٹھیک تھا۔۔۔ دل بے چین تھا مگر دماغ کہتا تھا یہی وقت کا تقاضا تھا۔

اس نے تولیہ کرسی پر پھیلایا۔ بال بنا کر کمپیوٹر کے سامنے آ بیٹھا۔ اسے ایڈمیشن کے سلسلے میں مختلف کالجز اور یونیورسٹی کی معلومات درکار تھیں۔ اس نے کمپیوٹر آن کیا اور سامنے پڑا جرنل کھولا تو چونک گیا۔

تم سے جب بات نہیں ہوتی کسی دن جانم
ایسے چپ چاپ گزرتا ہے یہ سنسان سا دن
ایک سیدھی سی بڑی لمبی سڑک پر جیسے
ساتھ چلتا ہوا روٹھا ہوا ساتھی کوئی
منہ پھلائے ہوئے ناراض سا' خاموش' اداس
اور جب ملتا ہوں ہنس پڑتا ہے یہ روٹھا دن
گدگدا کر مجھے کہتا ہے' کہو کیسے ہو؟

ثوبان عجلت میں اندر آیا

"ابرار! پھر میرے ساتھ چل رہے ہو؟" ابرار نے چونک کر ثوبان کو دیکھا

"جی میں آپ کے ساتھ ہی چل رہا ہوں۔" وہ کھڑا ہوا' پھر مسکرا کر رک گیا۔

"لیکن پہلے کسی کو اپنا حال تو بتا دیں۔۔۔۔"

اپنی چیزیں اٹھاتے ہوئے ثوبان نے اسے دیکھا۔ ابرار نے شرارت سے جرنل پر انگلی بجائی۔

"یقیناً" یہ نظم میرے لیے نہیں ہے۔ مجھے تو یہاں آئے ایک ہی رات ہوئی ہے اور پہلے یہ نظم یہاں لکھی بھی

''یں گئی تھی۔''
ثوبان نے آگے بڑھ کر وہ نظم کو پڑھی اور مسکرا دیا۔
''ہاں ہے اک خبطی سی لڑکی۔''
''صرف آپ کے لیے خبطی ہے یا آپ بھی ہیں؟''
ثوبان نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا تو اس نے معذرت خواہانہ انداز میں دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔
''سوری! میں کچھ زیادہ ہی پرسنل ہو گیا۔''
''تمہاری زندگی میں کوئی لڑکی ہے؟'' ثوبان اپنا جواب گول کر گیا۔
''چھوڑیں ثوبان بھائی! ابھی تو غم روزگار میں الجھنے کے دن ہیں۔'' ابرار نے جھینپ کر سر جھکا تو ثوبان بے ساختہ
ہنسا۔
''چلو پھر نکلتے ہیں۔''
ابرار نے جرنل بند کیا۔ دونوں ایک ساتھ باہر نکل گئے۔



برکت حسین وضو کر کے باہر نکلے تو چارپائی پر لیٹی حمیدہ کو دیکھ کر ذرا سے چونک گئے۔ وہ صحن میں بچھی چارپائی پر منہ پر دوپٹہ ڈالے لیٹی تھیں۔
''مریم..... مریم!''
مریم اندر سے دوپٹہ سر پر لیتی تیزی سے نکلی۔ ''جی ابا!''
''یہ اپنی ماں کو دیکھنا..... زندہ تو ہے۔'' وہ آستین نیچی کرتے عام سے انداز میں بولے۔
''جی.....'' مریم ہکا بکا ان کا منہ دیکھنے لگی۔
''کافی دیر سے اس کی آواز نہیں سنی۔ اس لیے پوچھ رہا ہوں۔'' وضاحت کی گئی۔
مریم مسکراہٹ دباتی دوبارہ اندر گھس گئی۔ حمیدہ بیگم دوپٹے کے نیچے کچھ بڑبڑائی ہوں تو بظاہر ٹس سے مس نہیں۔ برکت حسین کو تشویش ہونے لگی۔ تب ہی پاس آکر پوچھنے لگے۔
''تیری کیا قینچی گم ہو گئی ہے؟''
''گم کہاں ہونی ہے مشین میں پڑی ہو گی۔'' حمیدہ سمجھ تو گئیں مگر آج کچھ اور ہی موڈ میں تھیں۔
''میں نے کہا طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' وہ کچھ اور بے چین ہو گئے۔ حمیدہ نے منہ سے دوپٹہ ہٹا کر خشمگیں نگاہ شوہر کو گھورا۔
''میں نے کہا برکت حسین جا..... مسجد جا کے اللہ کے سامنے معافی مانگ..... تیرے بھی کوئی گناہ بخشے جائیں۔''
''جا رہا ہوں۔ تجھے میرے گناہوں کی بڑی فکر ہے۔ شوہر کے آگے زبان چلانے والی عورت جہنمی ہوتی ہے۔''
حمیدہ نے دوبارہ پلو منہ پر ڈال لیا۔ وہ بڑبڑاتے چلے گئے۔ اوپر سے ابرار سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا۔ حمیدہ اس کی آہٹ پر بدک کر اٹھیں۔
''کہیں جا رہے ہو؟''
''جی۔'' ابرار کو حمیدہ اور کبریٰ کے رویے میں زیادہ فرق محسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ وہ کو اس کا یہاں رکنا برا لگا ہے مگر کچھ عرصہ یہاں ٹھہرنا ابرار کی مجبوری تھی۔
''یہ مجھے بیس روپے کا دہی بھی لا دے۔'' حمیدہ نے پلو سے پیسے کھول کر اسے تھمائے۔
''جی.....؟''

"ٹھہرجا کٹوری لا کر دیتی ہوں۔" وہ بھاری وجود سنبھالتے اٹھیں۔ کچن سے لا کر کٹوری بھی اسے تھما دی وہ بے چارہ جز بز ہو کر مڑا گلی میں کھیلتے بچے کو بھیج کر دہی منگوائی واپس آیا تو حمیدہ نہیں تھیں۔
"مامی!" اس نے صحن ہی سے آواز دی اندر جانا مناسب نہ سمجھا کٹوری چارپائی پر رکھنے کا سوچا تو دیوار پر بیٹھی بلی کو دیکھ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔
"مامی' یہ دہی......"
اندر سے عریشہ نکلی۔ اجنبی صورت کو صحن میں کھڑے دیکھ کر ماتھے پر بل پڑ گئے۔
"کیا بات ہے۔"
"مامی نے دہی منگوایا تھا۔"
"تو اندر آنے کی کیا ضرورت تھی' دروازہ نہیں کھٹکھٹا سکتے تھے۔" شہابی رنگت والی لڑکی نے تنک کر کہا۔ ابرا کو اس کے لہجے پر تاؤ ہی آگیا۔ اس نے کٹوری چارپائی پر پٹخی۔
"مامی کو دے دیجئے گا۔" کہہ کر باہر نکل گیا۔
"ارے' کس قدر بدتمیز لڑکا تھا۔" وہ بڑبڑاتی کٹوری اٹھا کر کچن میں رکھ آئی۔ اندر فاطمہ نماز پڑھ رہی تھی۔ مریم نے واک مین کانوں سے لگایا تھا۔
"کچھ فاطمہ آپی سے ہی سیکھ لو' یہ چلی جائیں گی تو تمہارا کیا بنے گا۔" عریشہ نے واک مین کھینچا۔
"وہی جو تمہارا بنے گا۔" مریم نے دوبارہ واک مین پکڑا۔
"مریم! میں تم سے باتیں کرنے آئی ہوں۔"
"او کے' چھت پر چلتے ہیں......" مریم فوراً اٹھ گئی۔



نبیلہ شادی کی تاریخ طے کرنے آئی تھیں۔ حسبِ عادت حمیدہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔
"اتنی جلدی' ہماری تو ابھی تیاری ہی نہیں۔"
"تیاری کیا کرنی ہے' گھر کی بات ہے۔ میں یوں بھی اپنے بھائی پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی۔ جہیز کی تو ضرورت ہی نہیں۔ گھر میں جو کچھ ہے' انہی نے استعمال کرنا ہے۔"
"پھر بھی اب خالی ہاتھ تو لڑکی کو نہیں بھیجیں گے۔"
"ہاں تو کپڑا لتا بنا لو...... بس اتنے دنوں میں اتنا تو ہو ہی جائے گا۔"
"ہاں ہاں......" برکت حسین نے فوراً" ہاں میں ہاں ملائی۔ "ٹھیک کہہ رہی ہے نبیلہ! ہم نے کون سا دھوم دھڑ کا کرنا ہے۔ سادگی سے نکاح اور رخصتی کر دیں...... یہی سنت ہے۔"
حمیدہ نے کھا جانے والی نظروں سے شوہر کو دیکھا۔
"آپ کیوں فکر کر رہی ہیں بھابھی! ان شاء اللہ سب کچھ ہو جائے گا۔ آپ بس بسم اللہ کر کے تاریخ دے دیں۔" عادلہ نے رسانیت سے کہا۔
"ارے میں تین کپڑوں میں لڑکی کیسے رخصت کروں۔"
"اس کی الٹی کھوپڑی ہے۔ اچھا بھلا خرچہ بچ رہا ہے اور یہ ہے کہ......"
برکت حسین دل ہی دل میں تلملا کر رہ گئے۔
"جمال آ رہا ہے' واپسی پر طیبہ اس کے ساتھ چلی جائے گی۔ اس لیے میں چاہتی ہوں یہ شادی ان کی موجودگی میں ہو جائے' پھر نجانے کب ان کا آنا ہو میں بھی گھر میں اکیلی رہتی ہوں محسن تو سارا دن آفس میں ہوتا ہے۔"

"ہاں تو بس ٹھیک ہے۔ جب تمہیں مناسب لگے' چار بندے لے آنا' بعد میں بھلے ولیمہ دھوم دھام سے کر لینا۔ یہی سنت ہے۔"

برکت صاحب نے آرام سے بات ختم کر دی۔

"چلیں' اللہ مبارک کرے۔ میں مٹھائی لے کر آتی ہوں۔" عادلہ مسکراتی ہوئی اٹھ گئیں۔



گھر میں شادی کی تیاریاں کیا شروع ہوئیں۔ حمیدہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ "کیا ہو گا' کیسے ہو گا..... آتے جاتے نعمان سے جھگڑا کہ پیسے اور دو۔ وہ جھنجلا گیا۔

"میں کہاں سے لاؤں اتنے روپے۔ ذرا ہاتھ روک کر خرچ کریں۔"

"کیسے ہاتھ روکوں' مہنگائی دیکھی ہے۔ تم تو چاہتے ہو' بہن کو شربت کے پیالے پر رخصت کر دو۔" وہ چمک کر بولیں۔ نعمان نے نوالہ پلیٹ میں پٹخا۔

"جتنا بس میں ہو' اتنا کریں نا۔ پھپھو بار بار کہہ رہی ہیں کہ کچھ نہیں کرنا' فرنیچر' کراکری سب کچھ ہے تو پھر کیا ضرورت ہے۔"

"یہ عورت ہم سب کو کنگال کرے گی۔ احمق فاطمہ میری بہن کے گھر جا رہی ہے تیرے کنگلے خاندان میں نہیں' جو اس طرح پاگل ہو رہی ہے۔" برکت حسین نے لتاڑا۔

"ہاں پاگل ہو رہی ہوں۔ تیری اولاد کے لیے کر رہی ہوں۔ یہی پھپھو کل کو ساس بن کر طعنے دے گی کہ بھتیجی خالی ہاتھ آگئی۔"

"اماں! تمہیں تو عادت ہو گئی ہے' ہر بات کو بڑھا چڑھا کر کرنے کی۔ کہا نا جتنا ہو سکے گا' کر دیں گے۔" نعمان نے جھنجلا کر بات ختم کرنے کی سعی کی۔

"پتا ہے مجھے' جو مروڑ تیرے دل میں اٹھ رہے ہیں.... اس کی بھی خبر ہے۔ بہنوں پر پیسہ خرچ کرتے جان نکل رہی ہے.... کسی کلموہی کے لیے بچا بچا کر رکھ رہا ہے؟"

"کہاں لے جا رہا ہوں' جو کما رہا ہوں گھر میں ہی لا رہا ہوں.... پر یہاں کسی کو کیا قدر..... بس نوٹوں کی گڈیاں لاتے رہو' سب راضی..... ذرا اونچ نیچ ہو جائے تو گلے سے پکڑ لیتے ہیں۔ اس گھر میں بندے کی نہیں نوٹوں کی قدر ہے۔" وہ غصے سے بولتا باہر نکل گیا۔

"اب خوش ہے....." برکت حسین نے طنز سے پوچھا تو وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگیں۔ "سب جانتی ہوں اس کو پتنگے کیوں لگ رہے ہیں۔ فاطمہ کی شادی ہو جائے تو کرتی ہوں اس کا بھی بندوبست۔"



حمیلہ کسل مندی سے منہ پر دوپٹہ ڈالے چارپائی پر لیٹی تھی۔ جب سے ابرار گیا تھا' اس نے گویا ہر کام سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ کرتی بھی تو مارے باندھے..... سرِ شام جسم بخار زدہ ہو جاتا۔ جوڑوں میں خوامخواہ درد رہنے لگا۔ ابھی چند دن پہلے کیسے گھوڑے کی طرح چاق و چوبند تھی۔ اب جیسے جسم سے ساری توانائی نچڑ گئی ہو۔

کبریٰ نے اسے یوں لیٹے دیکھا تو دودھ کی بالٹیاں زور سے پٹخیں۔

کچھ دیر پہلے حمیلہ اٹھی تھی اور صرف بھینس کا دودھ دھو کر واپس آ گئی۔ بالٹیوں کے کھڑاک پر بھی جب حمیلہ نے سر نہ اٹھایا تو کبریٰ اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

"میں نے کہا' کب تک یہ ناٹک چلے گا..... اس کے دفع ہو جانے سے اس گھر کے کام تو نہیں رکنے لگے۔ میں

اکیلی کیا کیا دیکھوں۔"
کبریٰ کی کرخت آواز پر جمیلہ نے دوپٹہ منہ سے ہٹایا۔ اس کی آنکھیں پانیوں سے بھری تھیں۔
"میری طاقت میرا بلو تھا کبریٰ! اسی کے لیے بھاگی پھرتی تھی۔ وہ گیا ہے..... تو لگتا ہے جسم سے ساری جان نچڑ گئی ہے..... دو پیر چلتی ہوں تو سر چکرانے لگتا ہے۔ اللہ جانے کس حال میں ہو گا..... کہاں رہتا ہو گا، کیا کھاتا ہو گا

"میرے سامنے تو اس حرام خور کا نام نہ لیا کر..... نہ! کیا کمی تھی میری بیٹی میں..... خوب صورت ہے، زمین جائیداد والی ہے..... اسے رشتوں کی کمی نہیں ہے..... وہ تو ہم نے سوچا چلو گھر کا لڑکا ہے بیٹی بھی نظروں کے سامنے رہے گی..... تمہارا بھی تھاہ ٹھکانا بنا رہے گا، پر نہیں۔ عزت راس نہ آئی تم ماں بیٹے کو۔" کبریٰ چمک کر بولی۔
"تیرا طریقہ غلط تھا کبریٰ! میرا پتر بڑی آن والا ہے۔ نظر جھکا کے چلتا ہے، سر نہیں۔ تو نے تو اسے خریدنا چاہا۔ ان چند روٹیوں کے بدلے، جو وہ اس گھر میں کھاتا رہا۔ اتنا سستا نہیں تھا میرا ابرار....."
"چل..... اب دیکھ لیں گے۔ چاچے کے بغیر کون سا تیر مارے گا۔ چار دن میں دھکے کھا کر واپس نہ آیا تو میرا نام بھی کبریٰ نہیں۔ اب اٹھ کر تندور گرم کر..... بہت ہو گیا آرام..... بیٹا بھی ہڈ حرام تھا..... اب ماں بھی۔" وہ بکتی جھکتی اندر چلی گئی۔
"تیری یہی زبان ہے کبریٰ! جس سے بلو بھاگا ہے۔ اب اللہ جانے کہاں دھکے کھاتا ہو گا۔ اللہ کرے اسے برکت بھائی کا گھر مل گیا ہو۔ برسوں سے کوئی خیر خبر نہیں۔ یہ نہ ہو کہ گھر بدل لیا ہو۔" وہ اٹھ کر سست روی سے تندور میں لکڑیاں ڈالنے لگی۔ دھیان سارا بلو کی طرف تھا..... اصغر نے اس دن سے جمیلہ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ کبریٰ تو کبریٰ بشریٰ بھی ہر وقت انگارے چباتی۔
"ماسٹر صاحب کی طرف جاؤں گی۔ شاید کوئی فون آیا ہو۔"
اس نے چولہے سے سلگتا اپلا چمٹے سے اٹھا کر تندور میں پھینکا۔



"یہ کیا کہہ رہی ہیں بھابھی!" عادلہ ہکا بکا رہ گئیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ حمیدہ ان سے ایسی بات کر سکتی ہیں۔
"تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ فاطمہ تمہاری بیٹی نہیں ہے؟" مٹر چھیلتی حمیدہ نے لاپروائی سے کہا۔
"وہ ٹھیک ہے مگر....." عادلہ ابھی بھی شاک میں تھیں۔
"اگر مگر چھوڑو۔ سیدھی بات کرو۔"
"میں نے وہ عریشہ کے لیے....."
"تو میں کون سا مفت مانگ رہی ہوں بی بی! ادھار مانگ رہی ہوں۔ کل کو عریشہ کی شادی ہو گی تو واپس کر دیں گے..... تب تک ثوبان کی بھی نوکری ہو جائے گی، پھر عریشہ کو کہاں جانا ہے۔ یہیں رہنا ہے ہمارے پاس۔"
"آپ....." عادلہ بے چین ہو کر کھڑی ہو گئیں۔ "سارے فیصلے خود ہی کرتی جا رہی ہیں۔"
"میں نے کیا انوکھا کہہ دیا۔ تم نے بیٹی نہیں بیاہنی۔ پھر پہلا حق تو ہمارا ہوا نا۔"
"جب وقت آئے گا، دیکھا جائے گا۔"
"استانی صاحبہ! وہ اس خاندان کا خون ہے یہ مت بھولنا، پھر میرے ثوبان میں کمی کیا ہے؟" حمیدہ نے تنک کر پوچھا۔
"میں نے کہا نا جب وقت آئے گا دیکھا جائے گا۔" عادلہ نے قطعی انداز میں کہا۔ "اور جہاں تک بات

زیور کی تو وہ میں نے عریشہ کے لیے بنوایا ہے۔ باقی فاطمہ کے لیے جو مجھ سے بن پڑا..... میں کروں گی۔"
مضبوط لہجے میں کہہ کر عادلہ اپنے گھر چلی گئیں۔
حمیدہ اس کو پتنگے لگ گئے۔ سبزی کی ٹوکری ایک طرف پٹخ دی۔ اندر کا ابال اس وقت نکلا جب عریشہ، مریم اور فاطمہ بازار سے آئیں۔
"امی! کیا ہوا ایسے کیوں لیٹی ہیں۔ سبزی بھی نہیں بنائی۔" فاطمہ نے انہیں یوں لیٹے دیکھ کر حیران ہو کر پوچھا۔
حمیدہ نے اپنی گیلی آنکھیں دوپٹے سے صاف کیں اور اٹھ کر بیٹھ گئیں۔
"تائی جان! آپ رو رہی ہیں۔" حیران حیران سی عریشہ ان کے پاس بیٹھی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔
"ہاں اب میری یہی اوقات ہے کہ تمہاری ماں یوں میری بے عزتی کر جائے۔ وہ پڑھی لکھی عقل مند عورت، میں جاہل ان پڑھ..... میرا اس کا مقابلہ کیا؟"
مریم نے طویل سانس لے کر شاپر اٹھائے اور اندر رکھنے چلی گئی۔ اسے ماں کے واویلے سے کوئی مطلب نہ تھا۔
"پتا تھا کہ بیٹی بیاہنی ہے۔ پر گھر کے خرچوں نے سر ہی کہاں اٹھانے دیا۔"
"آخر ہوا کیا؟ امی نے آپ سے کچھ کہا..... "عریشہ ان کے گرد بازو لپیٹ کر پوچھنے لگی۔
"اس نے کیا کہنا ہے غلطی میری تھی۔ جو اپنا سمجھ کر اس سے مدد مانگنے بیٹھ گئی۔ اتنا ہی تو کہا تھا کہ عریشہ کے لیے بنایا زیور فاطمہ کو دے دو۔ ثوبان نے کہا تھا۔ جب عریشہ کی باری آئے گی تو ہم اتنا ہی بنوا دیں گے۔ بس ہتھے سے اکھڑ گئی کہ آپ نے یہ بات کی تو کی کیوں؟"
ان کے آنسو عریشہ شرمندہ سی اپنے دوپٹے سے صاف کرنے لگی جبکہ فاطمہ کو ماں کی اس حرکت پر غصہ آ گیا تھا۔
"آپ کو کیا ضرورت تھی چچی سے یہ بات کرنے کی..... جو ہے جتنا ہے کافی ہے۔ یوں مانگ تانگ کر تو رخصت نہ کریں۔" فاطمہ کو ماں کی حرص و ہوس سے بخوبی آگاہی تھی تب ہی ان سے الجھنے لگی۔
"فاطمہ آپی! اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔ امی کو یوں انکار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ زیور آپ نے پہنایا میں نے کیا فرق پڑتا ہے۔" عریشہ نے آہستگی سے کہا۔ اس سے حمیدہ کے آنسو برداشت نہیں ہو رہے تھے۔
"عریشہ! یہ بات نہیں ہے۔ چچی نے ہمیشہ ہمارے لیے بہت کیا ہے۔ مگر اس....."
"تو چپ رہ فاطمہ! میری بیٹی..... "حمیدہ نے عریشہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "آخر اپنا خون اپنا ہی ہوتا ہے..... پر کیا کریں۔ ہمارے نصیب ہی ایسے ہیں۔ نبیلہ ہی سال بھر ٹھہر جاتی تو ہم بھی کچھ نہ کچھ بنا لیتے۔"
"آپ فکر نہ کریں تائی امی! میں امی سے خود بات کروں گی۔ وہ میری بات کبھی نہیں ٹالیں گی۔ آخر وہ زیور میرا ہی ہے۔"
"اس کی کوئی ضرورت نہیں عرشی! امی تو خوامخواہ جذباتی ہو رہی ہیں۔ عادلہ چچی نے وہ زیور نہ بنایا ہوتا تب بھی میری شادی ہونا ہی تھی۔" فاطمہ نے قطعی انداز میں کہا اور باقی شاپنگ بیگ اٹھانے لگی جو مریم چھوڑ گئی تھی..... ساتھ ہی موضوع بدلا۔
"آئیں امی! آپ کو شاپنگ دکھاؤں۔"
"میں گھر جاتی ہوں۔" عریشہ کھڑی ہو گئی۔ حمیدہ نے چور نظروں سے فاطمہ کو دیکھا۔ اس کے اندر جانے کے بعد جھکے سے بولیں۔
"تم بات ضرور کرنا۔"

"جی آپ فکر نہ کریں۔" عریشہ نے تسلی دی۔

گھر آئی تو عادلہ بھی منہ سر لپیٹے پڑی تھیں۔ سوئی ہوئی تھیں یا یونہی لیٹی تھیں۔ عریشہ نے بھی بات نہیں کی۔ بس ادھر ادھر پھرتی رہی۔ عادلہ نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ یونہی کروٹ پر کروٹ بدلتی رہیں۔ عریشہ کی اپنی بھوک مرگئی تھی۔ عشاء کی اذان سے ذرا پہلے وہ اٹھیں۔

"تم نے کھانا کھالیا؟"

"بھوک نہیں ہے۔" وہ کھلی کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔ جہاں چاند دھیرے دھیرے بادلوں میں چھپتا جارہا تھا۔ روئی کی سفید پھٹکیوں جیسے بادل سیاہ آسمان پر پھسلتے جارہے تھے۔ ہوا میں نمی اور خنکی بڑھ رہی تھی۔

"میں نے دوپہر میں بھی نہیں کھایا تھا۔ جاؤ' چاول گرم کر کے لے آؤ۔" انہوں نے نرمی سے کہا تو وہ دل ہی دل میں جھنجلاتے ہوئے کچن میں گئی..... چاول گرم کر کے لے آئی۔ حسب عادت نہ رائتہ بنایا' نہ سلاد۔

"تمہاری تائی نے بہت ہی عجیب بات کی۔ روپیہ پیسہ' کپڑے' جوتے لے کر دینا اور بات ہے مگر اس طرح..... کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ الجھی الجھی خود کلامی کیے گئیں۔

"امی! اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔" عریشہ نے آہستگی سے کہا۔

عادلہ نے چونک کر بیٹی کا منہ دیکھا اور چمچ پلیٹ میں رکھ دیا۔

"ابو کی ڈیتھ کے بعد ہر مشکل گھڑی میں انہوں نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔"

"عریشہ! تم کچھ نہیں جانتیں..... صرف اس لیے کہ میں نے کبھی تمہیں بٹھا کر وہ سب نہیں بتایا جو مجھ پر بیتا۔ تمہارے ابو کی ڈیتھ سے پہلے اور بعد میں جو کٹھن وقت میں نے گزارا..... یہ میں ہی جانتی ہوں..... لیکن میں نے تمہیں ان گھریلو سیاستوں سے دور رکھا..... صرف اس لیے کہ تم سگے رشتوں سے نفرت محسوس نہ کرنے لگو..... میں نے ان سب کے لیے بہت کچھ کیا ہے لیکن اب میرے پاس کچھ نہیں بچا۔ میں زیور دے کر اپنے ہاتھ پاؤں نہیں تڑوا سکتی۔ مجھے تمہاری شادی بھی کرنا ہے..... اور میرے پاس کوئی قارون کا خزانہ نہیں۔" عادلہ بولتی چلی گئیں۔

"امی! مجھے اس زیور کی ضرورت نہیں۔ بس آپ فاطمہ آپی کو دے دیں۔"

عادلہ کچھ لمحے بول ہی نہ سکیں۔ انہیں اچانک احساس ہوا ان سے بھول ہو گئی ہے۔ انہیں عریشہ کو ان تمام حالات سے بے خبر نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ اب وہ اسے کچھ بتاتیں تو وہ کبھی یقین نہ کرتی۔

"تمہیں اس معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں۔ میں جس طرح مناسب سمجھوں گی۔ ہینڈل کرلوں گی۔"

"امی! آپ..... آپ بہت سیلفش ہیں۔"

وہ غصے سے کہہ کر چلی گئی اور..... عادلہ بس بیٹی کے تیور دیکھتی رہ گئیں۔ وہ ان کی اکلوتی اولاد تھی اور اسے بیوہ ماں سے زیادہ دوسروں کا خیال تھا۔ ان کا کھانے سے دل اچاٹ ہو گیا۔ اتنی ہمت بھی نہ ہوئی کہ پلیٹیں اٹھا کر کچن میں رکھ آئیں..... ایک طرف کر کے وہیں لیٹ گئیں۔ انہیں وہ سارے تلخ لمحے یاد آنے لگے جو اس گھر میں گزرے تھے۔ حمیدہ پہلی بہو اور ان کے خاندان کی تھیں..... سو معتبر ٹھہریں..... اور عادلہ کی تعلیم' ذہانت اور سلیقہ ہی ان کے لیے طعنہ بن گیا۔ حسد کی آگ میں وہ لوگ خود ہی نہیں جلے' عادلہ کو بھی جلا ڈالا..... آخر عریشہ کے ابو کو ہی احساس ہوا تو گھر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

قصور بھی عادلہ کے کھاتے میں ڈالا گیا۔ جب تک ساس سسر زندہ رہے۔ زور اور دھونس سے ان کی تنخواہ نکلوا لیتے..... جب نہیں رہے تو حمیدہ نے پینترا بدلا اب وہ یہی کام مختلف طریقوں سے کرنے لگی تھیں۔ عادلہ ان سب کی خود غرض اور مطلب پرست فطرت سے بخوبی آگاہ تھیں تب ہی عریشہ کو ان کے حوالے کرنے سے ڈرتی

تھیں۔
ثوبان اچھا لڑکا تھا مگر عادلہ کو اس کی شارٹ کٹ استعمال کرنے کی عادت بری لگتی ہے۔ ایسے لوگ اپنے فائدے کے لیے دوسروں کو دھوکا دے کر راستے میں چھوڑ جایا کرتے ہیں۔ وہ اکثر عادلہ کے پاس بیٹھ کر اپنے مستقبل کے پلاننگ کرتا اور اس کے خواب اتنے اونچے تھے کہ عادلہ کو خوف آنے لگتا۔ وہ بہت کچھ بہت جلد پانے کی خواہش رکھتا تھا اور عادلہ سمجھتی تھیں ایسے لوگ منزل پر پہنچ کر بھی ناآسودہ ہی رہتے ہیں۔
"یا اللہ! ہمیں صحیح اور غلط کا شعور عطا فرما۔"



عریشہ ماں کے پاس سے اٹھ کر تائی کی طرف چلی آئی۔ کمرے میں ٹی وی چل رہا تھا سب اندر تھے۔ بیٹھک کا دروازہ بھی بند تھا اور اوپر کی لائٹ جل رہی تھی۔ وہ آہستگی سے اوپر چلی گئی۔ ثوبان سے بات کر کے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی۔ اپنی دھن میں اندر آگئی مگر ٹھٹک کر رکنا پڑا..... کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے ابرار کو دیکھ کر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہو گئی..... یہ تو پتا تھا کہ کوئی مہمان بیٹھک میں تایا کے پاس ٹھہرا ہے مگر یہ نہیں پتا تھا کہ وہ کبھی کبھی کمپیوٹر استعمال کرنے کے لیے ثوبان کے کمرے میں بھی آجاتا ہے۔ ابرار بھی گڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔
"آپ....."
"ثوبان کہاں ہے؟" عریشہ کو بھی یوں منہ اٹھا کر چلے آنے پر ندامت سی ہوئی۔
"پتا نہیں۔" ابرار نے کہا تو وہ تیزی سے واپس پلٹ گئی۔
"تو یہ ہے؟ وہ خبطی سی لڑکی۔ مگر یوں رات کو اس طرح کسی لڑکے کے کمرے میں آنا تو مناسب بات نہیں۔" وہ سوچتا ہوا دوبارہ بیٹھ گیا۔



ثوبان فریج سے پانی کی بوتل نکال رہا تھا۔ روٹیاں پکاتی حمیدہ بڑبڑانے لگیں۔
"کچھ زیادہ ہی دماغ اونچا ہے اس عادلہ کا..... کمی کیا ہے میرے بیٹے میں مگر اس کی تو اڑانیں ہی کچھ اور ہیں۔"
"کیا ہوا اماں؟" اس نے ریک سے گلاس اٹھاتے پوچھا۔
"ہونا کیا ہے؟ عادلہ نے عریشہ کے لیے تیرے رشتے سے انکار کر دیا ہے۔" حمیدہ کا انداز ہی ایسا لٹھ مار ہوتا تھا کہ اگلا بندہ ایک بار تو ضرور ہی تاؤ کھا جائے..... ثوبان بھی حیران ہو کر ماں کا منہ دیکھنے لگا۔
"ہاں تو کیوں نہ کرے گی۔ گھر عریشہ کا 'دکان عریشہ کی' وہ تو جائیداد والی ہے..... اس کے لیے کوئی اونچا رشتہ ہی ڈھونڈے گی۔ ہمیں تو ویسے ہی کسی کھاتے میں نہیں رکھتی۔ ہم تو اسے جاہل دکھتے ہیں پر ثوبان! تجھ میں کیا کمی تھی ..... تیرے جتنی جماعتیں تو اس پورے خاندان میں کسی نے نہیں پڑھیں۔"
"اماں! تمہیں ضرورت کیا تھی ابھی رشتے کی بات کرنے کی۔" ثوبان نے جزبز ہو کر کہا اور مجھے کوئی لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے..... میرے ڈپارٹمنٹ کی ایک سے ایک لڑکی مجھ سے شادی کے خواب دیکھ رہی ہے۔"
"ہاں تو کیوں نہ دیکھے 'میرا بیٹا شہزادہ ہے شہزادہ۔ عادلہ تو ناشکری ہے۔ اس کی اولاد ہے اس کی مرضی 'مگر مجھے تو عریشہ کا خیال تھا..... بے چاری لڑکی۔" حمیدہ نے تاسف سے روٹی توے پر ڈالی۔
"اچھا چھوڑ۔ یہ اس لڑکے کے لیے بھی روٹی لے جانا۔ یہ مفت کی مصیبت نجانے کب تک گلے پڑی رہے گی"
"خود ہی دے دینا..... میں جا رہا ہوں۔" وہ بیزاری سے بوتل اور گلاس لے کر اوپر چلا گیا۔

"ہاں میں تو کر لگی ہوں..... مریم او مریم...!" وہ بڑبڑاتی ہوئیں مریم کو آوازیں دینے لگیں۔



"اتنی محنت کرو گے تو پاگل ہو جاؤ گے..... سارا دن نوکریاں کرتے ہو، رات رات بھر پڑھائیاں کرتے ہو..... انسان ہو یا جن..... تمہیں نیند نہیں آتی.....؟" ثوبان الجھ کر پوچھ رہا تھا۔ ابرار نے کتاب بند کر کے اپنے اکڑے ہوئے وجود کو ڈھیلا چھوڑا۔

"مجبوری ہے ثوبان بھائی! اب گاؤں میں میرے ابا تو بیٹھے نہیں، جو میری فیسیں بھریں گے۔ خود مجھے ہی پیسے جمع کرنے ہیں۔"

"اچھا تو ہے نا..... ان ہی کو قابو کر لیا ہوتا۔" ابرار ہنس دیا۔

"اس کی پاداش میں مجھے ان کی بیٹی سے شادی کرنا پڑتی۔"

"تو کر لیتے....." ثوبان نے لاپروائی سے کہا۔

"جی، اور ایک بدزبان لڑکی کو ساری عمر کے لیے گلے کا ہار بنا لیتا۔"

"ساری عمر کے لیے نہ بناتے، وقتی طور پر سہی۔"

"کیا مطلب؟" ابرار نے الجھ کر ثوبان کو دیکھا۔

"او بے وقوف لڑکے..... یہ زندگی ہے، یہاں سیدھے رستے پر چلو تو منزل دور بہت دور چلی جاتی ہے یار! شارٹ کٹ مارنا سیکھ لو۔ شادی کر لو، اس سے چچا تمہیں ہی بھر کر سپورٹ کریں گے۔ جب جاب مل گئی، کسی منزل پر پہنچ گئے تو اپنی مرضی سے شادی کر لینا۔"

"اچھا پھر اس لڑکی کا کیا ہوگا؟"

"طلاق دے دینا..... یا وہیں گاؤں میں چھوڑ دینا سمپل۔ یہ لڑکیاں بہت بے وقوف ہوتی ہیں۔ ذرا پیار کا جھانسا دو..... یوں۔" اس نے چٹکی بجائی۔ "یوں مٹھی میں آتی ہیں..... بس بندے کو فائدہ اٹھانے کا ہنر آنا چاہیے۔"

ابرار نے بے حد افسوس اور دکھ سے ثوبان کو دیکھا۔ اسے لگا تھا ثوبان باقی گھر والوں سے مختلف انسان ہے۔

"اپنے فائدے کے لیے کسی لڑکی کی زندگی برباد کرنا..... اس کے احساسات و جذبات سے کھیلنا خود غرضی نہیں ہے؟"

"اب اپنا مقصد پانے کے لیے اتنی سی خود غرضی تو جائز ہے۔"

"میرے نزدیک تو یہ بہت بڑا گناہ ہے۔"

"تو بیٹا! پڑا رہ پھر گناہ ثواب کے چکروں میں۔" ثوبان نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ "تم جیسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔"

"شاید....." ابرار نے کندھے اچکا دیے۔ اس کا دل چاہا، وہ ثوبان سے پوچھے کیا وہ عریشہ کو بھی استعمال کر رہا ہے مگر جھجک گیا۔ وہ برا بھی مان سکتا تھا۔ ثوبان وہاں سے نکل کر صحن میں ٹہلنے لگا تھا۔

ابرار کا دل پڑھائی سے اچاٹ سا ہو گیا۔



"کیسا ہے بلو! تو ٹھیک تو ہے، گھر والے تیرا خیال تو رکھتے ہیں۔" جمیلہ بلو کی آواز سن کر رونے لگی تھی۔ ماسٹر صاحب نے دلسوزی سے اسے دیکھا اور باہر نکل گئے تاکہ وہ کھل کر بات کر سکے۔

"جی اماں! میں بالکل ٹھیک ہوں..... کیوں فکر کر رہی ہیں..... نہ یہ شہر میرے لیے اجنبی ہے، نہ میں شہر والوں

کے لیے۔" وہ ہنسا۔ اس کی ہنسی نے ماں کے جلتے بلتے دل پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈال دیے۔
"مجھے ایک جگہ نوکری بھی مل گئی ہے اور کچھ ٹیوشنز بھی۔"
"تو پھر پڑھتا کس وقت ہے؟"
"رات کو۔"
"اتنی مشکل پڑھائی راتوں کو جاگ جاگ کر کیسے کرتا ہے۔" جمیلہ کے دل پر گھونسا پڑا۔
"اماں! آپ میری فکر نہ کریں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس اپنا خیال رکھا کریں۔۔۔ چاچی کی باتوں کو زیادہ دل پر نہ لینا۔ بس پانچ سال کی بات ہے پھر ہم شہر میں اپنا گھر بنائیں گے۔"
"اچھا برکت بھائی کو میرا سلام دینا اور بھرجائی حمیدہ کو بھی۔"
"جی اماں۔۔۔ دے دوں گا۔"
جمیلہ نے بجھے بجھے دل سے فون رکھا اور وہیں بیٹھ گئی۔
تھوڑی دیر بعد ماسٹر صاحب کھنکارتے ہوئے اندر آئے تو وہ دوپٹے سے آنکھیں خشک کر رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔
"چلتی ہوں ماسٹر صاحب!" ماسٹر صاحب نے آہستگی سے اپنا ہاتھ جمیلہ کے سر پر رکھا۔
"تیرے آنسو اس کا رستہ کھوٹا کریں گے' اس کے لیے دعا کیا کر۔ دعائیں رب کی مہربانی سے تاریک رستوں کو بھی روشن کر دیتی ہیں۔"
"دکھ اسی بات کا ہے ماسٹر جی! اس کے باپ کے حصے میں اتنی زمین تو آتی تھی کہ اس کا پتر سکون سے پڑھ سکتا ۔۔۔۔ اب کیسے غیروں کے گھروں میں دھکے کھاتا پھر رہا ہے۔"
"میں نے اصغر کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔۔۔ پر وہ۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
"اصغر کے منہ میں کبریٰ کی زبان ہے اور وہ تو یہی چاہے گی کہ بلو بس دھکے ہی کھاتا رہے۔"
"ابرار میں بڑا حوصلہ اور مستقل مزاجی ہے۔ تم دیکھنا بہت آگے جائے گا۔ بس اللہ اسے سیدھے رستے پر رکھے۔"
"آمین۔۔۔" وہ بوجھل دل کے ساتھ باہر نکل گئی۔ گاؤں کی اداس 'سنسان گلیوں سے گزرتے اس کا دل بھی خالی ہوتا جا رہا تھا۔ اسے لگا' وہ بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی ہے۔ گھر بھی وہ کہ جس کی طرف قدم ہی نہ اٹھتے تھے۔
وہ اپنے تھکے ہارے وجود کو لے کر ایک گھر کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے ساتھ بیٹھ گئی۔
"یا اللہ! سر کا سائیں سر پر نہ رہے تو عورت اتنی بے سہارا کیوں ہو جاتی ہے۔"
دوسرے پل اس نے خود ہی اپنے خیالات پر لعنت بھیجی۔
"بے سہارا کیوں؟ میرے پاس میرا بلو جو ہے۔۔۔۔ ابھی تو میرے جینے کی آس باقی ہے۔۔۔۔ پھر میں کیوں حوصلہ چھوڑ رہی ہوں۔ بلو گھر بنائے گا' شادی کرے گا۔ اس کے بچے ہوں گے۔۔۔۔ یا اللہ! میرے بلو کو اپنی حفاظت میں رکھنا۔ اس کے سارے خواب پورے کرنا۔"
وہ پھر سے بہل گئی۔
خالی ہوتا دل پھر سے امنگوں اور خواہشوں سے بھر گیا تھا۔



دیوار کی دوسری طرف ثوبان کی آواز اتنی بلند تھی کہ صحن میں ٹیسٹ کی تیاری کرتی عریشہ نے چونک کر ماں کو

دیکھا۔

''اتنا مبارک کام ہے مگر ہماری بے جا خواہشوں اور نمائش کی عادت نے اسے زحمت بنا دیا ہے۔''

وہ بیزاری سے کہہ کر سبزی کی ٹوکری اٹھا کر اندر چلی گئیں۔ عریشہ نے پہلی بار ثوبان کی اتنی اونچی آواز سنی تھی' ورنہ وہ ہمیشہ بہت سبھاؤ اور تحمل سے بات کرتا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور درمیان والا دروازہ عبور کر گئی۔ ثوبان ماں سے الجھ رہا تھا۔

''آپ یہ کیسے کر سکتی ہیں..... مجھے وہ پیسے ابھی چاہئیں۔''

''کہہ دیا نا..... کوئی پیسہ نہیں' جو تھا سنیارے کو دے آئی ہوں۔'' حمیدہ نے بے نیازی سے ہاتھ ہلایا۔ گویا ثوبان کی ناراضی یا غصے کا ان پر کوئی اثر نہیں۔ وہ بڑے اطمینان سے بال کھولے' تیل کی شیشی ہاتھ میں پکڑے سر میں مالش کی تیاری کر رہی تھیں۔

''آپ کو پتا تھا..... وہ پیسے میرے فائنل سمسٹر کی فیس کے تھے۔''

''تو میں کیا کروں..... بس پندرہ دن رہ گئے ہیں شادی میں..... اب جہاں سے بندوبست ہوتا ہے' کر لے۔''

''کہاں سے کر لوں' چوری کروں' ڈاکہ ڈالوں؟ اس منحوس زیور کے بغیر فاطمہ کی شادی نہ ہونا تھی۔''

''جو مرضی آئے کر..... میں نے لڑکی کو خالی ہاتھ رخصت نہیں کرنا۔''

''میں خودکشی کر لوں گا۔''

''دشمنوں کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جائے گی۔ خزانے دبا کر بیٹھے ہیں۔ پر برے وقت میں کسی کی مدد نہیں کریں گے کھانہ جاتی..... تیری چچی سے ادھار مانگا تھا۔ ٹکا سا جواب دے کر چلتی بنی۔ لو اور سنو! لڑکی بھی گھر کی' زیور بھی گھ کا ہم دو کپڑوں میں نکاح کر لیتے پر۔''

''اماں! میں کچھ نہیں جانتا' مجھے میرے پیسے چاہئیں۔'' وہ غضب ناک ہوا۔

''ناں تو کما کر لایا تھا؟'' حمیدہ نے ہاتھ نچایا۔

''میں دیکھ لوں گا..... اس شادی میں نہیں آؤں گا۔'' ثوبان غصے سے کہہ کر پلٹا۔ سامنے کھڑی عریشہ کو دیکھ کر ٹھٹکا' پھر تیزی سے باہر نکل گیا..... اس کی آخری شکوہ بھری نگاہ عریشہ کے اندر گڑ کر رہ گئی۔

حمیدہ نے عریشہ کو دیکھا' پھر تیل کی شیشی نیچے رکھ دی۔

''اب کھڑی کیا دیکھ رہی ہے عرشی! جا اپنی ماں سے کہہ دے..... اگر میرے بیٹے نے کچھ کر لیا تو اس کا ذمہ عادل کے سر ہوگا۔''

عریشہ نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

دوسری طرف صحن میں کھڑی عادلہ نے بھی ایک ایک حرف سنا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا' ان کی چیز 'وہ دیں نہ دیں۔ اس میں انہیں اتنا مجبور کیوں کیا جا رہا ہے۔

''کاش میں زیور نبیلہ کے پاس رکھوا دیتی یا ابھی بنواتی ہی نہیں..... نبیلہ نے منع بھی کیا تھا کہ بڑی بھابھی کو خبر ہونے دینا۔''

عریشہ اندر داخل ہو رہی تھی۔ ماں بیٹی کی نظریں ٹکرائیں۔ عادلہ کو بیٹی کی نگاہوں میں شکوہ ہی شکوہ دکھائی دیا عریشہ بنا کوئی بات کیے اندر چلی گئی۔ عادلہ دل مسوس کر رہ گئیں۔

عریشہ کی ساعتیں ساری رات گھر کی دہلیز پر پہرہ دیتی رہیں' مگر ثوبان واپس نہیں آیا۔ وہی رات نہیں' وہ اگلے دن تک گھر نہیں آیا تھا۔ حمیدہ اٹھتے بیٹھتے آہیں بھرتیں' جسے سن سن کر عریشہ ذہنی طور پر سخت اپ سیٹ ہو چ تھی۔

☆ ☆ ☆

"ساری ساری رات پڑھتا رہتا ہے۔ کبھی آنکھ بھی جھپک لیا کر۔" برکت حسین سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ ابرار کو دیکھ کر ٹوکے بنا نہ رہ سکے۔ چند دنوں میں انہیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ لڑکا بہت ذہین اور محنتی ہے۔

ابرار نے کتابوں سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور مسکرا دیا۔

"دن بھر کہاں غائب رہتے ہو؟"

"ایک کمپنی میں جاب کر رہا ہوں۔ ایک دو ٹیوشنز بھی شروع کی ہیں۔"

"کیا تمہارے چاچا نے اب بالکل ہی ہاتھ کھینچ لیا ہے۔" انہوں نے ٹانگوں پر کمبل کر لیا۔

"وہ اب میری مدد کیوں کریں گے؟" ابرار آہستگی سے ہنسا۔

"اچھا..... چل ٹھیک ہے ماں کی خیر خبر تو لیتا رہتا ہے نا؟"

"جی۔" ابرار نے مختصر کہا۔ اس نے ایک دو بار ماسٹر صاحب کو فون کر کے ماں کا پوچھا تھا۔ ماسٹر صاحب نے وعدہ کیا تھا۔ جب بھی جمیلہ آئی وہ اس کی بات کروا دیں گے۔ ابرار اب اسی فکر میں تھا کہ کچھ پیسے ہاتھ لگیں تو اک سستا سا موبائل ہی خرید لے۔ ایک بار کے بعد ماں سے بات ہی نہ ہوئی تھی۔

"اوپر ثوبان کے کمرے میں بیٹھ کر پڑھ لیا کر' خالی ہی ہوتا ہے۔"

وہ شاید لائٹ سے ڈسٹرب ہو رہے تھے۔ ابرار خاموش ہو گیا۔ ثوبان کا مزاج وہ سمجھ گیا۔ موڈ اچھا ہوتا تو اس سے دوستوں کی طرح برتاؤ کرتا' نہ ہوتا تو اکھڑ مزاج ہو جاتا..... ابرار سب رویے سمجھتا' مگر نظر انداز کر رہا تھا کہ وہ فی الحال ہاسٹل کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف یونیورسٹی کی فیسوں نے اس کے ہوش اڑا دیے تھے۔

وہ خالی ہاتھ تھا' ناامید نہیں.....

یہ مشکل تھا' ناممکن نہیں۔

اگر اللہ نے چاہا تو کوئی نہ کوئی سبب ضرور بنا دے گا۔

یہ اس کا یقین تھا۔

اپنی سوچوں میں گم ابرار کو لگا' دروازے کے پاس سے کوئی سایہ سا گزرا ہے۔ اس نے برکت حسین کو دیکھا' وہ آنکھیں موندے لیٹے تھے۔ کسی خیال کے تحت وہ باہر نکل آیا۔

سیڑھیاں چڑھتی عریشہ کو دیکھ کر اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"یہ لڑکی کس راہ پر چل رہی ہے۔"

اس نے ڈیوڑھی کے کھلے دروازے پر نگاہ دوڑائی۔

"کیا اس کی ماں اتنی ہی بے خبر ہے۔"

دل بوجھل سا ہو گیا۔ اس نے واپس آ کر کتابیں کھول لیں' مگر دھیان سیڑھیوں کے آس پاس بھٹک رہا تھا۔

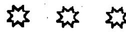


ثوبان اوندھا لیٹا جاگ رہا تھا۔ اس کے قریب میز پر کھانا جوں کا توں پڑا تھا..... آج وہ پورے تین دن کے بعد گھر لوٹا تھا۔

"ثوبان....." عریشہ کی آواز پر وہ چونکا' مگر سیدھا نہیں ہوا۔ بلکہ بیزاری سے پوچھنے لگا۔

"تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟"
"یہ پوچھنے آئی ہو؟" وہ سیدھا ہوا۔
"اتنے دنوں سے کہاں تھے؟"
"عرشی! پلیز جاؤ میں اس وقت کسی سوال جواب کے موڈ میں نہیں۔" وہ بیزاری سے بولا۔
"آپ پریشان ہیں۔"
"ہاں.....ہوں.....تو.....تو کیا کر سکتی ہیں مس عریشہ آپ میرے لیے۔" اس کے لہجے سے چھلکتا طنز عریشہ کو شرمندہ کر گیا۔
"کچھ نہیں..... سو پلیز..... لیو می الون..... یہ سوال جواب کر کے مجھے پریشان نہ کرو۔"
"میں تو صرف....." ثوبان کے لہجے نے اسے بری طرح مجروح کیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔
"فار گاڈ سیک عریشہ!" وہ جھٹکے سے کھڑا ہوا۔ "اب یہ ڈرامہ مت شروع کر دینا۔ میری جان پر بنی ہے۔ میرا کیریر داؤ پر لگا ہے۔ چار دن میں پیسوں کا بندوبست نہ ہوا تو میری برسوں کی محنت ضائع جائے گی۔ میرے خواب ملیا میٹ ہو جائیں گے مگر کسی کو کیا پروا۔ یہاں سب اپنی اپنی غرض کے بندے ہیں۔ اماں کو اپنی بیٹی پیاری ہے اور تمہیں اپنا زیور....."
عریشہ دنگ رہ گئی۔
"مجھے آپ کی پروا ہے ثوبان!"
"جاؤ عرشی..... پلیز۔ خالی خولی دعوے مت کرو۔ مجھے میرے حالت پر چھوڑ دو۔"
ثوبان نے بیزاری سے ہاتھ اٹھایا۔ عریشہ نے تیزی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"میری محبت صرف دعوا نہیں ہے ثوبان!"
"ریئلی؟" ثوبان استہزائیہ انداز میں ہنسا۔
"ہاں..... اور یہ میں ثابت بھی کروں گی۔"
وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔
ڈیوڑھی کا دروازہ بند ہونے کی آواز پر ابرار نے بے اختیار سکون کا سانس لیا۔



عادلہ نے سخت نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا۔
"کہاں تھیں؟"
"کہاں ہوں گی۔ تائی کے پاس تھی۔" وہ لاپرواہی سے کہہ کر اپنے بستر پر بیٹھی۔
"اس وقت؟"
"اب وہاں جانے کے لیے بھی مجھے وقت دیکھنا پڑے گا۔" اس کے لہجے سے چھلکتی بدتمیزی نے عادلہ کو ایک لمحے کے لیے گنگ سا کر دیا۔
"یقیناً"۔
"آپ نے پہلے تو کبھی نہیں روکا۔"
"غلطی کی..... مجھے روکنا چاہیے تھا۔"
"اب دیر ہو گئی ہے۔" عریشہ لیٹ گئی۔
"عرشی! میری بات سنو۔" عادلہ نے سختی سے کہا۔

"مجھے نیند آرہی ہے۔" وہ کروٹ بدل گئی۔
عادلہ کچھ لمحے اسے غصے اور بے بسی سے دیکھتی رہیں' پھر اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔



گھر میں ڈھولک رکھ لی گئی تھی۔ بانو اور ساجدہ بھی اپنے آل اولاد کے ساتھ آ گئیں۔ آنے بہانے چونچیں لڑاتی رہتیں۔ وجہ کا ہونا ضروری نہیں تھا۔۔۔ حمیدہ کا موڈ بڑا خوشگوار تھا اور عادلہ کے ساتھ رویہ شہد بھرا۔
"شکر ہے۔ ان کا دھیان تو ہٹا۔ اللہ جانے کس نے سمجھایا ہے۔"
عادلہ کی بات پر عریشہ نظریں چرا جاتی۔
درمیان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا' بانو' ساجدہ کے بچے دونوں صحنوں میں دوڑکیاں لگاتے رہتے۔ مریم بڑبڑاتی رہتی۔
"ضرورت کیا تھی اتنے دن پہلے آنے کی۔"
"خاموش رہو۔ آپا سن لیں گی۔" فاطمہ نے ٹوکا۔ اس کا آج کل کچن میں جانا بند تھا۔ سارا بوجھ مریم پر آ گیا تھا' سو وہ جھنجلائی رہتی۔
"تو سن لیں۔ روٹیاں پکا پکا کے میری کمر رہ گئی۔ اب بیسن کے حلوے کی فرمائش۔ گویا اپنے گھروں سے فاقے کرتی آئی ہیں۔ میں تو صاف انکار کر کے آ گئی۔"
"اچھا اسی لیے بانو آپی کا موڈ خراب ہے۔" عریشہ نے اندر آتے ہوئے کہا۔
"ہوتا رہے۔" وہ آرام سے لیٹ گئی۔
"فاطمہ آپی! آپ تیار ہو جائیں' ہمیں پارلر جانا ہے۔ پھپھو نے سارا انتظام کروا دیا ہے۔ ان کی گاڑی ہمیں لینے آرہی ہے۔"
"میں بھی فیشل کرواؤں گی۔"
"ہاں۔۔۔ مگر اپنے خرچے پر۔" عریشہ آرام سے کہہ کر کچن میں آ گئی۔ جہاں حمیدہ بیسن کا حلوہ بھون رہی تھیں۔
"آ گئی میری بیٹی۔"
"حلوے کی خوشبو کھینچ لائی۔" وہ ہنستے ہوئے پاس بیٹھی۔
"ڈھیر سارا میوہ بھی ڈالا ہے۔ لے ذرا چکھ۔" انہوں نے پلیٹ میں تھوڑا سا نکالا۔
"تائی امی! میری عادتیں خراب مت کریں۔"
"میں واری صدقے' جس گھر میں تیرے جیسی بیٹی ہو۔ اس گھر کے تو نصیب ہی سنور جائیں گے۔"
"اچھا ایسا کر' یہ اوپر ثوبان کو بھی دے آ۔ ورنہ یہ بچے ابھی سارا چٹ کر جائیں گے۔"
"اماں! ساری فکریں ثوبان کی کرنا۔۔۔ تجھے کبھی میرا خیال نہیں آیا۔" نعمان نے اندر آتے ہوئے کہا تو عریشہ ہنس دی۔
"تو اپنا خیال خود جو رکھنے لگا ہے۔" حمیدہ نے طنز سے کہا۔
"خیر ہے اماں! آج کل مجھ پر بڑا غصہ ہے تجھے۔"
عریشہ پلیٹ اٹھا کر باہر آ گئی۔ نعمان کا سارے گھر پر ہی رعب تھا۔ عریشہ نے بھی کبھی اس سے کھل کر بات نہیں کی تھی۔
ثوبان اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا خود پر پرفیوم چھڑک رہا تھا۔ گویا کہیں جانے کی تیاری

تھی۔ وہ مڑا اور ہلکا سا اسپرے اس پر بھی کر دیا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"ضروری تو نہیں میں اوپر آتی۔" وہ ناز سے مسکرائی۔

"محترمہ! ہم آپ کی رگ رگ سے واقف ہیں۔"

"وہ تو تائی امی نے حلوہ دے دیا کہ آپ کو دے آؤں۔"

"ہاں۔ ورنہ آپ نے کہاں اوپر آنا تھا۔"

دونوں ایک ساتھ ہنس دیے۔ ثوبان نے پلیٹ ایک طرف رکھ دی۔

"مجھے یہ ہیوی چیزیں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔"

"اسی لیے اتنے اسمارٹ ہیں۔" وہ کہہ کر مڑنے لگی۔ ثوبان نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا۔

"یہ بات میری طرف دیکھ کر کہو۔"

"جی نہیں۔" اسے شرم سی آنے لگی۔ ثوبان نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"عریشہ! تم بہت اچھی ہو۔ بہت پیاری۔ اور بہت کیئرنگ بھی۔"

"اور۔"

"اچھا تو اپنی تعریفیں سننے کا موڈ ہو رہا ہے۔" ثوبان نے چھیڑا۔

"جی نہیں۔" وہ خجل سی ہو کر ہاتھ چھڑانے لگی۔

"ثوبان بھائی' آپ کو....." ابرار ٹھٹک کر دروازے میں رکا۔

ثوبان نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ عریشہ شرمندہ سی ہو کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

"ماموں بلا رہے ہیں۔" ابرار نے سنجیدگی سے پیغام دیا اور پلٹ گیا۔

ثوبان نے کچھ زیادہ محسوس نہیں کیا۔ جبکہ عریشہ نیچے جا کر بھی بہت دیر تک اپنی شرمندگی کو تلملاہٹ میں چھپاتی رہی..... یہاں تک کہ پھپھو کی گاڑی آگئی اور اسے فاطمہ کے ساتھ پار لر جانا پڑ گیا۔



نبیلہ کو جب ابرار کے بارے میں پتا چلا تو بہت اصرار سے اسے کھانے پر بلایا تھا۔ اب کھانے کے بعد چائے پیتے ہوئے اس کے ساتھ اپنی پرانی یادیں تازہ کر رہی تھیں۔

"جب ہم لوگ گاؤں میں تھے تو میری اور جمیلہ کی بہت دوستی ہوتی تھی۔ پھر ہم لوگ تو جلد ہی شہر میں شفٹ ہو گئے۔ بہت روئی تھی میں بھی اور جمیلہ بھی۔" ماں کے ذکر پر ابرار مسکرا دیا۔

"تمہاری طرح اسے بھی پڑھائی کا بہت شوق تھا۔ بلکہ مجھے تو لگتا ہے اس نے اپنا شوق تمہارے اندر منتقل کر دیا ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔ اسٹڈیز کے معاملے میں جتنی سپورٹ اماں کی طرف سے ملی' ابا کی طرف سے کبھی نہیں تھی۔ ماسٹر صاحب کے گھر بھیجنے کے بعد خود چیک کرنے آتیں کہ میں بیٹھا پڑھ رہا ہوں۔ کہیں گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیلنے تو نہیں نکل گیا۔"

"بس بیٹا! اس وقت ماحول ہی ایسا تھا۔ لڑکیوں کی پڑھائی کا تو تصور ہی نہیں تھا۔ میرے پڑھنے پر جو جو باتیں بنی میں بتا نہیں سکتی۔ اور چائے لاؤں؟"

"نہیں۔ بہت شکریہ۔ بہت اچھا لگا' آپ سے مل کر باتیں کر کے۔" ابرار کو وہ سلجھی ہوئی خاتون بہت اچھی لگی تھیں۔

"نہیں وہاں بھائی صاحب کے گھر کوئی پرابلم تو نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے تم یہاں کیوں نہیں شفٹ ہو جاتے۔"

"جی شکریہ آنٹی! میں جلد ہی دوستوں کے ساتھ فلیٹ شیئر کر رہا ہوں۔ بس کچھ ہی دنوں کی بات ہے۔"

"پھر بھی کسی بھی چیز کی ضرورت ہو۔ بالکل جھجکنا نہیں۔ خالہ سمجھ کر میرے پاس آنا۔ بلکہ مجھے بہت گلہ ہے کہ اتنا عرصہ شہر میں آتے رہے، لیکن کبھی مجھ سے ملنے نہیں آئے۔" ان کے لہجے سے چھلکتا خلوص ابرار کو متاثر کر گیا۔

"یہ میری کوتاہی ہے۔ ورنہ اماں نے تو کئی بار کہا تھا۔"

"بیٹا! ہمت مت ہارنا، مشکل وقت گزر جانے کے لیے ہوتا ہے۔" انہوں نے رسانیت سے کہا۔ ابرار نے ممنون نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میں نے محسن سے بھی کہا ہے۔ وہ تمہارے لیے کسی بہتر جاب کا بندوبست کر دے گا۔"

"جی۔" ابرار نے کہا اور سر جھکا کر سوچنے لگا۔

اگر دنیا میں پر خلوص لوگ نہ ہوں تو ہم جیسوں کا کیا بنے۔ یہ میری سگی خالہ نہیں مگر ان کے انداز میں کتنی اپنائیت محسوس ہو رہی ہے۔

"اب کے گاؤں گئے تو جمیلہ کو ساتھ ضرور لانا۔" نبیلہ کہہ رہی تھیں۔

"جی ضرور۔" ابرار نے کہا۔ وہ اک خوبصورت شام گزار کر ٹیوشن پڑھانے چلا گیا۔ نبیلہ سے ملاقات نے اس کا ذہن ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔



دروازہ عائشہ نے کھولا تھا۔ نعمان کی بہت سی دعاؤں میں سے ایک دعا تو دروازے پہ ہی قبول ہو گئی۔

"السلام علیکم۔" عائشہ مسکرائی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ وہ خالہ ہیں گھر پر۔"

"اندر آجائیں۔" عائشہ نے دروازہ کھول دیا تو نعمان اندر آگیا۔ عائشہ نے دروازہ بند کیا۔

"آپ کیسی ہیں؟"

"اچھی ہوں۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں۔" نعمان کی زبان پھسلی۔ ساتھ ہی وہ خجل سا ہو کر گردن کھجانے لگا۔ عائشہ نے مسکراہٹ دبالی۔

"آپ اندر چلیں۔ میں چائے لاتی ہوں۔"

نعمان کو بیٹھک میں بٹھا کر ماں کو بتانے وہ کچن میں آگئی۔ چائے کے ساتھ بسکٹ اور گاجر کا حلوہ گرم کر کے لائی۔

"میں بھی کہوں تم نے اتنے دنوں سے چکر کیوں نہیں لگایا۔ بہن کی شادی میں مصروف تھے۔" آمنہ خاتون نے کہا۔ عائشہ نے چائے نعمان کے سامنے رکھی اور خود باہر جانے کے بجائے ماں کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"جی۔ بس جمعے کو سادگی سے نکاح ہے۔ بس گھر کے لوگ ہوں گے۔" وہ سیاہ چپل میں مقید اس کے گندمی پیر دیکھ رہا تھا۔

"اچھی بات ہے۔ خوامخواہ کی فضول خرچی کرنی بھی نہیں چاہیے۔ اتنی تو مہنگائی ہے۔"

"جی۔ فاطمہ کی رخصتی ہو جائے تو میں اماں سے بات کروں گا۔" آمنہ نے بیٹی کو دیکھا۔ وہ ماں کا اشارہ سمجھ کر

اٹھ گئی۔ مگر دروازے میں ہی کھڑی ہو گئی۔

"اچھی بات ہے۔ بیٹا! میں بھی جلد از جلد عائشہ کی ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتی ہوں۔"

"میں کتنا بے تاب ہوں... بتا نہیں سکتا۔" اس نے سوچا پر کہہ نہ سکا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں عائشہ کو آپ کے پاس اپنی امانت سمجھتا ہوں۔" وہ مضبوط لہجے میں گویا ہوا۔ عائشہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی۔

فاطمہ کے لیے تو یہ اک یادگار دن تھا ہی۔ جب بن مانگے اس کی جھولی خوشیوں سے بھر گئی، مگر عریشہ نہیں جانتی تھی کہ یہ دن اس کے لیے بھی بے حد اہم ہو گا۔ اتنا اہم کہ وہ اسے ساری زندگی نہ بھلا سکے گی... فاطمہ تیار ہونے کے لیے پارلر جا چکی تھی۔

عریشہ نے تیار ہو کر خود کو آئینے میں دیکھا۔ لانگ فراک اور چوڑی دار پاجامے میں وہ مغلیہ شہزادی لگ رہی تھی۔ کھلے بالوں میں برش چلاتے اس نے خود کو کسی اور کی نگاہ سے دیکھا اور شرما گئی۔ تب ہی عادلہ اندر آئیں تو اسے دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔ عریشہ کے چہرے پر اتنے رنگ تھے کہ نظر ٹھہرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ آہستہ سے چلتی اس کے قریب آئیں۔

"امی! میں ٹھیک لگ رہی ہوں۔" عادلہ نے منہ میں کچھ پڑھ کر اسی پر دم کیا اور بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی۔

"ارے، آج اتنا لاڈ کیوں؟" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"جتنی روشن تمہاری پیشانی ہے۔ خدا اتنا ہی روشن تمہارا نصیب کرے۔ گرم ہوا سے بھی بچائے۔" نجانے کیوں ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"کانوں میں یہ پہن لوں؟" عریشہ نے جیولری باکس سے ٹاپس اٹھائے۔

"نہیں۔ ایسا کرو سیٹ کے ساتھ کی جھمکیاں پہن لو۔" بے اختیار عادلہ کے دل میں خواہش پیدا ہو گئی۔ "میں ابھی نکال کر لاتی ہوں۔" عادلہ الماری کی طرف مڑیں۔ عریشہ نے جلدی سے ان کا بازو پکڑ لیا۔

"نہیں۔ وہ بہت بھاری ہیں۔ میں یہی پہن لیتی ہوں۔" اس نے جلدی جلدی کانوں میں ٹاپس پہنے۔ باہر شور سا اٹھا تھا۔ "میرا خیال ہے۔ فاطمہ آپی آ گئیں۔ امی! آپ بھی جلدی سے آ جائیں۔" وہ کہہ کر عجلت میں باہر بھاگی۔

"بچوں جیسی ایکسائٹمنٹ ہے۔" عادلہ ہنس دیں۔

ڈیوڑھی کا دروازہ عبور کرتے وہ بری طرح ابرار سے ٹکرائی۔

"اُفوہ! ایک تو تم ہمیشہ درمیان میں آ جاتے ہو۔" وہ پیشانی مسلتے جھنجلائی۔

"میں درمیان میں آ جاتا ہوں یا آپ خود ٹکریں مارتی پھر رہی ہیں۔" ابرار نے دلچسپی سے اس مغلیہ شہزادی کو دیکھا۔

عریشہ کوئی سخت جواب دینا چاہتی تھی، مگر عقب میں بیٹھک میں سے مردوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سو اسے گھورتی اندر چلی گئی۔

"کوئی لڑکی اتنی خوبصورت بھی لگ سکتی ہے۔" ابرار نے چپکے سے سوچا۔

فاطمہ پارلر سے تیار ہو کر آ گئی تھی۔ نکاح کے بعد نبیلہ نے فاطمہ کو گلے سے لگا کر پیار کیا تو چونک سی گئیں۔ انہوں نے مڑ کر عادلہ کو دیکھا۔ وہ محلے دار عورت سے باتیں کر رہی تھیں۔ نبیلہ کو اپنی طرف دیکھتے پایا تو سمجھیں کوئی بات کرنا چاہتی ہے۔ تب ہی معذرت کر کے نبیلہ کے پاس آ گئیں۔

"بہت مبارک ہو نبیلہ!"
"تمہیں بھی... لیکن میں نے تمہیں منع کیا تھا، پھر تم نے عریشہ کا زیور فاطمہ کو کیوں دیا؟" انہوں نے دبی آواز میں کہا۔
"ارے نہیں، میں نے تو نہیں دیا۔"
"فاطمہ کا زیور دیکھو، وہی ڈیزائن نہیں۔ آخر ہم دونوں نے پسند کیا تھا۔ کیسے بھول سکتی ہوں۔"
عادلہ نے چونک کر فاطمہ کو دیکھا۔
"یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ان کی سرسراتی بے یقین آواز ابھری۔
"خود کو سنبھالو۔" نبیلہ نے دبی آواز میں کہا۔ عادلہ عقب میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں۔
"مریم! اپنی چچی کے لیے پانی لاؤ۔" نبیلہ نے پاس سے گزرتی مریم کو پکارا تو دور کھڑی عریشہ نے گھبرا کر ماں کو دیکھا اور مضطرب سی ہو گئی۔ عادلہ نے دو گھونٹ پانی لے کر خود کو سنبھالنے کی سعی کی۔ انہیں فاطمہ کی رخصتی تک یہیں رکنا تھا۔ جیسے ہی رخصتی ہوئی وہ تیزی سے اپنے گھر آئیں۔ ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔
پرس سے چابیاں لیتے، الماری کا لاک کھولتے، اندر سے زیور کا ڈبا نکال کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ ڈبا کھولنے تک انہوں نے کتنی ہی دعائیں کیں۔
"کاش یہ ان کا وہم ہو۔" مگر ڈبا کھلتے ہی سارے وہم اڑنچھو ہو گئے۔ باقی رہی تو بے یقینی۔
عریشہ چپکے سے دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔ انہوں نے سر اٹھا کر عریشہ کو دیکھا۔ وہ ہاتھ ملتی مضطرب سی ان کے قریب آئی۔
"امی! یہ..."
"تالا ٹوٹے بغیر چوری ہو جائے تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ کسی گھر والے کی کارروائی ہے۔"
عریشہ نے سر جھکا لیا۔ عادلہ کھڑی ہو گئیں۔
"کیوں عریشہ؟"
"امی! انہیں ضرورت تھی۔" وہ شرمندہ نہیں تھی۔
"کیوں عریشہ؟"
"امی! غیر نہیں، ہمارے اپنے ہیں۔"
"کیوں عریشہ؟" ان کی آواز بلند ہوئی۔
"امی! میں ثوبان کو مشکل میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کی فیس جانی تھی۔ وہ بہت پریشان تھا۔ میں..."
"میں تمہاری ماں تھی عرشی!" ان کا تھپڑ عریشہ کے گال پر پڑا۔
"تم نے اپنی ماں کو دھوکا دیا... اپنے ہی گھر میں چوری کی... ان لوگوں کے اکسانے پر۔"
"مجھے کسی نے نہیں اکسایا۔" وہ ایک دم چیخ اٹھی۔ "آپ خوامخواہ ان پر الزام مت لگائیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں آپ کی طرح خود غرض اور بے حس نہیں ہو سکتی۔ آپ نے ساری زندگی انہیں حقیر سمجھا، لیکن وہ میرے اپنے ہیں۔ میں ان سے نظریں نہیں پھیر سکتی۔"
ان کے گلے پر کوئی چھری بھی پھیر دیتا، انہیں تب بھی اتنی تکلیف نہ ہوتی، جتنی عریشہ کے الفاظ نے انہیں پہنچائی۔ وہ ماں ہو کر ایک پل میں غیر ہو گئی تھیں۔
"ثوبان کی وجہ سے؟" عادلہ کو اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی سنائی دی۔
"جی... میں ثوبان سے محبت کرتی ہوں اور اسی سے شادی بھی کروں گی۔" عریشہ کے لب و لہجے سے لحاظ

مروت، شرم و حیا سب کچھ غائب تھا۔

"اگر میں نہ کروں تو..."

"تو میں سمجھوں گی کہ تائی امی بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ آپ کو بیٹی اور اس کی خوشی نہیں، صرف اپنا احساس برتری عزیز ہے۔ لیکن مجھے صرف اور صرف ثوبان سے شادی کرنا ہے۔"

وہ اپنی بات کہہ کر رکی نہیں۔ چلی گئی تھی اور عادلہ... انہیں لگا ان کا دل بند ہو گیا ہے۔

لگا نہیں۔ سچ مچ ان کا دل بند ہو گیا تھا۔



"عریشہ! تم نے ایسا کیوں کیا؟"

نبیلہ کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ تھپڑوں سے اس کا منہ لال کر دیں۔

عریشہ ٹکر ٹکر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ رو رو کر آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ یوں بھی ہوتا ہے... اس طرح بھی ہو سکتا ہے...

ایک پل کے لیے بھی عریشہ کا ذہن اس حد تک نہیں گیا تھا۔ ماں ڈانٹے گی، پیٹے گی... پھر رو پیٹ کر چپ کر جائے گی، لیکن ایسی ابدی خاموشی اوڑھ لے گی... اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

قدموں تلے زمین کا نکلنا کیا ہوتا ہے؟

قیامت کسے کہتے ہیں؟ ماں کا مردہ وجود دیکھ کر احساس ہوا۔

کیسی بے یقینی تھی ماں کی آنکھوں میں۔ زرد رنگت، کپکپاتا وجود۔

نبیلہ کو اس پر ترس نہیں آ رہا تھا۔

"کوئی یوں ماں کا اعتبار کرچی کرچی کرتا ہے؟ کوئی اس طرح ماں کو دھوکا دیتا ہے۔ جس طرح تم نے دھوکا دیا۔ اس کا تمہارے سوا اور کون تھا؟... کیسے پیسہ پیسہ جوڑ کر تمہارے لیے وہ زیور بنایا تھا۔ میں نے ہی صلاح دی تھی کہ کچھ نہ کچھ عرشی کے لیے جوڑ لو... یہاں تو سب کے سب خود غرض ہیں۔ دکان ہتھیالی، کبھی ایک پائی نہیں دی... ہر مہینے آنے بہانے اس سے رقم بٹور لی جاتی تھی۔ اور مہینے کے آخری دنوں میں وہ خالی ہاتھ ہوتی۔"

کمرے میں اندھیرا بہت بڑھ گیا تھا۔ نبیلہ کا چہرہ اسی تاریکی میں گم ہونے لگا۔

عریشہ کے لب باہم پیوست تھے۔

"وہ ہمیشہ کہتی، میری بیٹی بہت معصوم ہے، وہ نقاب کے پیچھے چھپے چہرے نہیں کھوج سکتی۔ دوسروں کی میٹھی میٹھی باتوں میں فوراً آ جاتی ہے اور میں ہمیشہ اس سے کہتی کہ تم عریشہ سے ساری باتیں کیوں چھپاتی ہو، اسے بتایا کرو، سمجھایا کرو۔"

نبیلہ نے دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کیا۔

"مگر وہ کہتی، میں نہیں چاہتی کہ وہ اپنے حقیقی رشتوں سے نفرت کرنا سیکھے... عریشہ! تم نے اپنی محبت کرنے والی ماں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" عریشہ کے لبوں سے چیخ نکل گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ نبیلہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"صبر سے کام لو... اب زندگی کو خود برتو گی تو احساس ہو گا۔ ہر وقت چھاؤں بن کر ساتھ رہنے والی ماں نہیں ہے۔ دعا ہی کر سکتی ہوں کہ خدا تمہارے اس گناہ کو معاف کر کے پرسکون زندگی عطا کرے۔"

حمیدہ نے اندر جھانکا۔

نجانے اتنا وقت بھی کیسے صبر کیا تھا۔ عریشہ کو روتا دیکھ کر لپک کر اندر آئیں اور عریشہ کو بانہوں میں بھر لیا۔ نبیلہ

نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔ عریشہ روتے روتے بے حال ہونے لگی۔
"اب بس بھی کرو۔ تم تو حد کرتی ہو نبیلہ!"
"میں کیا کر رہی ہوں۔ اسے اس کی غلطی کا احساس دلا رہی ہوں۔" نبیلہ نے بمشکل غصہ ضبط کیا۔
"کون سی غلطی؟" حمیدہ چمک کر بولیں۔ "میری بیٹی نے کوئی غلطی نہیں کی۔ ہمارا احساس کیا۔ آخر خون کا رشتہ تھا۔ اس کا باپ زندہ ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔ اب عادلہ نے زیادہ ہی دل پر لے لیا تو اس میں بچی کا کیا قصور۔۔۔"
نبیلہ نے تاسف سے انہیں دیکھا پھر کھڑی ہو گئیں۔ "چلتی ہوں۔۔۔ کل آؤں گی۔"
نبیلہ باہر نکل گئیں۔
"نہ رو میرا بچہ۔۔۔ نہ رو۔۔۔"
"میری امی مر گئیں۔"
"نہ ایسے نہ کہہ۔۔۔ میں ہوں نا۔" وہ اسے ساتھ لگائے پچکارے گئیں۔



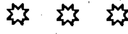
گہری تاریک قبر تھی۔ جس وہ دھنستی جا رہی تھی۔ سانس لیتی تو ریت حلق میں پھنسنے لگتی۔۔۔ کہیں کوئی روزن، روشنی کی کوئی کرن تک نہ تھی۔ اسے لگا، وہ دم گھٹنے سے مر جائے گی۔
وہ ہاتھ ہلانا چاہتی تھی مگر اس کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے کسی نادیدہ شکنجے میں۔ وہی شکنجہ اس کے گلے میں پھنسنے لگا تھا۔
وہ پوری قوت سے چیخی۔ ساتھ سوئی فاطمہ ہڑبڑا کر جاگی اور چیختی ہوئی عریشہ کو جھنجھوڑ دیا۔
"عرشی۔۔۔ عرشی کیا ہوا؟" وہ فاطمہ سے لپٹ گئی۔
"تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے، ہے نا۔"
وہ اس سے لپٹ کر بس روتی رہی۔
"اسی لیے کہتی ہوں یہاں مت سویا کرو۔ وہاں میرا پلنگ اب خالی ہو جائے گا۔ تم وہیں چلی جاؤ۔"
"اور آپ؟" وہ فاطمہ سے الگ ہوئی۔ "آپ کہاں جا رہی ہیں؟"
"عریشہ! میری شادی ہو گئی ہے۔" فاطمہ نے گویا اسے یاد دلایا۔
"آپ چلی جائیں گی؟" عریشہ کو فاطمہ کا بہت آسرا تھا۔ مریم لاپروا سی لڑکی تھی۔ فاطمہ نے ہی اسے سنبھالا تھا۔ امی اس کے ساتھ سوتی۔
"کل چچی کا چالیسواں ہو جائے گا تو میں چلی جاؤں گی۔" فاطمہ بولی۔
وہ کچھ لمحے بے یقینی سے فاطمہ کو دیکھتی رہی، پھر دوبارہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"عریشہ!" فاطمہ بے بس سی اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ میری امی میری وجہ سے مریں۔"
"کب تک اس طرح روتی رہو گی عریشہ۔۔۔ ہمت کرو، حوصلہ کرو۔"
عریشہ روتے روتے اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔ فاطمہ دھیرے دھیرے اس کی پشت تھپکنے لگی۔
"عریشہ! اگر ہمیں اپنی غلطیوں کے نتائج کا احساس پہلے سے ہونے لگے تو ہم وہ غلطی ہی کیوں کریں۔۔۔ اسی لیے کہتے ہیں کبھی اپنے بڑوں کے فیصلوں کے خلاف نہ جائیں۔ تمہاری اس غلطی میں ہم سب برابر کے شریک ہیں۔ چچی کی موت کی ذمہ دار صرف تم نہیں، ہم سب ہیں۔۔۔ ہماری چشم پوشی ہماری خود غرضی ہے۔" فاطمہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

ساری رات وہ دونوں عادلہ کی باتیں کرتی رہیں۔
رات گزر گئی مگر عریشہ کا احساس جرم وہیں کا وہیں رہ گیا تھا۔



وہ اپنے گھر کے صحن میں چارپائی پر لیٹی تھی۔ جب ایک آہٹ کے ساتھ موتیا کے پھولوں کی مدھر مہک اس کے چہار سو پھیل گئی۔ عریشہ نے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔
وہ پھول اس کے سرہانے رکھ کر سیدھا ہو رہا تھا۔ سیدھا ہوا تو چاند اس کی پشت پر آنکھ مچولی کھیلنے لگا۔ عریشہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"لائٹ بھی نہیں جلائی' یوں تنہا اندھیرے گھر میں آکر کیوں لیٹ گئی ہو۔" ثوبان چارپائی کے کنارے ٹکا۔
"مریم بلانے آئی تھی' آئیں کیوں نہیں؟"
"یونہی۔ دل نہیں چاہا۔"
"کیوں؟"
"بس زندگی بے معنی سی لگنے لگی ہے۔ میں چاہوں تو بھی خود کو اس گلٹ سے آزاد نہیں کر سکتی کہ امی کی موت میری وجہ سے ہوئی۔"
آج بہت دنوں کے بعد وہ بہت فرصت سے اس کے پاس بیٹھا تھا۔ عریشہ کا دل چاہا۔ ہر بات اس سے شیئر کرے۔
"اس طرح تو تم مجھے شرمندہ کر رہی ہو۔ آخر یہ سب تم نے میری خاطر ہی تو کیا۔"
"نہیں' میں نے سب کچھ اپنی مرضی سے کیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ انجام یہ ہوگا۔" وہ تاسف سے ہتھیلیاں مسلنے لگی۔
ثوبان نے ذرا سا مڑ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔
"نہیں عرشی! اگر اس دن میں اتنا جذباتی نہ ہوتا۔ تم سے وہ سب نہ کہتا' تو تم یہ قدم کبھی نہ اٹھاتیں۔ میں اس کے لیے خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتا اور اس پر جب تمہیں یوں گم صم' چپ چاپ اک کونے میں پڑا دیکھتا ہوں میرا دل کڑھتا ہے۔ عرشی! اس خول کو توڑ دو۔ باہر نکلو' کالج جایا کرو' یوں تو ختم ہو جاؤ گی۔ دیکھو! تم مجھے بہت پیاری ہو۔ میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔"
وہ اس کی آواز کی گمبھیرتا میں کھوتی چلی گئی۔
اس کی آواز کی لہروں میں بہتے بہتے دور نکلنے لگی۔ ہر دکھ' ہر غم اور ہر احساس ندامت ڈھلتا چلا گیا۔
"سنو عرشی! اپنے اندر کے ہر احساس ندامت کو اسی رات کے حوالے کر دو۔ مجھے اس رات کے بعد وہی عر
چاہیے۔ ہنستی مسکراتی' پراعتماد' پیاری سی عرشی۔ ہوں۔"
عریشہ کی گردن لاشعوری طور پر اثبات میں ہلی۔
"اب اٹھو' سب لوگ انتظار کر رہے ہیں۔" وہ کھڑا ہوا۔
عریشہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
ٹھیک تو کہتا ہے ثوبان۔ میرے ٹھہر جانے سے کیا ہوگا۔ زندگی تو آگے ہی آگے چلتی جائے گی۔ دنیا کے
تھوڑی رکیں گے۔ یہ نقصان عظیم صرف میرا ہے۔ فاطمہ آپی کچھ دن رکیں' سسرال چلی گئیں۔ مریم بدس
کالج جاتی ہے۔ میرے یوں خود کو تنہا کر لینے سے امی تو واپس نہیں آئیں گی۔
"عریشہ! اس طرح تم چچی کی روح کو بھی تکلیف دے رہی ہو۔" ثوبان نے اپنا ہاتھ پھیلایا۔

عریشہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور سہارے سے کھڑی ہو گئی۔
دونوں ساتھ ساتھ چلتے حمیدہ کے پاس آ گئے۔



صبح وہ کالج جانے کے لیے تیار ہو کر کچن میں آئی تو پراٹھے بناتی تائی کے ساتھ ساتھ مریم نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔
"تائی امی! مجھے بھی ناشتا دیں۔" وہ خود کو بشاش ظاہر کر رہی تھی۔
"پر عریشہ! تمہارا تو نام بھی کٹ گیا ہے۔" مریم نے کہا۔
"پرنسپل سے بات کروں گی، شاید کوئی رستہ نکل آئے۔" وہ پیڑھی کھینچ کر بیٹھی۔
"اچھا۔ اچھا جیسے تمہارا دل مانے۔ میں نے تو سوچا تھا کہ تم گھر پر ہو گی تو کچھ میرا بھی ہاتھ بٹا دیا کرو گی۔ چلو اچھا۔" نجانے کیوں وہ مایوس سی ہو گئی تھیں۔ نعمان نے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔
"چلو اچھا ہے، تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔"
ناشتا کر رہی تھی۔ جب وین آ گئی۔ وہ مریم کے ساتھ دوپٹہ اوڑھتی ڈیوڑھی سے گزری تو ابرار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ آج وہ بہت دنوں کے بعد نظر آئی تھی۔
"آج مجھے بھی ناشتہ ملے گا یا خود ہی ٹھونستی رہو گی۔" برکت حسین کی آواز پر وہ بری طرح چونکا۔ عریشہ جا چکی تھی۔
"ہاں۔ میں نوکر لگی ہوں، صبح سے شام تک روٹیاں پکا کر تمہارا دوزخ بھرتی رہوں اور کسی کو تو ہاتھ ہلانا بھی گوارا نہیں۔" حمیدہ چلائیں۔ انہیں نجانے کس بات پر غصہ آ رہا تھا۔ ناشتا کرتے نعمان نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔
"سارے ٹبر کو کھلا دے گی۔ جہاں میری باری آئی۔ وہیں ٹر ٹر شروع۔ ناشتا لاتی ہو، یا آ کر دوں چولہے میں سر۔" وہ حلق کے بل چلائے۔
"بڑا آیا میرا سر چولہے میں دینے والا۔"
"اماں! میرا خیال ہے اب تم سے کام نہیں ہوتا۔" نعمان نے کہا۔
"ساری زندگی ہڈیاں گھسائی ہیں۔ اب اس عمر میں بھی آرام نہیں۔" حمیدہ نے غصے سے پیڑا پرات میں پٹخا۔
"جب تک فاطمہ تھی، کسی بات کی فکر ہی نہ تھی۔ دوسری تو بس دشمن اناج کی ہے۔"
"تو لے آؤ نا فاطمہ جیسی ہاتھ بٹانے والی۔" وہ دھیرے سے اپنی مطلب کی بات کرنے لگا۔ حمیدہ کی چھٹی حس بول اٹھی۔
"کیا مطلب؟"
"ارے بھئی بہو لے آؤ۔ ویسے بھی اماں! اب تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" وہ ہنسا۔
"تجھے اپنی شادی کی بڑی فکر ہے۔"
"میں تو تمہاری وجہ سے کہہ رہا تھا۔"
"کر دوں گی۔ کنوارا نہیں رکھوں گی۔ اتنا اتاولا نہ ہو۔"
نعمان جزبز ہو کر رہ گیا۔ دنیا جہان کی ماؤں کو بیٹوں کی شادی کا ارمان ہوتا ہے۔ یہاں الٹا چکر چل رہا تھا۔ وہ بددل ہو کر ناشتا ادھورا چھوڑ کر اٹھ گیا۔
"ہونہہ۔ خوب سمجھتی ہوں تیرے ارادے۔ وہ استانی بیاہ لاؤں۔ مجھے کیا بٹھا کر کھلائے، خود اسی کو پکا کر دینا

پڑے گا....."
"میں نے کہا....."
"ارے لاتی ہوں۔ ذرا صبر تو کرو۔" حمیدہ نے جھنجھلا کر برکت حسین کی دھاڑ کو درمیان میں ہی روک دیا۔
"ماموں! آپ مامی سے اتنا لڑ کیسے لیتے ہیں۔" ابرار ہنستے ہوئے کھڑا ہو گیا۔
"اب تو عادت ہو گئی ہے۔" وہ لاپروائی سے بولے۔ "تم ناشتہ نہیں کرو گے؟"
"نہیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ اس کی کوشش تھی۔ وہ ان لوگوں پر کم سے کم بوجھ بنے۔
"مرضی تمہاری۔ لگتا ہے خود ہی لینا پڑے گا۔"
وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ گئے۔



فاطمہ نے آتے ہی گھر سنبھال لیا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح محسن چاہتا تھا۔ طیبہ اور جمال بھی ابھی یہیں تھے۔ نبیلہ نے پہلے ہی جمال کو سمجھا دیا تھا۔
"میں طیبہ کے منہ سے محسن اور فاطمہ کے حوالے سے کوئی فضول بات نہ سنوں۔ یہ خالصتاً" میرا فیصلہ ہے' جسے محسن نے بخوشی قبول کیا۔ اب جتنے دن تم اور طیبہ یہاں ہو' اسے اچھی طرح سمجھا دینا۔"
اور جمال نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ سو دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے کے سوا ابھی تک اس کی زبان بند ہی تھی' مگر کبھی کبھی ان سب کو ہنستے بولتے دیکھ کر اسے جلن سی ہونے لگتی۔ اپنا آپ پرایا سا لگتا۔
طیبہ کچن میں آئی تو فاطمہ ہولے ہولے گنگناتے ہوئے بریانی بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ ہمیشہ سیدھی مانگ نکال کر سادہ سی چوٹی بنانے والی فاطمہ کی وضع قطع ہی بدل گئی۔ میرون کڑھائی والے سوٹ میں ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ' سیدھے بالوں کی بھی ہلکی سی کٹنگ کروائی گئی تھی۔ اندرونی خوشی نے جو چمک فاطمہ کے چہرے کو عطا کی تھی۔ اس کا مقابلہ طیبہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔ فاطمہ آہٹ پر مڑی۔
"کچھ چاہیے بھابی!"
"مجھے کچھ چاہیے ہو گا تو میں خود لے لوں گی۔ جتنا یہ تمہارا گھر ہے' اتنا ہی میرا بھی ہے۔ بلکہ تم سے زیادہ میرا حق بنتا ہے۔ آخر میں اس گھر کی بڑی بہو ہوں۔"
"جی۔ میں نے تو یونہی پوچھ لیا تھا۔" فاطمہ خجل سی ہو گئی۔
"ویسے طیبہ بھابی!" اندر آتے محسن نے ان کی بات سن لی تھی۔ "کیسی عجیب سی بات ہے۔ دوسروں کے ساتھ ساتھ آپ کو خود کو بھی یاد دلانا پڑتا ہے کہ آپ اس گھر کی بڑی بہو ہیں۔"
فاطمہ نے مسکراہٹ چھپانے کو رخ موڑ لیا۔ طیبہ کا مقابلہ بھی اس گھر میں صرف محسن ہی کر سکتا تھا۔
"ویسے لوگ اتنا ڈھونگ کیوں رچاتے ہیں؟"
"کیسا ڈھونگ؟"
"یہی' سب کو یہ تاثر دیتے ہو کہ یہ ارینج میرج ہے' حالانکہ تم دونوں کو دیکھ کر لگتا تو نہیں۔" طیبہ نے طنز سے کہا۔ فاطمہ نے گھبرا کر محسن کو دیکھا۔
محسن ایک بازو فاطمہ کے کندھوں پر پھیلاتے ہوئے ہنس دیا۔
"ہے تو یہ ارینج میرج ہی۔ لیکن آپ چاہیں تو اپنے دل کی تسلی کے لیے اسے ایک خوبصورت سی لو اسٹوری میں بدل دیں۔ آپ تو یوں بھی ان کاموں میں ماہر ہیں۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے۔" طیبہ کو غصہ آگیا۔
"ارے میں تو بتانا بھول گیا۔ آپ کو جمال بھائی بلا رہے ہیں۔"
طیبہ دونوں کو گھورتے چلی گئی۔
"یہ پھاپھا کٹنیوں والی عادتیں کہاں سے لی ہیں آپ نے۔" فاطمہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔
"محترمہ! جو جیسا ہو اس کے ساتھ ویسا ہی ہو کرنا چاہیے۔"
"جی نہیں، برائی کا بدلہ ہمیشہ نیکی سے دیتے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔"
"اچھا۔ تو یہ میری کس برائی کا بدلہ ملا ہے۔" وہ اس کی ناک چھو کر شرارت سے پوچھنے لگا۔
"فضول مت بولیں۔" فاطمہ رخ بدل گئی۔
"فاطمہ تم خوش ہو؟"
"بہت۔" فاطمہ نے بلا جھجک کہا۔
"ہم سے کوئی شکایت تو نہیں۔"
"نہیں بس ایک ہلکی سی الجھن ہے؟"
"کیسی الجھن؟"
"یونہی۔ کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے پھپھو کے دل میں کوئی بات ہے۔"
"تمہارا مطلب ہے کہ وہ روایتی ساس بنتی جا رہی ہیں۔" محسن سنجیدہ ہوا۔
"ارے نہیں۔ وہ تو بہت اچھی ہیں۔ بس یونہی لگتا ہے جیسے ان کے دل میں کوئی گرہ ہے۔ وہ کہتی تو نہیں ہیں۔ بس فیل ہوتا ہے۔" وہ الجھ کر بولی۔
"امی کے دل میں اگر کوئی بات ہو تو وہ دل میں نہیں رکھتیں۔ بہت اچھے طریقے سے شیئر کر لیتی ہیں۔ وہ ہمیشہ کہتی ہیں کہ بدگمانی اور غلط فہمی چھوٹے چھوٹے سنپولیے ہوتے ہیں۔ جنہیں ہم اپنے اندر پالتے رہیں تو وہ اژدھے بن کر ہماری ساری خوشیوں کو اور خوبصورت رشتوں کو نگل لیتے ہیں۔ اس لیے ڈونٹ وری! ان کے دل میں اگر تمہارے حوالے سے کوئی بات ہوئی تو وہ تم سے ضرور شیئر کریں گی۔" محسن نے تسلی دی۔
"نہیں یونہی بس فیل ہوا تو میں نے کہہ دیا۔" فاطمہ شرمندہ ہوگئی۔
"تم نے بالکل ٹھیک فیل کیا ہے فاطمہ!"
نبیلہ کی آواز پر وہ دونوں ایک ساتھ پلٹے۔



جمیلہ کو کسی کروٹ چین نہیں تھا۔ اس کا بیٹا دوسروں کے گھر میں رہ رہا تھا۔ چھوٹی موٹی نوکریوں کے لیے دھکے کھاتا پھر رہا تھا۔ اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لیے دن میں ٹیوشن پڑھاتا تھا اور رات کو جاگ جاگ کر اپنی پڑھائی کرتا تھا۔
اور جمیلہ کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کہاں سے اتنے پیسے لے آئے کہ اس کا بیٹا اپنی فیس آرام سے بھر سکے۔ بہت سوچ کر وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئی۔
اصغر دوپہر کی روٹی کھا کر واپس زمینوں پر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔
"بھا اصغر! میری بات سن کر جانا۔" وہ اس کے کمرے کے دروازے پر آکھڑی ہوئی۔ لسی ڈالتی کبریٰ نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"ابھی کچھ سنانا باقی رہتا ہے؟" وہ تنک کر بولی تھی۔

"میں نے اپنی بھینس بیچنی ہے۔ اگر تم نے رکھنی ہے تو اس کی قیمت لگوالو۔۔۔ نہیں تو کسی اور سے بات کرلو۔
کبریٰ کی بات نظرانداز کر کے جمیلہ نے کہا۔
کبریٰ اور اصغر کی نظریں آپس میں ٹکرائیں۔
"بھینس کیوں بیچنی ہے؟" کبریٰ نے سوال کیا۔
"بلو کو کالج کی فیس دینی ہے۔ جو ہزاروں میں ہے۔"
"ایک بار بھینس بیچے گی۔ بعد میں کیا کرے گی؟" اصغر نے طنز سے پوچھا۔
"بعد کا اللہ مالک ہے۔ ویسے تمہیں بھی پتا ہے۔ چھ ماہ پہلے اس کی قیمت ایک لاکھ پینتیس ہزار لگی تھی۔ آ کے تو خود دیکھ لے۔" جمیلہ کہہ کر باہر نکل گئی۔
"میرا خیال ہے' خود ہی رکھ لیتے ہیں۔ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ بڑی نسل کی بھینس ہے۔" اصغر نے کبریٰ سے رائے مانگی۔
"اس کا بس چلے تو بیٹے کی پڑھائی کے پیچھے خود کو بھی بیچ دے۔"
کبریٰ نے جل کر گلاس پٹخا۔



"اماں!" مریم اندر آئی۔ وہ نعمان کے ساتھ کچھ حساب کتاب کر رہی تھیں۔
"وہ ماسٹر صاحب کے گھر سے آمنہ خالہ آئی ہیں۔"
"اے لو۔۔۔ خود ہی رشتہ لے کر آگئی۔"
حمیدہ نے حسب فطرت سوچا۔ جبکہ نعمان سب حساب کتاب چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔
"اکیلی آئی ہیں؟" اس کے سوال پر حمیدہ نے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔
"اور کیا پورے ٹبر کو اٹھا کر ساتھ لے آتی۔"
"نہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے۔" وہ گڑبڑایا پھر غصے سے مریم سے بولا۔ "نہیں باہر کیوں کھڑا کیا ہے۔ اندر لے آؤ۔"
"باہر کیوں کھڑا کروں گی۔۔۔ میں نے کمرے میں بٹھا دیا ہے۔"
حمیدہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی دوسرے کمرے میں آئیں۔ اتنے تپاک سے حمیدہ نہیں ملی۔ جتنے تپاک سے نعمان نے ان کی خیر خیریت دریافت کی۔ بلکہ وہیں براجمان ہو گیا۔
"عادلہ بہن کا پتا چلا تھا۔ میں تب ہی آنا چاہتی تھی' مگر ان دنوں میری طبیعت بہت خراب تھی۔ ہسپتال رہ پڑا۔" انہوں نے متانت اور سادگی سے کہا۔
"بس جی اللہ کی یہی مرضی تھی۔ بس کھڑے کھڑے رخصت ہو گئی' پتا ہی نہیں چلا۔" حمیدہ کا انداز روکھا سا تھا۔
"اور آپ دوائیاں تو اچھی طرح لے رہی ہیں ناں۔" نعمان نے پوچھا۔
حمیدہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائیں۔
"ہاں۔۔۔ اللہ کا شکر ہے۔ اب تو میں ٹھیک ہوں۔" نعمان کو جواب دے کر وہ پھر سے حمیدہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔
"ماشاءاللہ! سمجھ دار اور نیک بیٹا ہے آپ کا' مشکل کی گھڑی میں ہمارا بہت ساتھ دیا۔"
"اچھا۔ اس نے تو کبھی نہیں بتایا کہ اس کا آپ کے گھر اتنا آنا جانا ہے۔" حمیدہ نے طنز سے کہا۔

”اتنا تو نہیں۔۔۔ بس کبھی کبھار ہی۔“ نعمان جز بز ہو کر کھڑا ہوا۔

”میں چائے کا کہہ دوں۔“ وہ وہاں سے ہٹا۔ مریم پہلے ہی چائے بنا رہی تھی۔ اسے روک کر کہ میں بیکری سے کچھ سامان لے آؤں‘ پھر چائے بنانا کہہ کر چلا گیا۔

”بیٹی کی شادی اچھے طریقے سے ہو گئی؟“ گفتگو تعزیتی کلمات سے نکل کر روزمرہ پر آ گئی۔

”ہاں۔۔۔ ہو گئی۔۔۔ آپ کی تو ایک ہی بیٹی ہے نا۔ کیا کرتی ہے۔“ حمیدہ نے یکسر انجان بن کر پوچھا۔

”جی۔۔۔ اسکول میں پڑھاتی ہے۔ گورنمنٹ جاب ہے۔“

”ایک تو یہ آج کل کی لڑکیوں کو نوکری کی پڑ جاتی ہے۔ چار جماعتیں پڑھی نہیں کہ گھر سے نکلنے کی پڑ گئی۔ اللہ بخشے عادلہ بھی پڑھاتی تھی۔ اپنی چھوٹی سی بچی کو میری گود میں پھینک کر خود اسکول کو نکل جاتی۔ سچی بات ہے ایسی عورتوں کے بچے تو پھر میری تیری گود میں ہی پلتے ہیں۔“

حمیدہ کا لہجہ و انداز اس پر یہ نادر خیالات۔ آمنہ اگلی بات کرنا بھی بھول گئیں۔

”کہیں رشتہ کیا لڑکی کا۔“

”نہیں۔۔۔ بس دیکھ رہے ہیں۔“ ان کا لہجہ خود بخود دھیما ہو گیا۔

”دیکھنے میں ہی وقت نہ نکال دینا۔۔۔ ورنہ لڑکیاں گھر بیٹھے ہی بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ میں نے تو وقت پر فاطمہ کو رخصت کر دیا۔۔۔ اب جیسے ہی مریم کا رشتہ جڑا‘ اس کا بھی کر دوں گی۔۔۔ باقی رہ گئے لڑکے‘ تو ان کی مجھے فکر نہیں۔۔۔ آج کل تو ویسے ہی ماں باپ نے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنی لڑکیوں کو آگے کر رکھا ہے کہ لو خود ہی بر ڈھونڈ لو۔ اور لڑکیاں آگے پیچھے پھر کر خود ہی سارا معاملہ سیٹ کر لیتی ہیں۔“

آمنہ خاتون کی رنگت زرد پڑ گئی۔

”آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ میری بچی ایسی نہیں۔“ انہوں نے ماتھے پر آیا پسینہ چادر کے پلو سے صاف کیا۔

”میں آپ کی بات تو نہیں کر رہی۔ میں تو عام بات کر رہی ہوں۔ محلے میں ادھر ادھر سے کچھ نہ کچھ سننے کو مل ہی جاتا ہے۔۔۔ کہ فلاں کا فلاں کے ساتھ چکر چل رہا ہے۔۔۔ یہ لڑکا اس لڑکی کے گھر کے چکر کاٹ رہا ہے۔“ انہوں نے ہنستے ہنستے لاپروائی سے جو بات کی تھی‘ وہ تیر کی طرح آمنہ کے دل میں گڑ گئی۔

اب مزید ٹھہرنے کا مطلب مزید بے عزتی کروانا تھا۔

”میں اب چلتی ہوں‘ کافی دیر ہو گئی۔“

”ارے ابھی تو آئی ہیں۔ چائے پی کر جائیے گا‘ مریم لا رہی ہو گی۔“

”شکریہ بہن! چائے کے لیے ڈاکٹر نے منع کیا ہے۔“ وہ گھٹنوں پر زور ڈال کر کھڑی ہوئیں۔ یوں لگتا تھا ٹانگوں میں جان ہی نہ ہو۔

”ارے تو پہلے بتا دیتیں۔۔۔ میں کچھ ٹھنڈا منگوا لیتی۔“

”سمجھیں۔ میں نے پی لیا۔ اللہ حافظ۔“

دروازہ عبور کرتے ہوئے ان کی آنکھیں لبالب بھر آئیں۔

وہ بیٹی کی ماں تھیں۔ نعمان کی آنکھوں سے جھلکتے جذبے بھی پہچانتی تھیں۔ وہ اپنی زبان سے اعتراف بھی کر چکا تھا۔

اس گھر میں آتے ہوئے بیٹی کے حوالے سے کچھ ارمان‘ کچھ آرزوئیں‘ کچھ خواہشیں بھی دل میں تھیں۔ پوری گلی انہوں نے کس طرح عبور کی انہیں خود بھی خبر نہ تھی۔ قدموں کا کام چلنا تھا‘ سو چلتے رہے۔

اپنے گھر کے دروازے پر پہنچنے تک وہ سارے ارمان آنسوؤں میں بہہ گئے۔

ساری آرزوئیں، ساری خواہشیں خود بخود مرتی چلی گئیں۔
کیا یہ ذلت ان کا مقدر صرف اس لیے بنی کہ وہ بیٹی کی ماں تھیں۔
اک تلخ سوچ نے گھر کے دروازے پر ان کا ہاتھ تھاما تھا..... اس تلخ سوچ سے ہاتھ چھڑاتی۔ خود کو اللہ کی رضا میں راضی کرتی وہ اندر چلی گئیں۔



نعمان چیزوں سے لدا پھندا مسرور سا گھر واپس آیا۔ تو بیٹھک خالی تھی۔ وہ شاپر اٹھا کر کچن میں آگیا۔ جہاں مریم اب آٹا گوندھ رہی تھی۔
"بھائی! وہ تو چلی گئیں۔"
"چلی گئیں، کیا مطلب؟" نعمان ٹھٹک کر رہ گیا۔
"مطلب انہوں نے تعزیت کی اور چلی گئیں۔"
"چائے بھی نہیں پی! تمہیں روکنا تو چاہیے تھا۔"
مریم کے جواب دینے سے قبل ہی حمیدہ چلی آئیں۔ شاپرز کو دیکھ کر مزاج برہم ہو گیا۔
"روکا تھا۔ اب نہیں رکیں تو ہم کیا باندھ کر بٹھا لیتے۔"
"پھر بھی اماں! وہ پہلی بار ہمارے گھر آئی تھیں۔" نعمان الجھنے لگا۔ اسے بیکری سے واپس آنے میں اتنی دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ یوں اٹھ کر چلی جاتیں۔
"تجھے کیوں اتنی فکر ہے..... جیسے تیری ساس بغیر چائے پیے چلی گئی ہو۔" وہ چمک کر بولیں۔
"اماں! سوچ سمجھ کر تو بولا کریں۔" اس نے شاپرز پٹخے اور غصے سے بڑبڑاتا باہر چلا گیا۔
"تیور دیکھو اس کے..... اور سامان تو یوں اٹھا کر لایا ہے..... جیسے تعزیت کرنے نہیں اس کا ولیمہ کھانے آئی تھیں..... اے مریم! آٹا گندھ گیا ہے تو یہ چیزیں پلیٹوں میں نکال اور چائے بھی بنا لے۔"
"اماں! کوئی اور مہمان آ رہا ہے۔" مریم نے یونہی پوچھ لیا۔
"کیوں، ہمیں کھانا منع ہے؟" انہوں نے غصے سے کہا۔ پھر ایک رول نکال کر کھاتی ہوئی باہر چلی گئیں۔
مریم نے آٹا ڈھکا..... ہاتھ دھو کر چائے رکھی۔ اور پہلے خود نکال کر کھانے لگی۔



عائشہ نے کھانے کی ٹرے ماں کے سامنے رکھی اور پانی لینے چلی گئی۔
واپس آئی تو آمنہ اسی طرح گم صم سی بیٹھی تھیں۔ ایک نوالہ بھی نہیں توڑا تھا۔
"امی....."
وہ چونک کر بیٹی کو دیکھنے لگیں۔
"کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ روٹی اکڑ گئی تو آپ سے چبائی نہیں جائے گی۔"
"میں بھی دو بیٹوں کی ماں ہوں۔ یہ فخریہ اکڑ مجھ میں تو نہ آئی۔"
"امی! کس سوچ میں ہیں؟"
"استغفراللہ۔" عائشہ کے پکارنے پر انہوں نے اپنی سوچ پر لعنت بھیجی اور کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں..... مگر بھوک جیسے مر سی گئی تھی۔
"جب سے آئی ہیں۔ آپ اسی طرح خاموش سی ہیں..... کیا وہاں کوئی بات ہوئی ہے؟" عائشہ نے مدھم اور

محتاط انداز میں پوچھا۔
"نہیں... بات کیا ہو گی....." وہ پھیکے انداز میں مسکرائیں۔
"میں بچی نہیں ہوں۔ جو آپ کے چہرے پر پھیلے پریشانی کے سائے نہ دیکھ سکوں..... امی! بتا دیں' آپ کے دل میں کیا ہے۔" عائشہ نے نوالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔
"کوئی بات نہیں ہے۔ یونہی دل بوجھل سا ہو رہا ہے..... کچھ دنوں کے لیے تمہارے ماموں کے ہاں نہ ہو آئیں۔"

"ماموں کی طرف یوں اچانک! خیر تو ہے؟"
"یونہی ملنے کو دل چاہ رہا ہے۔" انہیں بیٹی کی تشویش سے چڑ سی ہونے لگی۔ عائشہ ان کے تیز لہجے پر خاموش ہو گئی۔
"تمہیں چھٹی مل جائے گی؟" انہوں نے کچھ لمحے کے بعد پوچھا۔
"جی' میری چھٹیاں تو ہیں۔ مگر ابو کو پریشانی ہو گی۔"
آمنہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔
تب ہی دروازے پر تیز دستک ہوئی۔
"میں دیکھتی ہوں۔" عائشہ اٹھنے لگی۔
آمنہ نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔
"میں جاتی ہوں۔"
عائشہ نے کچھ تشویش اور حیرانی کے ملے جلے تاثر کے ساتھ ماں کو دیکھا۔
ان کے گھٹنے میں درد تھا۔ وہ بہت زور ڈال کر اور سہارے سے اٹھی تھیں..... اس تکلیف میں انہوں نے پہلے تو کبھی دروازے تک جانے کی زحمت نہیں کی تھی۔
دروازے پر حسب توقع نعمان ہی تھا۔
"آج کل تو ویسے ہی ماں باپ نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور اپنی لڑکیوں کو آگے کر رکھا ہے کہ لو خود ہی بر ڈھونڈ لو اور لڑکیاں..... آگے پیچھے پھر کر خود ہی سارا معاملہ سیٹ کر لیتی ہیں۔" نیزے کی انی کی طرح دل میں گڑے الفاظ انہیں پھر سے زخمی کرنے لگے۔
"السلام علیکم خالہ!" نعمان کی آواز پر وہ چونک گئیں۔
"کیسے آنا ہوا؟" ان کا لہجہ اپنائیت سے عاری اور روکھا سا تھا۔
نعمان ٹھٹک سا گیا۔
"کچھ نہیں! یہاں سے گزر رہا تھا' سوچا' ماسٹر صاحب سے ملتا جاؤں....." وہ کھسیا کر بولا۔
"وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔"
صاف اور سیدھا انداز' انہوں نے پہلے کی طرح اسے اندر نہیں بلایا تھا۔ بلکہ ادھ کھلے دروازے کو یوں پکڑے کھڑی تھیں کہ نعمان جائے تو وہ دروازہ بند کر سکیں۔
نعمان کو الجھن کے ساتھ ساتھ سبکی کا احساس ہوا۔
"میں چلتا ہوں..... اللہ حافظ۔"
وہ خاموش خاموش سا واپس پلٹ گیا۔
دروازہ آہستگی سے بند ہوا۔

اک آہ آمنہ خاتون کے لبوں تک آنے سے قبل ہی دم توڑ گئی۔ عائشہ نے ماں کو آتے دیکھا۔
"کون تھا.....؟"
"کوئی نہیں..... تم نے کھانا کھالیا۔ تو برتن سمیٹ لو..... میں اور نہیں کھاؤں گی۔"
عائشہ کو ابھی کھانا تھا..... مگر ماں کے انداز سے دل اچاٹ سا ہو گیا تب ہی سالن کی پلیٹیں ٹرے میں رکھنے لگی۔
"نعمان اچھا لڑکا ہے۔" ان کا انداز خود کلامی لیے ہوئے تھا۔ عائشہ نے ہاتھ روک کر ماں کو دیکھا۔
"مگر ضروری تو نہیں کہ اس کے اردگرد رہنے والے لوگ بھی اتنے ہی اچھے ہوں۔" وہ سابقہ انداز میں بڑبڑائیں۔
عائشہ کا گمان یقین میں بدلنے لگا۔ بات نعمان کے گھر میں ہی ہوئی تھی۔ جس سے آمنہ اتنی ڈسٹرب لگ رہی تھیں۔ مگر کریدنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ جب تک آمنہ خود نہ چاہتیں۔ عائشہ ان سے کوئی بات نہیں اگلوا سکتی تھی..... سو خاموشی سے ٹرے اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔



"تمہیں پتا ہے فاطمہ! شروع ہی سے میری دوستی عادلہ کے ساتھ زیادہ رہی ہے۔"
نبیلہ کی دھیمی آواز کمرے کی خاموشی میں دھیرے دھیرے ڈول رہی تھی' جیسے ہوا کے دوش پر لہراتی پتنگ جو کبھی اوپر جاتی ہے تو کبھی نیچے۔ وہ بھی یادوں کی ڈور تھامے ماضی کے آسمان پر ڈول رہی تھیں فاطمہ اور محسن انہیں خاموشی سے سن رہے تھے۔
وہ وقت جب عادلہ' دلہن بن کر اس گھر میں آئیں۔
جب عریشہ ان کی گود میں آئی۔
ایک ساتھ دیکھے دکھ سکھ کے پل۔
دونوں کی شادی آگے پیچھے ہی ہوئی تھی۔ بس عادلہ کو اللہ نے بہت سالوں کے بعد اولاد کی نعمت سے نوازا تھا تب تک وہ خود دو بیٹوں کی ماں بن چکی تھیں۔
عادلہ کی ان کی اولاد پر لٹائی جانے والی بے تحاشا محبت۔
کچھ بھی تو نہیں بھولا تھا کہ عادلہ نے یوں رخت سفر بھی باندھ لیا تھا۔
"عادلہ کے جانے سے زیادہ افسوس مجھے اس بات کا ہے کہ وہ جاتے ہوئے اولاد کا دیا دھوکا اور اپنوں کا بخشا دکھ پوری شدت سے محسوس کر کے گئی ہے۔"
"آپ نے ٹھیک کہا..... عریشہ نے بہت برا کیا۔" محسن نے آہستگی سے کہا۔
"عریشہ تنہا قصوروار نہیں ہے محسن! اس عمل میں باقی تمام لوگ بھی اتنے ہی ذمہ دار ہیں جتنی کہ خود عریشہ۔" نبیلہ کا لہجہ تیز ہوا۔
محسن اور فاطمہ کی نگاہیں آپس میں ٹکرائیں۔
فاطمہ کی نگاہ جھک گئی۔ وہ نبیلہ کی بات پوری طرح سمجھ گئی تھی..... ان کے والہانہ رویے میں پوشیدہ کھنچاؤ کا مطلب بھی سمجھ میں آگیا تھا۔
"میں نے فاطمہ کا انتخاب بغیر سوچے سمجھے نہیں کیا تھا..... مجھے لگتا تھا کہ فاطمہ ایک سمجھ دار اور باشعور لڑکی ہے۔ صحیح اور غلط کا شعور رکھتی ہے چاروں بہنوں میں مجھے فاطمہ سب سے الگ لگتی تھی۔ کیونکہ یہ شروع ہی سے میرے اور عادلہ کے زیادہ قریب رہی تھی۔ مجھے لگا کم از کم فاطمہ میں وہ خود غرضی نہیں' جو ہماری خاندانی خصوصیت بنتی جا رہی ہے۔" وہ تلخ سے لہجے میں کہتی چلی گئیں۔

"ٹپ ٹپ۔" محسن نے چونک کر دیکھا۔
فاطمہ کا سر جھکا تھا مگر گود میں رکھے ہاتھوں پر اک بے آواز تواتر سے آنسو گر رہے تھے۔ محسن نے اک طویل سانس لے کر ماں کو دیکھا۔
وہ فاطمہ کی طرف متوجہ نہیں تھیں۔
"آپ نے ٹھیک کہا پھپھو! میں بہت بری ہوں۔" وہ شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی چلی گئی۔۔۔ اس وقت بہانے گھڑنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔۔۔ سوائے اعتراف کے کوئی عمل فاطمہ کو سکون نہیں دے سکتا تھا۔
"فاطمہ! برا انسان نہیں۔۔۔ اس کا غلط عمل ہوتا ہے۔ کاش! میری بہو اس غلط عمل کی حصے دار نہ بنتی۔"
"پھپھو! میں نے امی سے بہت کہا تھا۔ مگر وہ مانیں ہی نہیں۔ شادی میں اتنے کم دن رہ گئے تھے کہ میں کچھ زیادہ احتجاج بھی نہ کر سکی لیکن اب مجھے لگتا ہے میں نے بہت غلط کیا۔ میں وہ زیور پہننے سے انکار کر دیتی یا کم از کم عادلہ بھابی کو بتا ہی دیتی تو انہیں یوں شاک تو نہ لگتا۔"
وہ اب سچ مچ رونے لگی تھی۔
"جانے والی تو چلی گئی اور ہمارے پاس صرف "کاش" رہ گئے ہیں۔" نبیلہ نے افسردگی سے کہا۔
"پھپھو! آئی ایم سوری، مجھے معاف کر دیں۔"
"بیٹا! میں کون ہوتی ہوں معاف کرنے والی۔ اللہ سے معافی مانگو۔" انہوں نے ذرا آگے ہو کر فاطمہ کے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔
"میں تمہیں یہ سب کبھی نہ کہتی۔۔۔ مگر مجھے لگا کہ تمہیں کم از کم اس بات کا احساس ضرور ہونا چاہیے کہ کبھی کبھار کسی غلط عمل کی پردہ پوشی بہت بڑے المیے کو جنم دیتی ہے۔ اور یوں بھی میں اس بات کی قائل ہوں کہ دلوں میں چھپے شکوے اچھے لفظوں میں شیئر کر لیے جائیں تو پرابلمز نہیں ہوتیں۔"
انہوں نے محسن کو دیکھا۔
وہ مسکرا دیا کہ ہمیشہ کی طرح ماں کی فہم و فراست کا قائل ہو گیا تھا۔
یوں تو سب ہی نبیلہ پر بہت بھروسا کرتے تھے۔ بس اگر نہیں قائل ہوتی تھی تو طیبہ۔ جو جلے پاؤں کی بلی کی طرح سارے گھر میں چکرا رہی تھی۔ جب سے محسن اور فاطمہ نبیلہ کے کمرے میں گئے تھے۔ اسے کھدبد لگی تھی۔ اگرچہ یہ نئی بات نہیں تھی۔۔۔ وہ دونوں اکثر ہی ماں کے کمرے میں پائے جاتے تھے۔ (ایک اسے ہی توفیق نہ تھی کہ گھڑی ساس کے پاس بیٹھ جاتی)
مگر آج اسے لگتا تھا۔ معاملہ کچھ خاص ہے۔
دروازے سے کان لگانے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ سب لوگ اتنے مدھم لہجے میں باتیں کرتے تھے کہ صرف بھنبھناہٹ سنائی دیتی۔
وہ جز بز ہوتی، تلملاتی اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گئی۔ تب ہی جمال آ گیا۔
"خیریت تم کسے کچا چبا رہی ہو۔" طیبہ کے چہرے کے تاثرات ہی ایسے تھے کہ جمال کو پوچھنا پڑا۔
"میں نے کسے چبانا ہے۔"
"باقی گھر والے کہاں ہیں؟"
"میٹنگ روم میں۔۔۔" وہ جل کر بولی۔
"امی کے کمرے میں۔" جمال ہنس دیا۔
"اور کہاں ہوں گے؟ کمرا بند کر کے تینوں گھس جاتے ہیں۔"

"تو تم بھی چلی جایا کرو۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔
"ہاں۔ وہ مجھے گھاس نہ ڈالیں اور میں خوامخواہ اندر گھسوں۔ نجانے کون سے معاملات ہیں۔ جو بند کمروں میں ہی ڈسکس ہوسکتے ہیں۔"
"تم ہر چیز کو نیگیٹیو وے میں کیوں لے لیتی ہو۔۔۔ فاطمہ بھی تو ہے' وہ تو۔"
"فاطمہ ان کی اپنی ہے اور میں غیر۔۔۔ ہم دونوں کی حیثیت کا تعین کرنے کے لیے یہ فرق ہی کافی ہے۔" طیبہ جل بھن کر بولی۔
جمال کے پاس اس کے بے بنیاد الزامات کا کوئی جواب نہ تھا۔ تب ہی خاموشی سے باہر نکلنے لگا۔
"اب کہاں؟" طیبہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔
"آف کورس امی کے پاس۔ تم بھی آجاؤ۔"
"آپ جائیں۔" وہ دھپ سے واپس بیٹھی۔
جمال مسکراہٹ دباتا چلا گیا۔
دستک دے کر اندر گیا تو تینوں نفوس خاموش اور سنجیدہ بیٹھے تھے فاطمہ کی آنکھیں متورم تھیں گویا روتی رہی ہو۔ اس نے چونک کر تینوں کو دیکھا۔
"آؤ جمال بیٹا۔" نبیلہ بدقت مسکرائیں۔
"کیا ہوا؟" جمال نے فاطمہ کو دیکھا۔ جو اسے دیکھ کر سر جھکا گئی تھیں۔
"کچھ نہیں فاطمہ' جاؤ بچے! سب کے لیے چائے بنا لاؤ۔" انہوں نے شفقت سے کہا تو فاطمہ جلدی سے اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔
نبیلہ نے ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں۔
جمال کو اچانک عجیب سا احساس ہوا تھا۔



"اماں! تائی جمیلاں اپنی بھینس بیچ رہی ہے؟"
کبریٰ دودھ کاڑھنے کے لیے اپلے سلگا رہی تھی۔۔۔ بشریٰ کے سوال پر خود بھی سلگ گئی۔
"ہاں۔ بیچ رہی ہے تو نے خریدنی ہے؟"
"کیوں؟"
"دفع ہو جا بشریٰ! میری جان نہ کھا' سارا دن لوٹھا کی لوٹھا یہاں وہاں وڑکیاں لگاتی۔۔۔ یہ نہیں کہ کوئی ماں کا ہاتھ ہی بٹا دے۔۔۔ ایسی بے شرم اولاد اللہ کسی کو نہ دے۔۔۔ تیری تائی تو پہلے ہی ہاتھ پاؤں توڑے بیٹھی ہے۔۔۔ یوں کام کرتی ہے جیسے مجھ پر کوئی احسان کر رہی ہو۔"
پھونکنی کی دو چار پھونکوں سے اپلے سلگنے لگے۔۔۔ دھوئیں کے مرغولے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ جس میں کبریٰ کا چہرہ دھندلانے لگا تھا۔
"بلو کی فیسیں دینے کے لیے۔۔؟" بشریٰ پر ماں کی پھٹکار کا کوئی اثر نہ ہوا کہ دل تو ٹھکرائے جانے کا زخم سہ رہا تھا۔
کبریٰ نے پھونکنی نیچے پٹخی اور کھڑی ہو گئی۔
"یہاں میرے سر پر کھڑی بڑبڑ نہ کر۔ کسی کام کو ہاتھ لگا لے۔ چل جا کے دال چن۔۔۔ سارے کے سارے ویلے' نکمے۔"

"تائی اسے افسر بنانا چاہتی ہے..... ہم سب کو نیچا دکھانا چاہتی ہے اسے لگتا ہے۔ اس کا بیٹا بڑی اونچی شے ہے۔ اسی لیے میرے رشتے کو ناں کی ہے۔" اس کے لہجے میں اتنی نفرت تھی کہ ایک لمحے کو کبریٰ بھی ٹھٹک گئی۔
"تو ابھی تک اسی بات کو دل سے لگائے بیٹھی ہے..... بھلا وہ تیرے قابل بھی تھا..... کسی اور کا نہیں۔ چودھری یاسین نے اپنے پتر کا رشتہ دیا ہے تیرے لیے..... ارے بلو جیسے تو منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔" کبریٰ نے جھک کر جالی اٹھائی اور سلگتے اپلوں پر رکھ دی۔
بشریٰ کو اس رشتے سے کوئی خاص خوشی نہ ہوئی تھی۔
حسد، بغض، اور ٹھکرائے جانے کے غم میں مبتلا دل کوئی خوشی محسوس بھی کہاں کر سکتا تھا..... وہاں تو صرف دھواں بھرا تھا۔ کڑوا، گاڑھا اور زہریلا دھواں۔ جس نے اس کا پورا جسم نیلو نیل کر دیا تھا۔
"اماں اگر بلو افسر بن گیا تو میں ہر شے کو آگ لگا دوں گی۔"
"جان دے..... افسروں کی شکلیں بلو جیسی مسکین اور یتیم نہیں ہوتیں..... جس کی شکل دیکھ کر ہی چندہ دینے کو دل چاہے۔" کبریٰ نے بیٹی کو تسلی دی۔
تب ہی باہر کے دروازے سے جمیلہ اندر آئی۔
"آؤ جی..... یہ گھر تو سرائے ہے سرائے۔ جس کا جب دل چاہے آئے۔ نہ دل چاہے تو نہ آئے۔" کبریٰ نے گہرے طنز سے کہا۔
"ہر وقت مرچیں نہ چباتی رہا کر....." خلاف توقع جمیلہ مسکرا رہی تھی۔
"خیر ہے۔ تجھے کون سی خوش خبری مل گئی ہے۔ جو دندیاں باہر آ رہی ہیں۔" کبریٰ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔
بشریٰ بھی کینہ توز نگاہوں سے تائی کو دیکھ رہی تھی۔
"بلو سے بات کر کے آئی ہوں۔ خوشی تو ہو گی۔ خیر سے اس نے اپنا ٹیلی فون لیا ہے۔ وہ بغیر تار والا نہیں ہوتا موبائل۔"
کبریٰ رخ بدل کر دودھ کو دیکھنے لگی گویا بات سنی ہی نہیں۔
بشریٰ بھی پاؤں پٹخ کر اندر چلی گئی۔
"آٹا گوندھ لیا یا میں گوندھوں؟" جمیلہ باورچی خانے کی طرف بڑھی۔
"ابھی ہانڈی چڑھانی ہے۔" کبریٰ نے تیکھے انداز میں کہا۔
"اچھا اچھا۔ وہ بھی چڑھا دیتی ہوں۔" جمیلہ نے جاتے جاتے کہا۔
"توبہ اس عورت کی ہر سانس اپنے پتر سے بندھی ہے۔ ذرا اس کی طرف سے اچھی خبر آئی۔ ہواؤں میں اڑتی پھرتی ہے۔" کبریٰ بڑبڑانے لگی۔ جمیلہ کی خوشی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔



رضوان اس کا دوست تو نہیں البتہ کالج فیلو تھا۔ اسی کی وساطت سے چند اچھے گھرانوں میں ٹیوشنز مل گئی تھیں۔ فیس بھی معقول تھی..... شام کو ایک اکیڈمی میں دو پریڈ لیتا۔
"سر! میں آپ کی فیس لے کر آتا ہوں۔ ماما نے کہا تھا۔" باسط اپنی کتابیں سمیٹ کر چلا گیا۔ وہ اس کے انتظار میں گلاس وال کے قریب جا کھڑا ہوا..... نظروں کے سامنے لش گرین وسیع لان دھوپ میں لشک رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے فواروں سے اچھلتا پانی ماحول کی تازگی میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔
"ایسا نہ سہی مگر ایک دن ایک چھوٹا سا خوب صورت گھر ضرور بناؤں گا۔ جس کے کچن میں گیس والے چولہے

پر روٹی پکاتے ہوئے ماں کی آنکھیں دھواں دھواں نہ ہوں گی۔"

چوکیدار نے گیٹ کھولا اور گاڑی تیزی سے اندر آئی۔

ابرار لاشعوری طور پر ادھر متوجہ ہوا۔ جدید تراش خراش کے ماڈرن لباس میں ملبوس وہ لڑکی یقیناً "باسط کی بڑی بہن تھی۔ اس کے ساتھ موجود شخص کو دیکھے بغیر وہ پلٹ کر صوفے پر آ بیٹھا ئیوں تاک جھانک کرنا برا لگتا۔

"سنیعہ! جلدی کرنا' ہمارے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔"

"جسٹ فائیو منٹ' تم بیٹھ کر چائے پیو' میں چینج کر کے آتی ہوں۔"

"او کے۔"

سنیعہ بغیر ابرار پر توجہ دیے سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

جبکہ ابرار ثوبان کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم..." ثوبان ٹھٹک گیا۔

"جی! میں یہاں ٹیوشن پڑھانے آتا ہوں۔"

"سنیعہ! میری فرینڈ ہے۔" نجانے کیوں ثوبان خود کو چور سا محسوس کر رہا تھا۔

"جی اور ایسی فرینڈز زندگی میں بہت سی آسانیاں بھی لاتی ہیں۔ ہے نا۔" نہ چاہتے ہوئے ابرار کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ اس کی نگاہ ثوبان کی نئی شرٹ پر تھیں۔

"اٹس مائی پرسنل میٹر... سمجھے۔" ثوبان اس کا طنز پا گیا تھا۔

"سوری..." وہ فوراً "مدافعانہ انداز اختیار کر گیا۔

"ویسے تم نے غلط نہیں کہا... یہی بات میں تمہیں بھی سمجھانا چاہتا تھا۔" ایک لمحے کی خاموشی کے بعد ثوبان نے کہا۔

"میری سمجھ بہت چھوٹی ہے ثوبان بھائی! اس میں اتنی بڑی بڑی باتیں نہیں آتیں۔" ابرار نے ہنستے ہوئے باسط کے ہاتھ سے لفافہ پکڑا۔

"اس سے تمہارا سفر مختصر بھی ہو سکتا ہے۔"

"مجھے لمبا سفر تھکاتا نہیں... بس منزل کا یقین ہونا چاہیے۔" وہ مضبوط لہجے میں کہہ کر چلا گیا۔

"عجیب بے وقوف بندہ ہے۔" ثوبان نے اسے دور تک جاتے دیکھا۔

"کون...؟" سنیعہ کی آواز پر وہ چونک کر پلٹا۔ وہ وائٹ ٹراؤزر اور ریڈ ٹاپ میں اس کے عقب میں کھڑی تھی۔

وہ مسکرا کر نفی میں سر ہلا گیا۔



عریشہ نے کتاب بند کر کے میز پر رکھی اور گردن گھما کر مریم کو دیکھا۔

وہ کمبل اوڑھے بے خبر سو رہی تھی۔

عریشہ کو چائے کی طلب ہونے لگی... ماحول میں سردی کا غلبہ تھا... موسم جاتے جاتے پھر سے پلٹ آیا تھا۔

"کیسی بے خبر سوتی ہے؟" اسے مریم کی بے خبر نیند پر رشک آیا۔

باہر کھٹکا سا ہوا۔ ساتھ ہی بند دروازے کے باہر روشنی سی دکھائی دی۔

"اس وقت کچن میں کون ہو سکتا ہے۔" وہ بیڈ سے نیچے اتری۔ "یقیناً "ثوبان ہو گا۔" وہ دروازہ کھول کر باہر آئی' کچن میں لائٹ جل رہی تھی۔

"آچھی..." کوئی زور سے چھینکا۔

ربالہ تیزی سے کچن کی طرف آئی۔ مگر ابرار کو دیکھ ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ بھی کھٹکے پر مڑا اور شرمندہ سا ہو گیا۔

"میں پانی لینے آیا تھا۔" اس نے پانی سے بھرا گلاس سامنے کیا۔ عریشہ نے دیکھا اُس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔

"تمہاری طبیعت خراب ہے؟"

"ہاں بخار اور زکام ہے۔"

"تو کوئی دوا لو۔"

"آپ کے پاس کوئی ٹیبلٹ ہو تو۔"

"میں نے کیا دواخانہ کھول رکھا ہے۔" عریشہ نے رکھائی سے کہا۔

"تو پھر پوچھنے کی بھی کیا ضرورت تھی۔" وہ ذرا سا بڑبڑایا اور چلا گیا۔

ربالہ کا حیرت سے منہ کھلا پھر ہنسی آ گئی۔

"اتنا بھی سیدھا نہیں۔ جتنا ہم سمجھے بیٹھے ہیں۔"

"آدھی رات کو اکیلی کچن میں کھڑی ہنس رہی ہو۔ خدا خیر کرے۔" ثوبان کی آواز پر وہ پلٹی۔

"آپ ابھی تک سوئے نہیں۔"

"سو رہا تھا..... چائے کا موڈ بنا تو نیچے آ گیا۔"

"میں بھی اسی ارادے سے آئی تھی۔"

"تو کافی بنا لاؤ۔ کچھ دیر بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں۔"

"اوکے۔"

ثوبان واپس پلٹ گیا۔ عریشہ نے کافی کے ساتھ ساتھ ایک کپ چائے بنائی..... الماری کھول کر بخار کی گولی نکالی پھر ٹرے میں کپ اور گولی رکھ کر بیٹھک کی طرف آ گئی۔ دروازہ کھلا تھا۔ اور تایا کے خراٹے دروازے تک آ رہے تھے۔ دوسرے پلنگ پر ابرار نیم دراز کنپٹی دبا رہا تھا۔

"چائے لے لو۔"

ربالہ کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں اور تیزی سے سیدھا ہو گیا۔

ربالہ نے ٹرے اس کی طرف بڑھائی۔

گولی پر نگاہ پڑی تو ابرار مسکرا دیا۔

"شکریہ....."

"ابھی تو خاصی سردی ہے اور تمہارے پاس تو کمبل بھی نہیں..... " عریشہ کو پلٹتے پلٹتے خیال آیا۔

"وہ سمجھ گیا تھا تو مامی نے کمبل غالباً پیٹی میں رکھ دیا۔"

"اس صرف تمہارا۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی پلٹی کمرے میں آ کر اپنا کمبل اٹھایا اور لے جا کر اس کی پائنتی پر رکھ دیا اور الٹے واپس مڑ گئی۔

ابرار نے حیرت سے کمبل کو دیکھا۔ پھر مسکرا دیا۔

"پاگل شہزادی۔"



"سارے سیاپے میری جان کو ہیں۔ اب اس بیمار کی خدمتیں الگ کروں..... میں نے کیا مسافر خانہ کھولا

کام کرتے ہوئے حمیدہ کو بڑبڑانے کی عادت تھی اور آج تو ابرار کے لیے دلیہ بھی بنانا پڑ گیا تھا کہ رات
بخار میں پھنک رہا تھا۔

"کیا ہوا تائی امی۔" عریشہ کالج جانے کے لیے تیار ہو کر آئی۔

"ہونا کیا ہے' مفت کی مصیبت اور یہ مریم کہاں مرگئی ہے۔ کھانے کے وقت سارے نازل ہو جائیں گے
عمر ہے اب' صبح سویرے اٹھ کر یہ سیاپے کروں۔" انہوں نے دلیہ پیالے میں انڈیلا۔

"یہ اس مفت خورے کو پکڑا آ۔"

عریشہ نے پیالہ اٹھایا اور چپکے سے کھسک گئی۔ کام کا شوق نہ اسے تھا نہ مریم کو بس مارے باندھے کام کر

"تجھے ہی شوق ہے..... کیوں نہیں نعمان کی شادی کرتی..... بہو گھر آجائے تو پھر چارپائی پر بیٹھ کر ناشتے کر
برکت حسین غسل خانے سے نکل کر کچن میں چلے آئے تھے۔

"توے اور بیٹوں کو شہہ' وہ پہلے ہی ہاتھوں سے نکلے جا رہے ہیں۔" انہوں نے پراٹھا زور سے توے پ
درمیانہ سے پھٹ گیا۔

"ساری عمر گزر گئی۔ آج تک تجھے ڈھنگ کی روٹی بیلنی نہ آئی۔"

عریشہ دلیہ لے کر بیٹھک میں گئی تو ابرار کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

بخار کی شدت سے چہرہ تمتما رہا تھا۔

"تم کہاں جا رہے ہو..... اتنا بخار ہے' دوا کھا کر لیٹ جاؤ۔"

"عریشہ بی بی! یہ نخرے ان پر جچتے ہیں۔ جن کے نخرے اٹھانے والے ہوں....." وہ ہنسا۔ سفید یونیفارم
کی پہلی کرن جیسی نکھری نکھری لڑکی نے اس کا مزاج خوشگوار کر دیا تھا۔

عریشہ اس کے جواب پر خاموش سی ہو گئی۔

شاید ماں یاد آ گئی تھی۔

"یہ دلیہ غالباً میرے لیے ہے۔" اسے سوچ میں گم دیکھ کر ابرار نے اشارہ کیا۔

"جی....." اس نے جھینپ کر پیالہ آگے بڑھایا۔

"شکریہ....." ابرار نے تھام لیا۔

"تائی کا ادا کیجئے۔" وہ مسکرائی۔

"میری طرف سے آپ ہی کہہ دیں۔ سچی بات ہے' مجھے تو ان سے بات کرتے ہوئے بھی ڈر ہی لگتا ہے

"وہ بس زبان کی تیز ہیں ورنہ دل کی بہت اچھی ہیں۔" عریشہ ناگواری سے بولی۔

"انسان کا دل اس کے لہجے سے پہچانا جاتا ہے..... ورنہ دل میں کس نے جھانک کر دیکھا۔" ابرار
احساس نہ تھا کہ وہ بات کو خوامخواہ بڑھاتا جا رہا ہے..... لاشعوری طور پر عریشہ کی موجودگی کے لمحوں کو طول
ہے

"تمہارا مضمون فلسفہ تو نہیں۔" وہ چڑ کر بولی۔

"ارے میں تو یونہی کہہ گیا۔ آپ کو برا لگا۔"

عریشہ بغیر بولے تیوری چڑھا کر مڑ گئی۔

ابرار نے بیٹھ کر دلیے کا نوالہ لیا۔ تو فوراً "شکریہ" واپس لینے کو دل چاہا۔ کیونکہ دلیے میں اگر زیادتی تھی
ورنہ تو ہر چیز کی کمی ہی کمی تھی۔



"نابجارو۔ اب اپنے اپنے کمروں میں نہ گھس جانا۔۔۔۔ اذان کی آواز سنتے ہی شیطان کی طرح منہ چھپانے لگتے ہو۔ دو قدم کے فاصلے پر مسجد ہے۔۔۔۔ برکت حسین کی آواز پر نعمان جاتے جاتے پلٹا۔ آج جمعہ تھا۔ سو وہ دکان جلدی بند کر آیا تھا۔

"ابا! خود تو ساری زندگی مسجد کی شکل نہ دیکھی اور ہمیں سنا رہے ہو۔"

باتھ روم سے باہر نکلتے ابرار نے حیران ہو کر نعمان کو دیکھا۔ وہ کس بدلحاظی سے باپ سے بات کر رہا تھا۔ ابرار بالوں سے سر رگڑتا بیٹھک میں آگیا۔

"ہوا بند کراوئے۔ یہ تو گھٹنوں کے درد نے مار دیا۔۔۔۔ میں تو جوانی میں جمعہ ہی پڑھ لیتا تھا۔ تمہیں تو وہ بھی نصیب نہیں۔"

"جانے دو ابا! ساری عمر کے بعد تم نے بھی بڑھاپے میں مسجد کی شکل دیکھی ہے۔" وہ غڑاپ سے کمرے میں گھس گیا۔ برکت حسین بڑبڑاتے رہ گئے۔

ابرار ایک نظر انہیں دیکھ کر بال بنانے لگا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"جمعہ پڑھنے۔۔۔۔" اس نے آہستگی سے بتایا۔

"ہاں ہاں۔۔۔۔ اچھا۔ یہ ہوتی ہے نیک اور سعادت مند اولاد۔ ورنہ یہاں تو۔۔۔۔"

"بس کریں ماموں! کیوں مجھے اس گھر سے نکلوانا ہے۔ نعمان بھائی کا موڈ آج ویسے ہی خراب لگ رہا ہے۔"

ابرار نے مسکراتے ہوئے کنگھا واپس رکھا اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔

"ہاں۔۔۔۔ اسے کمانا جو پڑ گیا ہے۔ موڈ تو خراب ہو گا ہی۔۔۔۔ ایک ہم تھے ساری زندگی ان ہی لوگوں پر لٹایا۔"

نعمان کو کمرے میں بھی ابا کی آواز آ رہی تھی۔ مگر وہ خاموشی سے بستر پر لیٹ گیا۔ دل میں اداسی گھیرے پنجے گاڑے بیٹھی تھی۔

عائشہ کے گھر کو تالا لگا تھا۔ ماسٹر صاحب سے پتا چلا کہ وہ اپنے ماموں کے گھر گئی ہے۔ دو چار دن رکے گی۔

"کیسی عجیب بات ہے۔ اس کا اس شہر میں ہونا ہی میرے لیے سکون کا باعث ہے۔۔۔۔ وہ نہیں ہے تو سارا شہر ہی ویران لگ رہا ہے اور اگر وہ زندگی سے چلی گئی تو۔۔۔۔ تو کیا ہو گا۔" یہ خیال اتنا دہلا دینے والا تھا کہ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"مریم۔۔۔۔ مریم!"

مریم اس کی آواز پر بھاگی چلی آئی۔ "جی بھائی۔"

"اس دن آمنہ خالہ آئی تھیں ان سے کیا بات ہوئی تھی؟" نعمان کا ذہن ابھی تک آمنہ کے رویے میں اٹکا تھا۔ اس کی چھٹی حس کسی انہونی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"پتا نہیں۔۔۔۔ میں تو کچن میں ہی تھی۔ اماں کی ہی بات ہوئی تھی۔" مریم نے حیران ہو کر بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ جاؤ۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر لیٹ گیا۔ مریم واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ اور عریشہ امتحان کی تیاری کر رہی تھیں۔

"نعمان بھائی کیوں بلا رہے تھے؟" عریشہ نے پوچھا۔

"اللہ جانے۔ جب سے آمنہ بی بی ہو کر گئی ہیں۔۔۔۔ ان کے انداز ہی بدلے ہوئے ہیں۔۔۔۔ سچی بات ہے مجھے تو دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔"

"دال میں سے کالے پیلے نکالنے کے بجائے تم پیپرز کی تیاری کرو۔۔۔۔ جو بھی بات ہو گی سامنے آ ہی جائے گی

بشریٰ گھبرا کر اٹھی اور اندر چلی گئی۔
"ارے رہنے دو ہمیں نہیں پڑنا ان پولیس کچہریوں کے چکر میں۔" کبریٰ نے تڑخ کر کہا۔
"تیری بھینسیں بھی ادھر ہی تھیں۔ آخر اس بچاری کے ساتھ ہی یہ ظلم کیوں ہوا؟" ہمسائی چمک کر بولی۔ "اس کی تو آخری پونجی بھی لٹ گئی۔"
گم صم بیٹھی جمیلہ کے کمزور وجود میں پھریری سی اٹھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر اپنی ہمدرد کو دیکھا۔
"میری پونجی تو میرا پتر ہے حلیمہ..... !یہ تو اس کے سر کا صدقہ نکل گیا..... دشمنوں کو لگتا ہے 'وہ اس طرح میرے بیٹے کی راہ روک لیں گے..... ایسا نہیں ہو گا۔ تو دیکھنا ان ہی گلیوں میں وہ اپنی گڈی میں بیٹھ کے آئے گا اور دشمن منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"
"پر تو کھوجی....."
"ناں 'میں نے اپنا حساب اللہ پر چھوڑا۔ وہ خود ہی انصاف کرے گا۔ تو دیکھنا میرے جیتے جی کرے گا۔"
اس کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ کبریٰ اندر ہی اندر کانپ کر رہ گئی۔
لوگ ایک ایک کر کے آتے رہے 'جاتے رہے۔
گھر خالی ہوا تو جمیلہ سرِ شام اپنے کمرے میں گھس گئی۔
اس کا دکھ کم ہونے میں ہی نہ آتا تھا۔
اصغر خود عاجز آ گیا تھا۔ رات کو کبریٰ پر برس پڑا۔
"جانتا ہوں..... تجھے بڑا جلاپا ہے۔ پر ایسی بھی کیا دشمنی..... لے کے ایک بے زبان جانور کو مار ڈالا۔"
"ک..... کیا کہہ رہا ہے تو؟" کبریٰ ہکا بکا رہ گئی۔
"تیری رگ رگ سے واقف ہوں۔ پر اب جو تو نے کیا ہے..... یاد رکھ رب بھی نہیں بخشے گا۔"
"ہوش کی دوا لے اصغر! تو مجھ پر الزام لگا رہا ہے۔" وہ تڑپ اٹھی۔
"میں نے کھرا کیوں نہیں نکلوایا؟ پتا تھا 'مجھے یہ کھرا میرے گھر تک آئے گا۔"
"خدا کا خوف کر 'کیوں اپنی طرف سے گھڑتا جا رہا ہے۔ ہاں مجھے زہر لگتا ہے بلو۔ اس کی پڑھائی۔ پر مجھ کے ساتھ میری کیا دشمنی تھی۔"
"بہت برا کیا تو نے کبریٰ 'بہت ہی برا۔" وہ تاسف سے سر ہلاتا چارپائی پر ڈھیر ہو گیا۔
کبریٰ غصے سے اسے گھورتی رہ گئی۔ جیسے سمجھ نہ پا رہی ہو۔ وہ اصغر کی غلط فہمی دور کرے بھی تو کیسے۔



"یہ تو ظلم ہے۔" نبیلہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ابرار نے چائے کے کپ سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا۔
"یہاں تو ہر روز انسانوں کو زہر پلایا جاتا ہے..... خالہ! آپ ایک جانور کے لیے پریشان ہو رہی ہیں۔"
"پھر بھی ابرار بیٹا....."
"چھوڑیں خالہ! انہیں لگتا ہے کہ وہ اس طرح میرا رستہ روک لیں گے....."
"کیسی عجیب بات ہے۔ یہ تمہارے اپنے ہیں؟"
"میں اپنے گھر سے خالی ہاتھ نکلا تھا خالہ..... صرف اس ذات کے آسرے پر..... مجھے اب بھی یقین ہے..... رستہ کٹھن سہی مگر ان شاء اللہ منزل ضرور ملے گی۔ بس اماں نے بہت ٹینشن لے لی ہے۔"
نبیلہ اس باہمت نوجوان کو دیکھ کر رہ گئیں۔ دوسرے لمحے وہ ایک فیصلہ کر چکی تھیں۔

"سنو ابرار بیٹا! میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا.... اس دنیا میں اچھے برے سب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ مگر ایک انسان ہی دوسرے انسان کا آسرا بنتا ہے۔ تمہاری خودداری مجھے بہت عزیز ہے۔ مگر میں نے تمہیں بیٹا کہا ہی نہیں سمجھا بھی ہے.... اور ماں بیٹے میں کوئی انا نہیں ہوتی۔"

ابرار کسی حد تک ان کی بات کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔

"میں چاہتی ہوں۔ تم یہاں میرے پاس شفٹ ہو جاؤ۔ کچھ دنوں تک جمال اور طیبہ واپس چلے جائیں گے.... میں سمجھوں گی' میرا ایک بیٹا گیا تو دوسرا آ گیا۔"

"لیکن خالہ...." وہ متذبذب تھا۔

"ابرار! وہاں تمہیں سازگار ماحول نہیں ملے گا.... تم یہاں سکون سے پڑھ سکتے ہو۔"

"خالہ! جب مجھے وہاں رہنا مشکل لگا تو میں آپ ہی کے پاس آؤں گا۔"

"وعدہ کرتے ہو؟"

"جی...." وہ کھل کر مسکرا دیا۔ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ اس نے نبیلہ کی بات کیوں نہیں مانی۔



بے پایاں خوشی کا احساس دل میں گھر کر گیا جب نعمان نے پورے پانچ دنوں کے بعد اس گھر کا دروازہ کھلا دیکھا۔ یہ تو وہی جانتا تھا کہ یہ پانچ دن اس کے لیے پانچ صدیوں کے برابر تھے۔

اس نے بے اختیار دروازے پر دستک دی۔

وہ اس وقت سب کچھ بھول گیا تھا۔ آمنہ خاتون کے لہجے کا روکھا پن بھی دروازہ انہوں نے ہی کھولا۔

"اندر آجاؤ...." اس کے سلام کا جواب دے کر انہوں نے سنجیدگی سے کہا اور رستہ چھوڑ دیا۔ چھوٹا سا صحن عبور کر کے کمرے میں بیٹھنے تک اس کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹکتی رہی تھیں۔

"بیٹھو...."

وہ خود بھی سامنے بیٹھ گئیں۔

"آپ لوگوں نے بہت دن لگا دیے۔"

"جانا بھی تو بہت عرصے کے بعد ہوا تھا۔ میرا بھائی تو اب بھی نہ آنے دے رہا تھا۔ عائشہ کے اسکول کا مسئلہ نہ ہوتا تو شاید کچھ دن اور رک جاتے۔" وہ مسکرائیں۔

نعمان نے شکر کیا۔

"چائے پیو گے؟"

ان کا انداز ایسا تھا کہ جیسے نعمان کو انکار ہی کرنا چاہیے۔ مگر اس نے تیزی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"عائشہ بیٹا! چائے لے آؤ۔" انہوں نے اونچی آواز میں کہا۔

نعمان کا پورا دھیان دہلیز پر جا بیٹھا۔

"گھر میں سب خیریت ہے۔"

"جی.... بالکل۔" وہ چونکا اور کھسیا کر ان کی طرف متوجہ ہوا.... دل ہی دل میں خود کو سرزنش بھی کی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک رہی؟"

"ارے بیٹا! انسان جب اپنا فرض ادا کر دے تو ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔"

"جی' بالکل۔" نعمان نے بالکل دھیان نہ دیا کہ وہ کس فرض کی بات کر رہی ہیں۔ اس کی ساری توجہ اندر آتی عائشہ کی طرف ہو گئی۔ جو غالباً پہلے ہی چائے بنا چکی تھی۔

"کہاں تو میں عاشی کے لیے اتنا پریشان تھی اور کہاں اللہ نے ایک پل میں سب بنا دیا۔ منگنی چھوڑ نکاح ہی کر دیا۔" انہوں نے نظریں چراتے ہوئے خود ہی بتا دیا۔
ہاتھ نعمان کا لرزا تھا یا عائشہ کا۔
مگر چائے سفید کرتے کو داغ داغ کرتی چلی گئی۔
"اوہ، تمہارے تو کپڑے خراب ہو گئے۔"
ان کا انداز سراسر مصنوعی تھا۔ عائشہ نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔
"نکاح، کس کا نکاح۔۔۔؟" نعمان کھڑا ہو گیا تھا۔
"اپنی عائشہ کا۔۔۔ اس کے ماموں کے جاننے والے تھے، سارا انتظام بھی انہوں نے ہی کیا۔" نعمان کا پورا وجود گہرے سناٹے میں ڈوب گیا۔
وہ صرف آمنہ کے ہلتے لب دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے عائشہ کو دیکھا۔ وہ گردن جھکائے چائے کی پیالی میں جھانک رہی تھی۔ وہ اس کے تاثرات نہ دیکھ سکا۔
"مبارک ہو آپ کو۔" ایک اجنبی سی آواز اس کے لبوں سے نکلی اور وہ عائشہ کے قریب سے نکلتا چلا گیا۔
آمنہ اپنی جگہ پر ڈھے سی گئیں۔
عائشہ نے ایک شاکی سی نگاہ ماں پر ڈالی اور تیزی سے پلٹ گئی۔



عریشہ نے دو مگ ٹرے میں رکھے۔۔۔ کافی کی مہک اور ثوبان کی باتیں اب نشے کی صورت اختیار کر گئی تھیں۔ ایک دن بھی ناغہ ہوتا تو ساری رات نیند نہ آتی۔ محبت کی خوب صورت وادیوں میں ثوبان کا ہاتھ تھام کر وہ اتنی دور نکل چکی تھی کہ واپسی یا دوری کا تصور تو ایک طرف شائبہ تک نہ تھا۔ ٹرے اٹھا کر ہولے ہولے گنگناتی وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔
مگر ڈر کر رک گئی۔
مگ آپس میں ٹکرائے اور کافی ٹرے میں چھلک گئی۔
وہ سیڑھیوں پر ایک سائے کی صورت بیٹھا تھا۔
"تم۔۔۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" عریشہ نے اپنے دھڑ دھڑاتے دل کو سنبھالا۔
"کچھ نہیں۔ اندر گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے یہاں آ کر بیٹھ گیا۔" ابرار نے سادہ سے لہجے میں وضاحت دی۔ حالانکہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ کچن میں ہوتی کھٹ پٹ پر وہ کیوں اتنا بے چین ہوا کہ اسے یہاں آ کر بیٹھنا پڑا۔
"اب رستہ دو گے؟" وہ چڑ گئی۔
وہ خاموشی سے اٹھا۔ ایک ایک سیڑھی اترتا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔
"میں کون ہوتا ہوں۔ آپ کا رستہ روکنے والا۔ لیکن عریشہ۔۔۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے پہلی بار عریشہ کا نام لیا تھا۔
"کیا ٹھیک نہیں ہے۔"
"مرد اور عورت کی تنہائی میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔" وہ اتنی بڑی بات کتنی آسانی سے کہہ گیا کہ ایک پل کے لیے خود بھی ٹھٹک سا گیا۔
"تم۔۔۔ تمہاری یہ جرات۔" غصے سے عریشہ کانپ گئی۔

"شش۔" ابرار نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔ "آپ کو پروا نہیں لیکن مجھے آپ کی عزت بہت پیاری ہے۔"

عریشہ نے بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ دروازے پر زور سے دستک ہوئی۔
عریشہ جانتی تھی کہ آنے والا نعمان ہوگا۔۔۔ تب ہی غصے سے ابرار کو گھورتی تیزی سے اوپر چلی گئی۔
ابرار نے تاسف سے اسے جاتے دیکھا اور جا کر دروازہ کھول دیا۔
نعمان کوئی بھی بات کیے بغیر خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔



کچھ وقت خاموشی سے کھسک گیا۔
عریشہ کا گھر کرائے پر چڑھا دیا گیا تھا۔
بی اے کے بعد دونوں نے بی ایڈ میں ایڈمیشن لے لیا۔ جس پر مریم نے خاصا واویلا کیا۔ کیونکہ وہ ماسٹرز کرنا چاہتی تھی۔ مگر اجازت ہی نہیں ملی۔ ثوبان کا ایم بی اے مکمل ہوا تو فوراً ہی جاب مل گئی۔ جس پر حمیدہ فخر سے گردن اکڑائے پھرتی تھیں کہ ان کے بیٹے کو بغیر سفارش کے نوکری مل گئی۔ یہ صرف ابرار جانتا تھا کہ وہ سنیعہ کے والد کی کمپنی میں جاب کر رہا ہے۔ خود ابرار کا سفر اس کی محنت اور نبیلہ کی مدد سے منزل کے قریب تر ہو رہا تھا۔ اسے وہ وقت دور نہ لگتا جب وہ اپنی ماں کو شہر میں چھوٹے مگر خوب صورت گھر میں رکھے گا۔
گزرے وقت سے نعمان کو صرف خاموشیاں ملی تھیں۔ اس کے بعد حمیدہ نے کبھی اس کے منہ سے شادی کا لفظ نہ سنا تھا۔ اس کے اندر کیا تھا۔۔۔ یہ اس کی ماں نہیں جان سکتی تھی۔
عریشہ اور مریم نے جس بی ایڈ کالج میں ایڈمیشن لیا۔ وہاں کو ایجوکیشن تھی۔ کلاس میں ایک طرف لڑکے بیٹھتے دوسری طرف لڑکیاں۔ عریشہ نے کبھی یہ بات نوٹ نہیں کی کہ مریم ہمیشہ اسی رو میں کیوں بیٹھتی ہے۔ جو لڑکوں کی قطار سے قریب ہوتی۔ دوسری طرف سارے لڑکے مریم کے قریب والی سیٹ فہد کے لیے کیوں چھوڑ دیتے تھے اور یہ بھی کہ مریم کالج جانے سے پہلے اتنی تیاری کیوں کرتی تھی۔ اسے تو زندگی میں دو چیزوں سے دلچسپی تھی۔
اپنی پڑھائی اور ثوبان۔
حالانکہ حمیدہ اکثر دبے لفظوں میں جتا چکی تھیں کہ اسے اتنا پڑھ کر کرنا کیا ہے۔ مگر اس معاملے میں پھپھو نے نہ تائی کی چلنے دی نہ عریشہ کی۔ ہمیشہ عادلہ کی مثال سامنے رکھتیں۔ جس نے مشکل حالات میں جاب کے ذریعے اپنی اور بیٹی کی کفالت کی۔
دونوں کالج سے واپس آئیں تو بانو آئی بیٹھی تھی۔
"السلام علیکم بانو آپا۔۔۔"
مریم کی تو یوں بھی بانو سے کبھی نہ بنی تھی۔ بس مارے باندھے رکی۔
بانو نے ناقدانہ نظروں سے مریم کا جائزہ لیا۔
"یہ تم ٹیچنگ کا کورس کر رہی ہو یا بیوٹی پارلر کا؟"
"بیوٹی پارلر کا۔" مریم بے دھڑک کہتی کمرے میں چلی گئی۔ عریشہ تاسف سے سرہلاتی پیچھے تھی۔
"اماں! دیکھ رہی ہو۔ اس کے تیور۔"
"شروع ہی سے ایسی ہے۔" حمیدہ نے لاپروائی سے کہا۔
"شروع سے نہیں ہے۔۔۔ اب اس کے لچھن بدل رہے ہیں۔ کچھ چارہ کرلو۔ ورنہ سر پکڑ کر روؤ گی۔" بانو نے ڈرانا چاہا۔

"چارہ میں نے کرنا ہے۔ تم تینوں کیا سسرال میں بیٹھی پونیاں کاٹ رہی ہو۔ کرو کوئی چارہ۔ میں اب اس عمر میں کہاں کہاں دھکے کھاؤں۔ یہ ایک رہ گئی ہے۔ کچھ کر کرا کے میرے سر سے بوجھ اتارو۔" حمیدہ بے زاری سے بولیں۔

"لائی تو تھی رشتہ۔ اب تم لوگوں کو پسند ہی نہیں آیا تو میں۔"

"اب نہیں مانتی تمہارے دیور کے لیے تو میں کیا کروں۔۔۔ کہتی ہے وہ کریلے کی شکل والا میرے لیے ہی رہ گیا ہے۔"

"تو خود کیا ہے۔ کالی توری۔۔۔ اس کے لیے کون سا شہزادہ آئے گا۔" بانو کو تاؤ آگیا۔

"اب کیا کروں' چار جماعتیں جو پڑھ لی ہیں۔"

"ہاں اور پڑھاؤ۔۔۔ استانی بن گئی تو کون سا کسی پروفیسر کا رشتہ آئے گا اس کے لیے۔" بانو کا طنزیہ لہجہ سنتے ہی مریم کمرے کے دروازے میں آکھڑی ہوئی۔

"آ بھی سکتا ہے۔ تم میرے لیے زیادہ پریشان نہ ہوا کرو۔۔۔" وہ بدلحاظی سے گویا ہوئی۔

"توبہ۔۔۔ کیسی گز لمبی زبان ہے۔۔۔ ایسی زبان والیاں سسرال میں نہیں بستیں۔"

"تم بس گئیں تو میں بھی بس جاؤں گی۔"

"جاؤ گی تو بسو گی۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے' ساری عمر ماں باپ کے سینے پر مونگ ہی دلو گی۔"

"تمہارے سینے پر تو نہیں دلوں گی۔"

حمیدہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ دونوں میں سے چپ کروائیں تو کس کو۔۔۔

عریشہ گھبرا کر باہر نکلی اور مریم کو بازو سے پکڑ کر لے گئی۔

"یہ بات کرنے کا کون سا طریقہ ہے؟"

"تم مجھے طریقے مت سکھاؤ۔۔۔" مریم غصے سے بازو چھڑا کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"تم بانو آپا سے اتنا چڑتی کیوں ہو۔ بڑی بہن ہیں۔"

"اپنے دیور کے لیے میرا رشتہ مانگتی ہیں۔"

"تو۔۔۔؟ اچھا خاصا ہے۔"

"تو تم کروالو۔۔۔"

"تم بھی نا۔۔۔" عریشہ ہنستی ہوئی سامنے بیٹھی۔

"ہاں۔ تم نے تو آرام سے میرے بھائی پر نظر لگا رکھی ہے۔۔۔ اور میرے لیے رہ گیا۔۔۔ بانو آپا کا دیور۔" مریم نے گویا کونین چبائی۔

"فضول تو مت بولو۔" عریشہ کو برا لگا تو اٹھ کر باہر نکل گئی۔ جہاں بانو برقعہ پہنے جانے کو تیار تھی۔

"ارے بانو آپا! آپ کہاں جا رہی ہیں۔" عریشہ بوکھلا کر اسے روکنے لگی۔

"بس رہنے دو۔۔۔ بڑی بے عزتی کروالی۔۔۔ اور بتا دینا اس بینگن کے منہ والی کو' میرا دیور بھی اس کے انتظار میں نہیں بیٹھا۔ ایک ماہ کے اندر اندر اس کی شادی نہ کی تو میرا نام بانو نہیں۔" وہ منہ پر ہاتھ پھیرتی با آواز بلند کہتی چلی گئی۔

"شکر ہے۔۔۔" مریم باہر نکلی۔۔۔ حمیدہ نے کھا جانے والی نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔

"تیرے کلیجے میں تو ٹھنڈ پڑ گئی۔"

"جی۔" وہ ڈھٹائی سے کہہ کر کچن میں گھس گئی۔ کالج سے آکر کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔

"اللہ معاف کرے۔ سگی بہنیں ہیں۔ مگر انداز سارے دشمنوں والے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی عریشہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور جھنجلا کر بولیں۔
"اب تو میرے سر پر کھڑی کیا کر رہی ہے۔ جا کر کھانا کھا لے....."
عریشہ کان دبا کر کھسک لی۔ تائی خاصی غصے میں تھیں ــــ کچن میں مریم گنگناتے ہوئے کھانا نکال رہی تھی۔ گویا اس پورے ہنگامے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔



"عرشی! میں چاہتی ہوں۔ اب تمہاری شادی ہو جائے۔" نبیلہ کی بات پر فرنچ فرائز کھاتی عریشہ نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا۔ وہ آج صبح سے ان کی طرف آئی ہوئی تھی۔ حمیدہ کی پوری کوشش ہوتی کہ وہ نبیلہ کی طرف نہ جانے پائے۔ مگر نبیلہ کا دل جب دل چاہتا۔ اپنے پاس بلا لیتیں۔
"تم نے کچھ کہا نہیں۔" نبیلہ نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی تھی۔
"میں کیا کہوں؟ تایا جان اور تائی جی کو پتا ہو گا۔" اس نے بظاہر لاپروائی سے کہا۔ مگر لبوں پر مسکراہٹ سی آ گئی۔ جب سے ثوبان کی جاب ہوئی تھی۔ اس کے سپنے کچھ اور رنگین ہو گئے تھے۔
"انہیں پتا ہوتا تو دکھ کس بات کا تھا۔" نبیلہ بڑبڑائیں۔
"بہر حال ایک دو رشتے ہیں میری نظر میں۔ کسی دن آتی ہوں بات کرنے۔"
"مگر پھپھو......" عریشہ نے پلیٹ ہاتھ سے رکھ دی۔
"کچھ کہنا چاہتی ہو.....؟"
"میرا مطلب ہے باہر رشتے دیکھنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ تائی ہمیشہ۔" وہ جھجک گئی۔
"کیا ہمیشہ.....؟"
"میں اور ثوبان....." عریشہ نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ نبیلہ کچھ لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔ شاید ذہن میں عادلہ کی باتیں گونجنے لگی تھیں۔ عادلہ کبھی بھی عریشہ کی شادی اس گھر میں کرنے کے حق میں نہیں تھیں۔
"انہوں نے تم سے کبھی بات کی؟"
"وہ تو اکثر ہی ذکر کرتی ہیں۔"
"تو پھر دیر کس بات کی ہے؟"
"وہ ثوبان پہلے سیٹ ہونا چاہتا تھا۔" عریشہ کا لہجہ و انداز صاف بتا رہا تھا کہ وہ خود کس حد تک انوالو ہے۔
"شاید ان حالات میں یہی مناسب ہو۔" نبیلہ نے سوچا۔
"اب تو اس کی جاب بھی ہو گئی ہے۔ وہ خود بھی باہر جانے کی تیاری کر رہا ہے ــــ اب تو دیر نہیں ہونی چاہیے۔"
"باہر کون جا رہا ہے؟" عریشہ نے حیرت سے پوچھا۔
"ثوبان ہی پلاننگ کر رہا ہے۔ تم سے ذکر نہیں کیا؟"
"نہیں تو۔ آپ کو مغالطہ ہوا ہو گا۔"
"نہیں..... ثوبان نے خود جمال سے ساری انفارمیشن لی تھی۔"
"اچھا.....!" وہ اب بھی بے یقین تھی۔ تب ہی فاطمہ چلی آئی۔ اس کے ہاتھ میں زیور کا ڈبا تھا۔
"پھپھو....."

"آؤ فاطمہ......" وہ فاطمہ کے ہاتھ میں ڈبا دیکھ کر سمجھ گئی تھیں کہ وہ کس مقصد کے لیے آئی ہے۔
"پھپھو! یہ عریشہ کا زیور...... میں مزید یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔" اس نے ڈبا عریشہ کی طرف بڑھایا۔ عریشہ بدک کر پیچھے ہوئی۔
"نہیں فاطمہ آپی! یہ زیور نہیں۔ زہر ہے۔ جو میں نے اپنے ہاتھوں اپنی ماں کو دیا تھا۔"
"ایسا مت کہو عرشی! یہ زیور نہیں۔ تمہاری ماں کے ارمان ہیں۔" نبیلہ نے سمجھایا۔
"پھپھو! انہیں آپ اپنے پاس رکھیں۔ عریشہ کی شادی پر دیجیے گا۔"
"آپ نہیں جانتیں۔ میں جب جب یہ زیور دیکھوں گی۔ تب تب اپنی غلطی یاد آئے گی۔" وہ رونے لگی۔
"بس بچے! اب رونے کا کوئی فائدہ نہیں۔" نبیلہ نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔
"فاطمہ! اگر تم لوگوں کا ارادہ ثوبان اور عریشہ کی شادی کا ہے تو انتظار کس بات کا......؟"
"میں کیا کہہ سکتی ہوں پھپھو۔ امی کو پتا ہوگا۔"
"اچھا میں آتی ہوں کسی دن اور اس سلسلہ میں بات کرتی ہوں۔" وہ عریشہ سے مخاطب تھیں۔ عریشہ کا ذہن پھر سے ثوبان کے باہر جانے پر اٹک گیا۔
"آخر ثوبان نے مجھ سے اتنی بڑی بات کیوں چھپائی؟"



مریم کو ہمیشہ سے ثوبان کی یہ عادت زہر لگتی تھی کہ وہ کھانے کا کہہ کر اوپر چلا جاتا...... وہ ہمیشہ بڑبڑاتی۔ مگر اب یہ ڈیوٹی آرام سے عریشہ نے سنبھال لی تھی۔
"ایک تو اماں نے شروع سے انہیں سر پر چڑھایا ہے۔ اوپر سے تم ان کے نخرے اٹھاتی رہا کرو۔ مستقبل میں مسئلہ ہو جائے گا۔"
اسے ٹرے سجاتے دیکھ کر مریم نے کہا۔ تو وہ ہنس دی۔
"مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔"
"ایسے کون سے لاٹ صاحب ہیں۔ جو کچن میں آکر کھانا نہیں کھا سکتے۔ ایک نوکر تو مستقل ان ہی کے لیے چاہیے۔ باہر چلے گئے تو خود پکا کر کھانا پڑے گا۔"
عریشہ نے چونک کر مریم کو دیکھا۔ گویا اس کے سوا سب ہی اس بات سے باخبر تھے۔ پھر ٹرے اٹھا کر اوپر چلی گئی۔
ثوبان فریش ہو کر نکلا تھا۔ عریشہ نے ٹرے اس کے سامنے پٹخی۔
"خیریت! موڈ کیوں خراب ہے؟"
"آپ آج کل ہوتے کہاں ہیں؟"
"تمہیں بھی پتا ہے نئی نئی جاب ہے۔" اس نے کف الٹا۔
"اور باہر جانے کی تیاری بھی تو ہے۔ مصروفیت تو ہو گی۔" ثوبان نے بغور عریشہ کو دیکھا۔
"تو تمہیں پتا چل گیا۔"
"آپ کو چھپانا تھا اور وہ بھی صرف مجھ سے۔" وہ برہم تھی۔
"عرشی! تم سے چھپا کر میں نے کہاں جانا ہے۔ بیٹھو، بیٹھ کر بات کرلو۔ تم تو تلوار سونت کر کھڑی ہو گئی ہو۔"
عریشہ نروٹھے پن سے بیٹھ گئی۔
"میں کون سا ابھی جا رہا ہوں...... ابھی تو صرف خیال ظاہر کیا ہے۔ باہر جانے کے لیے ڈھیر سارے پیسے لگتے ہیں۔"

"اچھی بھلی تمہاری جاب چل رہی ہے۔تم نے باہر جا کر کرنا بھی کیا ہے۔"
"یہ جاب مجھے وہ سب نہیں دے سکتی جو میں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"
"دراصل ثوبان! آپ کے خوابوں کی اڑان ہے ہی بہت اونچی..... ورنہ پڑھ لیا' جاب مل گئی۔ اب اور کیا چاہیے۔"
"میں آسمان چھونا چاہتا ہوں' عریشہ! زندگی میں یہی سب کچھ نہیں ہوتا۔"
"ٹھیک کہا..... زندگی میں اور بھی بہت کچھ ہے۔ لیکن سب کچھ ہمارے لیے نہیں ہوتا۔"
"کیوں ان کے سروں پر سینگ ہیں۔ جو بڑی گاڑیوں میں گھومتے اور شان دار بنگلوں میں رہتے ہیں۔" عریشہ نے اسے دیکھا وہ بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔
"امی کہتی تھیں' انسان کو اتنا ہی ملتا ہے جتنا اس کے نصیب میں لکھا ہو۔ یا جتنے کے لیے وہ محنت کرے اور کوشش کرے۔"
"میں کوشش ہی تو کر رہا ہوں۔"
"کامیابی کے پیچھے اتنا بھی نہیں بھاگنا چاہیے کہ ساتھ چلنے والے پیچھے رہ جائیں۔" عریشہ کھڑی ہو گئی۔
"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"
"میرے اور آپ کے درمیان جو بے نام سا تعلق ہے' اسے نام دینا چاہتی ہوں۔" اس نے سر جھکاتے ہوئے آہستگی سے کہہ دیا۔
"لیکن ابھی تو....."
"پھپھو کسی دن آئیں گی یہ بات کرنے۔"
"پھوپھو سے تم نے بات کی...؟" ثوبان نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"نہیں' وہ خود ہی کہہ رہی تھیں۔"
"ہوں۔ دیکھتے ہیں۔" اس کا انداز مبہم سا تھا۔
عریشہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور غصے سے باہر نکل گئی۔



"تمہیں مصیبت کیا ہے؟" لیکچر نوٹ کرتی عریشہ نے مریم کو ٹھوکا دیا۔ وہ کب سے اپنی نشست پر بے چین بیٹھی تھی۔ مجال ہے، جو ایک لفظ بھی نوٹ کیا ہو۔ دھیان کھڑکی سے باہر تھا۔
"کچھ نہیں۔" وہ بس ذرا دیر ہی سکون سے بیٹھی۔ پھر تیزی سے کھڑی ہو گئی۔
"سر! میں تھوڑی دیر کے لیے کلاس سے باہر جا سکتی ہوں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"
عریشہ نے حیرت سے مریم کو دیکھا۔ سر نے گھڑی پر نگاہ دوڑائی اور اجازت دے دی۔ کلاس ختم ہونے میں دس منٹ رہتے تھے۔
"کہاں جا رہی ہو؟" عریشہ نے اشارے سے پوچھا۔
"واش روم....." مریم نے سرگوشی میں کہا اور بیگ اٹھا کر چلی گئی۔ دس منٹ گزر گئے' کلاس ختم ہو گئی۔ مریم واپس نہیں آئی۔ اسٹوڈنٹس باہر نکلنے لگے..... عریشہ کاریڈور میں رک گئی۔
"توبہ! یہ تو واش روم جا کر سو ہی گئی ہے۔"
"لیلیٰ مجنوں کہاں ہیں؟" کاریڈور کے دوسرے سرے سے عاصم نے نجانے کس سے پوچھا تھا۔
"کینٹین کے عقب میں ہوں گے۔" کسی نے قہقہہ لگایا۔

عریشہ لڑکیوں کے ایک گروپ کی طرف بڑھ گئی۔
"لوگوں نے تو تعلیمی اداروں کو بھی فلرٹ پوائنٹ بنالیا ہے۔" صبا تنفر سے کہہ رہی تھی۔
"گندی مچھلیاں تو ہر جگہ ہی ہوتی ہیں۔" رضوانہ نے کن اکھیوں سے عریشہ کو دیکھا تو عریشہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کرنا ضروری سمجھا۔
"لیکن یہ بھی تو دیکھو۔ یہ کوئی عام ادارہ نہیں' یہاں اساتذہ کی تربیت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ۔ بچوں کو کیا سکھائیں گے۔"
عریشہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ لوگ کس کے بارے میں بات کر رہی ہیں۔ صبا اور رضوانہ نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کے ردعمل پر عریشہ عجیب سی ہو گئی۔
"میں نے ایسا کیا غلط کہہ دیا۔" اس نے حیرت سے سوچا۔ تب ہی مریم تیز تیز چلتی اس کے قریب آگئی۔
"تم کیا واش روم جا کر سو جاتی ہو۔۔۔" وہ مریم پر چڑھ دوڑی۔
"ہاں' نہیں چلیں۔" اس نے چور نگاہوں سے ارد گرد لڑکیوں کو دیکھا۔
"چلو۔" وہ غصے سے کہہ کر آگے آگے چل دی۔
رضوانہ اور صبا ہنس دیں۔
"یہ سچ مچ اتنی ہی سادہ ہے یا بن رہی ہے۔"



کتنی آسان سی زندگی تھی۔ اسٹور' گھر' دوست۔ مزے میں گزر رہی تھی۔
زندگی کیسی ہے۔
کیا کھونا کیا پانا۔
ایسا کچھ سوچا ہی نہ تھا اور اب۔۔۔ اب تو ایسا روگ لگا تھا کہ ہونٹوں پر گہری چپ کے تالے تھے۔ دوست احباب پوچھ پوچھ کر تھک گئے تو وہ ان سے کترانے لگا۔ دو بجے اسکول کی بچیاں اسٹور کے سامنے سے گزرتیں۔ تو وہ وہاں سے غائب ہو جاتا۔
جو اس کی نہیں ہو سکتی۔ وہ اسے دیکھنے کا گناہ گار بھی کیوں ہوتا۔
شاید خود سے ڈرتا تھا کہ کہیں اس کے سامنے نہ کھڑا ہو جائے۔۔۔ اس سے جواب طلبی نہ کر بیٹھے۔ مگر جواب طلبی کیسی؟ محبت تو نعمان نے کی تھی۔ عائشہ نے تو ایسا کوئی دعوا نہیں کیا تھا۔
"بھائی جی دو بج گئے۔" اسٹور والے لڑکے کو یہ تو نہیں پتا تھا کہ وہ دو بجے دکان سے کیوں اٹھ جاتا ہے۔ بس یاد دہانی کرا دی۔
نعمان نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر سڑک سے گزرتی بچیوں کو اور خاموشی سے اٹھ گیا۔ جانا کہاں تھا۔ سڑکیں ناپتے ناپتے گھر کی طرف مڑ گیا۔
دروازہ کھلا تھا۔ وہ خاموشی سے اندر چلا گیا۔
بیٹھک میں حمیدہ اور برکت حسین نجانے کس موضوع پر آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایسے شیر و شکر ہو کر بیٹھنے کے مواقع ان کی زندگیوں میں بہت ہی کم آئے ہوں گے۔
نعمان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ وہ خاموشی سے وہاں سے گزر کر اپنے کمرے میں جانا چاہتا تھا مگر رک گیا۔ برکت حسین کہہ رہے تھے۔
"ہاں۔۔۔ تو نبیلہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ گھر کی لڑکی' گھر کا لڑکا دونوں کا نکاح کر دیتے ہیں۔ پھر اب تو ثوبان کی

نوکری بھی ہو گئی ہے۔"

"خوامخواہ کروں۔۔۔ ابھی بڑا رہتا ہے اور چھوٹے کی شادی کر دوں۔۔۔ وہ تو پہلے ہی کہتا ہے کہ ہم لوگ ثوبان کو اس سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔"

"غلط تو نہیں کہتا۔ بچپن سے اب تک تو نے ہر اچھی چیز چھوٹے کے لیے سنبھال کر رکھی ہے۔"

"ثوبان پڑھنے والا بچہ تھا۔ کتابوں کے علاوہ اور کسی چیز کی طرف دھیان ہی نہ دیتا۔ اسی لیے خیال کرتی تھی۔ نعمان تو بچپن سے لڑاکو تھا۔"

"تو پہلے اس کی کر دیتی۔ اچھی بھلی لڑکی پسند کر کے بیٹھا تھا۔" نعمان ٹھٹک گیا۔

"ہاں۔ وہ استانی بیاہ لاتی۔۔۔ دو دن میں لڑکے کو لے کر الگ ہو جاتی۔"

نعمان کو جھٹکا سا لگا۔ جو محبت دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر رکھی تھی۔ وہ عیاں کیسے ہو گئی۔

"ویسے بھی نعمان کے لیے تو میں کسی غریب گھر کی کم پڑھی لکھی لڑکی لاؤں گی۔ جو ساری زندگی میری خدمت کرے۔" حمیدہ نے با آواز بلند اپنے ارادے ظاہر کیے۔ ان کے خیال میں اس وقت گھر میں کوئی بھی نہ تھا۔

"پھر کہتی ہے۔ میں بیٹوں میں فرق نہیں کرتی۔"

"کچھ سوچ سمجھ بھی لیا کرو۔ ثوبان نے کالج یونیورسٹی کا منہ دیکھ لیا ہے۔ اس کے ارادے اور خیال بڑے اونچے ہیں۔ پھر عریشہ کا مکان اور عادلہ کی رقم بھی اسی کے حصے میں جائے گی۔۔۔ وہ ہمارا خیال کیوں کرے گا۔ باہر گیا تو عریشہ کو بھی ساتھ لے جائے گا۔۔۔ ہمارے ہاتھ خاک آئے گی۔ یہی رہ جائے گا نعمان اور اس کا اسٹور۔"

یہ اس کی ماں کے الفاظ تھے۔ وہ بھی اسی طرح ان کا بیٹا تھا۔ جس طرح ثوبان مگر ثوبان کے لیے سب اچھا تھا اور اس کے لیے؟

"ویسے ہے یہ ناانصافی حمیدہ سب کچھ ثوبان کا ہے تو نعمان کو اس کے دل کی خوشی ہی دے دیتی۔ پسند کرتا تھا اس لڑکی کو۔ دیکھا نہیں کیسا چپ چپ رہنے لگا ہے۔"

"بس اب بار بار اس لڑکی کا نام نہ لے۔۔۔ کروا دوں گی اس کی شادی۔ کنوارہ تو نہیں رکھوں گی۔ ہونہہ میرا بیٹا پھانسنے چلی تھیں۔ ایسی باتیں سنائیں اس ماسٹنی کو کہ دوبارہ نعمان کا سوچے گی بھی نہیں۔"

نعمان کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔

"اچھا اب نبیلہ کو کیا کہوں؟"

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

اس کے دل کی خوشی چھیننے والی کوئی اور نہیں خود اس کی اپنی ماں تھی۔

وہ اس گھر کا کماؤ بیٹا تھا۔ مگر ہمیشہ دو نمبر کا شہری سمجھا گیا۔

اسے وہ ساری زیادتیاں، سارے فرق یاد آئے جو بچپن سے آج تک اس کے ساتھ برتے گئے تھے مگر یہ زیادتی

اس کا دل چاہا کہ اٹھ کر سارے گھر کو آگ لگا دے۔

مگر وہ ٹس سا اپنے بستر پر پڑا تھا۔



وہ کب سے کھڑکی سے باہر چھوٹے سے صحن میں ہوتی بارش دیکھ رہی تھی۔

بارش جو ننھی بچی کی طرح پورے صحن میں ککلی ڈال رہی تھی۔

پانی کے بلبلے بنتے اور پھوٹتے۔۔۔ بچپن میں وہ ان بلبلوں کے پیچھے بھاگتی اور وہ اس کے پہنچنے سے بھی پہلے معدوم

ہو جاتے۔ اسے کیا خبر کہ وہ آج بھی ملبلے کے پیچھے ہی بھاگ رہی تھی اس کے عقب میں مریم آئینہ کے سامنے کھڑی کب سے اپنے خدوخال کا جائزہ لیتی ہوئے ہولے گنگنا رہی تھی۔
"عرشی! کیا میری آنکھیں بہت چمکتی ہیں۔" وہ اپنی آنکھوں کو کسی اور کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔
"پتا نہیں۔" عریشہ نے بغیر پلٹے جواب دیا۔ مریم بدمزا ہو گئی۔
"تم نے مجھے کبھی غور سے دیکھا ہو تو ہی پتا چلے۔"
"اب تمہیں کس نے غور سے دیکھ لیا؟" عریشہ نے یونہی سرسری انداز میں پوچھا۔
"کسی نے نہیں۔" وہ مدھم سا مسکرائی۔ اور اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی کچھ لمحے صحن میں ہوتی بارش دیکھتی رہی۔
"عریشہ! محبت خوب صورت ہوتی ہے۔"
"ہاں..... بہت۔"
"تم ثوبان سے کتنی محبت کرتی ہو؟"
"میں اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ وہ میری سانسوں میں بستا ہے مریم! بچپن سے آج تک صرف اسی کو دیکھا' اسی کو چاہا ہے۔" اس نے بات کرتے کرتے مریم کو دیکھا۔ وہ کھڑکی سے سر ٹکائے ہولے ہولے مسکرا رہی تھی۔
"اے۔" عریشہ نے اس کے سامنے چٹکی بجائی۔
"تم کس جہان میں پہنچی ہوئی ہو۔"
"کہیں نہیں..... یہیں ہوں۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
"لگتا تو نہیں۔"
"آؤ بارش میں نہاتے ہیں۔" مریم نے اس کا ہاتھ پکڑا۔
"بھئی۔ تمہیں نہیں پتا' مجھے صرف بارش کو دیکھنا اچھا لگتا ہے۔" عریشہ نے ہاتھ چھڑانا چاہا۔
"اور مجھے بھیگنا۔" وہ اسے کھینچتی ہوئی بارش میں لے گئی۔
"مریم! چھوڑو مجھے۔ کیا پاگل پن ہے۔"
"ہاں۔ میں پاگل ہوں۔" وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر گول گول گھومنے لگی۔ بارش ان کے وجود سے پھوٹتی کنواری خوشبو سے مست ہونے لگی۔
آسمان ان کی سرخوشی دیکھ کر مسکرایا اور کھل کر برسا۔
ان کے قدموں کی دھمک سے پانی میں دائرے سے بن رہے تھے۔
ابرار نے مبہوت ہو کر یہ منظر دیکھا۔
بارش میں نہاتی کچی کلیاں۔
ان کی مقدس ہنسی..... مندر میں بجتی گھنٹیاں۔
مریم کی نگاہ ابرار پر پڑی تو اس نے ایک دم عریشہ کے ہاتھ چھوڑ دیے..... وہ لڑکھڑا کر بری طرح ابرار سے ٹکرائی ..... مریم کھلکھلاتی اندر بھاگ گئی۔
ابرار نے اسے تھام کر دوسرے ہی پل چھوڑ دیا تھا۔
عریشہ نے خجالت سے اپنے چہرے سے پانی صاف کیا اور غصے سے گھورا۔
ابرار کی نگاہ بھٹک گئی۔

وہ پاؤں پٹخ کر بنا کچھ کہے اندر بھاگ گئی۔
ابرار کی نگاہ اس کے بھاگتے سپید پیروں پر تھی۔
یہ نظر کا دھوکا تھا یا حقیقت۔
ابرار کو لگا' پانی میں ساتوں رنگ گھل گئے ہیں۔



"تم باہر جا کر کیا کرو گے؟" سنیعہ نے گلاس وال سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔ باہر بارش بے آواز' تسلسل کے ساتھ گر رہی تھی۔ وہ دونوں اس ریسٹورنٹ میں ہر روز اکٹھے لنچ کرتے تھے۔ جس کا بل ظاہر ہے سنیعہ دیتی تھی۔
"وہی جو سب کرتے ہیں۔" ثوبان نے بات کو مذاق میں ٹالنا چاہا۔
"مطلب۔"
"ظاہر ہے اپنا لائف اسٹائل بہتر کرنے کی کوشش کروں گا۔"
"کتنا بہتر.....؟" وہ عجیب پہیلیاں بجھوا رہی تھی۔
"اتنا کہ تمہارے مقابل آسکوں۔" ثوبان اس کی طرف جھکتے شرارت سے بولا۔ سنیعہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
"میرے مقابل آنے کے بجائے میرے ساتھ چلنے کی کوشش کرتے تو کوئی فائدہ بھی ہوتا۔"
"ایسا تو میں صرف خواب میں سوچ سکتا ہوں۔"
"میں اس خواب کو حقیقت میں بدل سکتی ہوں۔" وہ پراعتماد تھی۔
"سنیعہ! زمین اور آسمان کبھی ایک نہیں ہوتے۔"
"میں یہ فلسفہ نہیں جانتی..... میں صرف اتنا سمجھتی ہوں کہ زندگی میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ جسے میں حاصل کرنا چاہوں اور کر نہ پاؤں....." اس کے لہجے میں اس کی ذات کا غرور بولتا تھا۔
"تم انسانوں کو بھی چیزوں میں شمار کرتی ہو۔" ثوبان نے نیپکن اٹھایا۔
"نہیں..... اسی لیے تو تم سے پوچھ رہی ہوں۔"
"کیا؟"
"جو کچھ باہر جا کر حاصل کرنا چاہتے ہو اگر یہیں مل جائے تو....."
"کیسے؟"
"مجھ سے شادی کر کے....." سنیعہ نے آرام سے اپنا پرپوزل اس کے سامنے رکھا۔
ثوبان کے ہاتھ سے نیپکن چھوٹ گیا۔
کچھ لمحے ثوبان کچھ بھی نہ بول سکا۔
سنیعہ دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔
"تم مذاق کر رہی ہو؟" ثوبان نے بمشکل خود کو سنبھالا۔
"بالکل نہیں۔" وہ فوراً بولی۔ "تم اچھے انسان ہو' گڈ لکنگ ہو..... کچھ کرنا چاہتے ہو' مگر یاد رکھو' بہت سال لگیں گے' اس لائف اسٹائل تک پہنچنے میں جو میرا ہے' سو ایک سمپل فارمولا ہے۔ تم مجھے اپنا آپ دے دو' میں تمہیں وہ اسٹیٹس دوں گی' جو تم چاہتے ہو۔"
"مگر تمہارے گھر والے؟" وہ اب بھی شاک میں تھا۔
"یہ تمہارا مسئلہ نہیں۔" وہ اطمینان سے کندھے اچکا کر کھانا کھانے لگی تھی' جبکہ ثوبان ہونقوں کی طرح اس

کی شکل دیکھ رہا تھا۔ کھانا' ذائقہ' بھوک ہر چیز بے معنی ہو کر رہ گئی۔
سنیعہ سے شادی کا مطلب تھا۔ وہ ایک ہی پل میں اپنے سارے خوابوں کو چھولیتا۔ زمین سے اٹھ کر دھنک رنگ آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرتا۔۔۔ اور اس کے بدلے اسے کرنا کیا تھا؟
ثوبان نے چاولوں کا چمچہ بھرتی سنیعہ کو دیکھا۔
اسے اپنا آپ سنیعہ کے سپرد کرنا تھا۔ سنیعہ سے شادی خود سے دست برداری۔
ایک امیر کبیر لڑکی ایک سفید پوش گھرانے کے عام سے لڑکے سے شادی کیوں کرتی ہے۔
دو ہی وجوہات ہو سکتی تھیں۔
یا تو وہ اس سے محبت کرتی ہے۔
یا اسے شوہر کے نام پر ایک کاٹھ کا الو چاہیے ہوتا ہے۔ جو ساری زندگی آنکھیں اور کان بند کیے اس کے اشارے پر ناچ سکے۔
سنیعہ کے معاملے میں اسے دوسری بات زیادہ صحیح لگ رہی تھی۔ پھر بھی اس نے حواس باختہ ہو کر پوچھ ڈالا۔
"ڈو یو لو می؟" (کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟)
کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھرتی سنیعہ کو اچھو لگ گیا۔
ہنستے ہنستے اس کی سنہری آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔۔۔ اردگرد کے لوگ مڑ کر دیکھنے لگے۔ ثوبان غصے' خجالت اور شرمندگی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ غرایا۔
"اسٹاپ اٹ۔۔۔"
"مائی گاڈ! ثوبان' تمہارے ذہن میں یہ چل رہا ہے۔" سنیعہ نے بمشکل ہنسی روکی۔
"وہ ٹیپکل انڈین پاکستانی موویز والی مینٹلٹی' اس دور میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔ امیر لڑکی' غریب لڑکا۔۔۔ لو' ڈوئٹ سونگ۔۔۔ مائی گاڈ۔"
ثوبان لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔
"اب تو شادیاں بھی نفع نقصان سامنے رکھ کر کی جاتی ہیں۔ اس پر بھی give and take (کچھ دو' کچھ لو) کا اصول لاگو ہونے لگا ہے' سمجھے۔"
"چلنا چاہیے۔" ثوبان نے سنجیدگی سے گود میں گرا نیپکن اٹھا کر میز پر پھینکا۔
"زیادہ اموشنل ہونے کی ضرورت نہیں' کھانا ختم کرو۔ میں نے تمہارے سامنے ایک آپشن رکھا تھا۔ نہیں تو نہ سہی۔" "تمہارے نزدیک شادی ایک آپشن ہے۔"
"اور کیا ہے؟" سنیعہ نے اظہار حیرت سے پوچھا۔
ثوبان خاموش رہا۔ اس کا ذہن گہرے سمندر میں پھنسے جہاز کی طرح ہچکولے کھا رہا تھا۔
"آئی تھنک' تمہیں باہر جانے کے لیے' ویزا اپلائی کر دینا چاہیے۔" سنیعہ نے اسی اطمینان اور سکون سے اپنا پرپوزل واپس لے لیا۔۔۔ جس سکون سے ثوبان کے سامنے رکھا تھا۔
اسے لگ رہا تھا کہ قسمت نے اس کے دروازے پر دستک دی تھی۔ مگر اس نے دروازہ نہیں کھولا۔



رات ہو گئی تھی۔ مگر نہ تو اس کے کمرے میں لائٹ جلی تھی اور نہ ہی وہ کھانا کھانے باہر نکلا تھا۔ کتنے دن ہو گئے۔ ہر وقت ذہن میں ماں کی باتیں سنپولیوں کی طرح رینگتیں۔۔۔ اس کا دل چاہتا وہ ایک بار تو اماں سے پوچھے' کیا وہ ان کی سگی اولاد ہے۔

مگر ہونٹوں پر گہری چپ تھی۔ جو صدمے کی بکل مارے اداس بیٹھی تھی۔
مائیں بھی اپنی اولاد میں اتنا فرق کرتی ہیں؟
کیا اپنے فائدے کے لیے اپنی ہی اولاد کے دل کی خوشی چھین سکتی ہیں؟
سوالوں کا جنگل اگ کر اتنا گھنا ہو گیا تھا کہ اب تو سانس لینا بھی دشوار تھا۔ مگر ابھی تک جواب کی ایک ٹہنی بھی نہیں ٹوٹی تھی... کہ روشنی کی کوئی لکیر اندر جا کر اس کے وجود کے اندھیرے بانٹ سکے۔
نعمان کو بہت پہلے اپنے دوست یاسر کے ساتھ گزری رات یاد آئی... وہ دونوں اک اوپن ایر ہوٹل میں بیٹھے نان کے ساتھ چکن کڑاہی انجوائے کر رہے تھے۔ جب یاسر نے اچانک کہا۔
"ایک بات تو بتا۔"
"پوچھ... "نعمان نے نوالہ حلق سے اتارنے کے لیے بوتل کا گھونٹ بھرا۔
"تو شادی کیوں نہیں کر رہا؟"
"شادی؟ بس یوں ہی، کبھی خیال نہیں آیا۔" اس نے تعجب کے ساتھ دہرا کر لاپروائی سے کہا۔
"تو کب خیال آئے گا؟ اکتیس کا ہو گیا ہے، کاروبار تیرا سیٹ ہے، اب کس بات کا انتظار ہے؟"
"ہو جائے گی شادی؟ جلدی کس بات کی ہے؟"
"جلدی نہیں دیر ہو رہی ہے، اگر گھر والوں کو خیال نہیں آ رہا تو تو ہی یاد کروا دے۔" یاسر کے لہجے میں گہری سنجیدگی تھی۔
"او یار! ایسی کوئی بات نہیں۔" اس کی پوری توجہ کھانے پر تھی۔
"میرے ساتھ تو ایسی ہی بات ہے۔ میری امی نے تو کہہ دیا ہے، جب تک بہنوں کی شادیاں نہیں کرو گے، اپنی شادی کا نام بھی نہیں لینا۔"
"یہ کیا بات ہوئی؟" نعمان حیران ہوا۔
"یہی بات ہے یار! یہ جو مائیں ہوتی ہیں نا... یہ ایسی ہی ہوتی ہیں، ساری زندگی بیٹوں کو اچھا سے اچھا کھلائیں گی، اچھے سے اچھا پہنائیں گی۔ سب سے اچھی بوٹی بیٹے کی پلیٹ میں ڈالیں گی۔ سب سے اچھا پھل بیٹے کے لیے رکھیں گی، دودھ، بادام، پھل، سونے جاگنے ہر شے کا خیال رکھیں گی، پر جہاں شادی کی بات آئی، وہیں بیٹا پرایا، بیٹی اپنی۔" وہ کہتا چلا گیا۔
"عجیب بات کی ہے تو نے۔"
"ہو گی عجیب... پر سچ یہی ہے... کم از کم میرے معاملے میں تو ایسا ہی ہے۔ میں اپنے گھر کی کمانے والی مشین ہوں۔ سب کی ضروریات پوری کرنا میرا فرض ہے۔ سو اپنی زندگی کی خوشیوں پر میرا کوئی حق نہیں۔"
یاسر اس دن کچھ زیادہ ہی جلا بھنا بیٹھا تھا۔
"اگر تو کہے تو میں خالہ سے بات کروں۔"
"کیا بات کرے گا؟"
"یہی کہ بیٹا شادی کے لیے اتاولا ہو رہا ہے۔"
"چھوڑ یار! گلے پڑا ڈھول بجانا ہی ہے۔ اسی لیے سمجھا رہا ہوں۔ گھر والوں کے لیے پیسہ کمانے والی مشین نہ بن جانا۔ اپنے حصے کی خوشیاں وقت پر حاصل کر لینا۔" یاسر نے بےزاری سے کہتے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔
"نعمان بھائی۔" مریم نے آواز دے کر دروازہ کھولا۔ "کھانا لاؤں؟"۔
وہ چونک کر اپنے خیالوں سے باہر نکلا اور بےحد رکھائی سے بولا۔
"نہیں اور اب نہ دروازہ کھولنا۔"

مریم فوراً" دروازہ بند کر گئی۔
نعمان نے کروٹ بدل لی۔ خیالوں کی رو پھر وہیں جا نکلی۔ اسے وہ دن یاد آئے' جب اس نے پہلی بار ان
راہوں سے عائشہ کو گزرتے دیکھا۔ اس کے ذہن میں شادی کا خیال تک نہ آیا تھا۔ بس وہ اسے اچھی لگی تھی۔
نظر باز انسان نہیں تھا۔ مگر اس نے عائشہ کو بہت دیر اور دور تک دیکھا تھا۔ پھر یہ دیکھنا اس کے لیے اتنا ضرور
ہو گیا' جتنا کہ کھانا پینا یا شاید اس سے بھی کچھ بڑھ کر۔ عائشہ کو تو خبر بھی نہ تھی کہ کوئی ہر روز اس کے قدموں
نشان گنتا ہے۔
تب ہی ایک دن یاسر نے اس سے پوچھا۔
"یار نعمان! تجھے زندگی میں کبھی کسی لڑکی سے محبت ہوئی ہے؟" اس کا انداز بے حد کھویا کھویا تھا۔ جیسے وہ
سوال نعمان سے نہیں خود سے کر رہا ہو۔
"محبت..... نہیں..... یا شاید ہاں....." وہ خود بھی ہاں نا پر اٹکا تھا..... کہ ابھی خود پر بھی یہ راز افشا نہیں ہوا تھا۔
"کوئی لڑکی اچھی تو لگی ہوگی؟"
"ہاں....." اس نے ایمان داری سے اعتراف کیا۔
"پھر.....؟"
"پھر کیا؟"
"اس سے شادی کا خیال نہیں آیا؟"
"سچی بات بتاؤں تو نہیں۔"
"میری ایک بات یاد رکھنا۔" یاسر نے ہاتھ اٹھاتے ناصحانہ انداز اختیار کیا۔ "جب کسی لڑکی سے محبت ہو
اس سے شادی بھی کرنا چاہے تو کبھی اپنی ماں کو نہ بتانا کہ وہ تیری پسند اور محبت ہے۔"
"کیوں؟" نعمان نے ہونقوں کی طرح پوچھا۔
"یار! یہ مائیں ان سیکیور ہو جاتی ہیں۔ انہیں لگتا ہے کہ اگر بیٹے نے پسند کی شادی کر لی تو انہیں گھر سے
دے گا۔"
اس وقت نعمان نے یہ بات ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دی تھی۔ اس نے تو یاسر کے لہجے
چھلکتا دکھ بھی محسوس نہ کیا تھا۔ مگر جب عائشہ سے شادی کا سوچا تو یہی خدشہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ فاطمہ
رشتے کے وقت جب اس نے مذاق مذاق میں اپنی شادی کا ذکر کیا تو حمیدہ تڑپ اٹھیں۔
"صبر کر..... صبر..... دو بہنیں گھر بیٹھی ہیں۔ پہلے انہیں تو رخصت کر لے' اپنی پڑ گئی ہے۔"
"مطلب' بہنوں کو بیاہتا بیاہتا بوڑھا ہو جاؤں۔"
چچی نے بات کو پلٹ دیا۔ مگر اس نے ماں کے منہ کے بگڑتے زاویے دیکھے تھے۔
تب ہی گھر میں اپنی خواہش کا اظہار کرنے کے بجائے زبیدہ کی مدد لی۔
مگر ہوا کیا؟
کتنی آسانی اور سہولت سے اس کی خواہش کو کچل دیا گیا۔
کتنی بے دردی سے اس کے دل کی خوشی چھینی گئی۔
وہ بھی کسی اور نے نہیں' خود اپنی ماں نے۔
"کروا دوں گی اس کی شادی۔ کنوارا نہیں رکھوں گی۔ ہونہہ! میرا بیٹا پھانسنے چلی تھی۔ ایسی باتیں سنائیں
ماسٹرنی کو کہ دوبارہ نعمان کا سوچے گی بھی نہیں۔"
لفظ نہیں پھنکارتے ہوئے سانپ تھے۔ جو اسے گھیرے ڈس رہے تھے۔

"کس کا نکاح۔۔۔؟"

اپنی عائشہ کا۔۔۔

وہ اپنے سر کے بال نوچنے لگا۔

کس سے پوچھے۔۔۔؟

کس کو کٹہرے میں کھڑا کرے؟

کس کا گریبان پکڑے؟

وہ بچوں کی طرح رونے لگا۔

یہ رونا ایک لڑکی کے لیے نہیں تھا۔

یہ رونا اپنی محبت کے بچھڑنے پر بھی نہیں تھا۔

یہ رونا تو اپنی ناقدری کا تھا۔

وہ سچ مچ اس گھر اور گھر والوں کے لیے کمانے والی مشین بن گیا تھا۔

اسے اتنے عرصے کے بعد اب جا کر یاسر کے لہجے میں چھلکتا دکھ سمجھ میں آیا تھا۔



مریم حسب عادت ارد گرد کے گھروں میں تانک جھانک کر رہی تھی۔ عریشہ کرسی پر بیٹھی دونوں پاؤں سامنے چارپائی پر رکھے ایک کاغذ پر پنسل اسکیچ بنا رہی تھی۔

"لگتا ہے لیلیٰ کی شادی ہو رہی ہے۔ ان کے گھر میں بڑی افراتفری ہے۔"

"شاید۔۔۔" عریشہ نے بغیر نظریں اٹھائے جواب دیا۔

"سب کی شادیاں ہو رہی ہیں۔ ایک ہمارے گھر میں کسی کو خیال نہیں۔ میں نے یونہی بڈھے ہونا ہے۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"گر بانو آپا کالا یا رشتہ قبول کر لیتیں۔ تو لیلیٰ سے پہلے دلہن بن جاتیں۔"

"پلیز! اس سے تو بہتر ہے۔ میں کنواری ہی مر جاؤں۔"

"ایسے تو مت کہو مریم! کون جانے کس کے نصیب میں کیا لکھا ہے۔" عریشہ نے سنجیدگی سے ٹوکا۔

"ہاں۔ تم کہہ سکتی ہو۔ تمہیں تو میرا بھائی مل گیا نا۔" وہ چارپائی کے قریب آ گئی۔ "اور سن لو' میرے مقدر بھی اتنے خراب نہیں۔ کرے گا کوئی نہ کوئی مجھے بھی پسند۔"

"آج کل تمہارے انداز بڑے بدلے بدلے سے ہیں۔ کہیں کسی نے پسند تو نہیں کر لیا۔" عریشہ نے یونہی تکا لگایا۔ مریم گڑبڑا گئی۔

"میں تو یونہی اک بات کر رہی ہوں۔ تم خوامخواہ پر کا کوا بنانے کی کوشش مت کرو۔"

"چلو تم نے یہ تو مانا کہ "پر" موجود ہے۔"

"فضول مت بولو۔ کیا بنا رہی ہو۔" مریم نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"اسکیچ ہے۔"

"کس کا؟" مریم نے شرارت سے پوچھا۔

"ہے کوئی۔" عریشہ مسکرا دی۔

"میرے بھائی پر ڈورے ڈالتی ہو۔ شرم نہیں آئی۔"

"ہاں۔۔۔" عائشہ کا منہ کھل گیا۔ "میں نے کچھ نہیں کیا۔" اس نے پنسل مریم کو دے ماری۔

"ہاں تم تو بہت نیک پروین ہو۔لاؤ مجھے بھی دکھاؤ۔کیا بنایا ہے۔"
وہ پنسل کھینچ کر کے چارپائی پر بیٹھ گئی۔
"جس کے لیے بنایا ہے اُسی کو دوں گی۔"



ساجدہ کے بچوں نے گھر میں ہڑبونگ مچا رکھی تھی ثوبان آفس سے آتے ہی انہیں دیکھ کر بےزار ہو گیا۔ویسے بھی یہ بےزاری آج کل اس پر چھائی ہی رہتی تھی۔
"ماموں آگئے.....ماموں آگئے....."
چھوڑو مجھے سارے کپڑے خراب کر دیے۔"
"ماموں!امی کہہ رہی تھیں۔آپ ہمیں آئس کریم کھلائیں گے اور چاکلیٹ لے کر دیں گے۔"
ایک بچے نے اپنی بہتی ناک اس کی پینٹ سے رگڑتے ہوئے کہا۔وہ جواباً جھڑکنے والا تھا جب اندر سے ساجدہ آپا آگئیں۔اس نے بمشکل لبوں پر مسکراہٹ سجائی۔
"کیسی ہو آپا؟"
"شکر ہے میرے بھائی کو حال پوچھنے کا خیال تو آیا۔جب سے نوکری ہوئی ہے تم تو ویسے ہی دکھائی نہیں دیتے۔کبھی بھولے بھٹکے بہن کے گھر کا چکر ہی لگا لیا کرو۔تمہارے بھانجے ہر وقت تمہیں یاد کرتے ہیں۔یہ چھوٹے والا اب دوسری کلاس میں ہے.....اور....."اس سے قبل کہ وہ نان اسٹاپ بولتی باقیوں کی کلاسیں بتاتیں.....ثوبان بول اٹھا۔
"ضرور آپا!ضرور چکر لگاؤں گا۔میں نہالوں۔بہت گرمی میں آیا ہوں۔"
"ہاں۔ہاں جاؤ نہالو۔"ساجدہ نے بچوں کو کھینچ کر پیچھے کیا۔ثوبان موقع غنیمت جان کر فوراً سیڑھیاں چڑھ گیا۔
"اس گھر میں ایک لمحے کو سکون نہیں۔ہر دوسرے دن چلی آتی ہیں۔ساتھ میں وہ بدتمیز' جاہل بچوں کی فوج جو اس زمانے میں بھی سرکاری اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔"
اس نے بڑبڑاتے ہوئے موبائل اور بائیک کی چابی رائٹنگ ٹیبل پر رکھی۔خود کرسی پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔تب ہی نگاہ میز پر پیپر ویٹ کے نیچے دبے کاغذ پر پڑی۔بغیر متجسس ہوئے اس نے کاغذ اٹھا لیا کہ عریشہ اکثر کچھ نہ کچھ رکھتی رہتی تھی مگر اس بار وہ اپنا اسکیچ دیکھ کر سراہے بغیر نہ رہ سکا۔
"کیسا لگا؟"
عریشہ کی آواز پر اس نے کاغذ سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔کچھ دنوں سے ان کے درمیان دوری سی آگئی تھی۔وہ مصروف ہوا تھا یا عریشہ..... مگر پہلے کی طرح مل بیٹھنے کا موقع کم ہی ملتا تھا۔
"ہوں۔مجھے نہیں پتا تھا تم یہ کام بھی کر لیتی ہو۔ویسے میری ناک اتنی موٹی تو نہیں۔"
عریشہ کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔وہ پلٹنے لگی تو ثوبان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"چھوڑو۔"
"اوہ تو محترمہ ابھی تک بچوں کی طرح ناراض ہوتی ہیں۔"
"ایسی کوئی بات نہیں۔تمہیں نہیں اچھا لگا تو نہ سہی۔"عریشہ نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لیا
"یہ۔یہ تم نے کیا کیا؟"ثوبان ہکا بکا رہ گیا۔
"جب تمہیں اچھا ہی نہیں لگا تو رکھنے کا فائدہ"وہ بدقت مسکرائی۔
"مگر تم نے اتنی محنت سے بنایا تھا۔"

"اس محنت کا فائدہ ہی کیا جو تمہیں متاثر نہ کر سکے۔" عریشہ نے پرزے ڈسٹ بن میں ڈال دیے۔
"میں تو مذاق کر رہا تھا۔ یہ تو بہت زبردست تھا۔ اور ....." وہ تھوڑا شرمندہ ہو گیا۔
"چھوڑو۔ یہ قصہ ختم ہوا۔ تم نے کھانا کھایا؟"
"یار! کیا چیز ہو تم؟"
"میں تو ہمیشہ سے ہی ایسی ہوں۔"
"سنو عرشی! تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش، سب سے بڑا خواب کیا ہے؟" بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔
"تم۔" عریشہ کو ایک سیکنڈ سوچنے کی ضرورت نہ تھی۔
(اب تو شادیاں بھی نفع نقصان سامنے رکھ کر کی جاتی ہیں)
آخر نعمان بھی تو تھا پھر عریشہ مجھ میں ہی انوالو کیوں ہوئی۔ کیا اسے بھی لگتا ہے کہ مجھ سے شادی کے بعد بہتر زندگی گزار سکتی ہے۔ عجیب سی سوچ نے ذہن پر پنجہ مارا۔
"اور تمہارے نزدیک سب سے اہم کیا ہے؟" عریشہ نے پوچھا۔
ثوبان کو گمان نہ تھا کہ عریشہ یہ سوال کرے گی۔ مگر وہ سوال کر کے منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"تم" یہ لفظ کہتے ہوئے ثوبان کو خود ہی احساس ہوا کہ اس کے انداز میں وہ بے ساختگی اور جذب کا فقدان تھا جو کہ عریشہ کے انداز میں تھا۔ عریشہ دھیمے سے مسکرا دی۔ اس کے لیے تو لفظ "تم" ہی کافی تھا۔



نعمان کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے حمیدہ خود بھی بیٹھ گئیں۔ نعمان ذرا سا ٹھٹکا۔ اور بے دلی سے نوالہ توڑنے لگا۔ آج کل وہ ہر کام بس ضرور تاً ہی کر رہا تھا۔ خواہ وہ کھانا کھانا ہی کیوں نہ ہو۔
"تیری طبیعت ٹھیک ہے؟" یہ غالباً "تمہیدی جملہ تھا۔
"میری طبیعت کو کیا ہوتا ہے۔"
"پہلے جیسا نہیں رہا، چپ چپ رہنے لگا ہے۔ پہلے کی طرح غصہ بھی نہیں کرتا۔"
"غصہ....." نعمان نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔
(غصہ تو بہت چھوٹا لفظ ہے۔ میرے اندر تو جہنم سلگ رہا ہے۔ ایسا لاوا پک رہا ہے کہ خود ہی ڈر جاتا ہوں۔ کہیں یہ لاوا ابل گیا تو اس سارے گھر کو جلا کر راکھ نہ کر دے۔ لیکن دل تو چاہتا ہے کہ کچھ تو ایسا کروں کہ ایک بار سارا گھر ہل کر رہ جائے، بالکل اسی طرح جس طرح تم نے مجھے ہلا ڈالا تھا۔ سگی ماں ہو مگر سلوک سوتیلوں والا کیا۔)
"اب کیا سوچنے لگے؟"
وہ حمیدہ کی آواز پر چونکا۔ بلی نے دیوار سے چھلانگ لگائی اور قریب آ کر میاؤں کرنے لگی۔
نعمان نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ دیکھا اور بلی کو ڈال دیا۔
"لو اپنے منہ کا نوالہ کیوں ڈال دیا۔"
"مجھے تو بچپن سے عادت ہے۔ اپنے منہ کا نوالہ دوسروں کو دینے کی۔ یاد ہے بچپن میں جب بھی میں کوئی اچھی چیز کھانے لگتا تھا تو ثوبان اپنا حصہ کھا کر میرا حصہ مانگنے لگتا۔ حالانکہ اماں تم نے پہلے ہی اسے سب سے اچھا حصہ نکال کر دیا ہوتا تھا اور تم کہتیں چھوٹا بھائی ہے دے دو۔" وہ بلی کو کھاتے دیکھ کر کھوئے کھوئے انداز میں بولتا گیا۔
"ہاں تو وہ چھوٹا تھا۔ اور ضدی بھی، بڑے بھائی اسی طرح کرتے ہیں۔"
حمیدہ نے لاپروائی سے سالن پر چکراتی مکھی کو اڑایا۔
"ہاں اماں! تم نے ساری زندگی اس کے لیے اچھا سوچا اور میرے لیے؟ تمہارے نزدیک اس کے دل کی خوشی

اہم تھی اور میری بالکل فالتو بے کار۔ کیا تم ثوبان کے ساتھ وہ سب کر سکتی ہو جو میرے ساتھ کیا۔ اس سے عریشہ کو اسی طرح چھین سکتی ہو۔ جس طرح مجھ سے عائشہ کو چھینا۔"

وہ اب بے حد غور سے حمیدہ کو دیکھ رہا تھا۔

"اچھا۔ تجھ سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔"

"کہو اماں! میں تو کب کا منتظر ہوں کہ تم میرے پاس کوئی ضروری بات کرنے ہی بیٹھی ہو گی۔"

نعمان کا لہجہ گہرے طنز کا غماز تھا۔ مگر حمیدہ کچھ نہ سمجھ سکیں۔ انہیں صرف اپنے مطلب کی بات سمجھ میں آتی تھی۔

"ثوبان باہر جانا چاہتا ہے۔ دو لاکھ چاہئیں۔"

"دو لاکھ میں باہر چلا جائے گا۔"

"کچھ رقم اس کے دوست دیں گے۔ تجھے تو پتا ہے اس کے دوست اچھے خاصے امیر گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ تھوڑا بہت اپنی تنخواہ سے جوڑ رکھا ہے اور......"

"اسی لیے آج تک گھر میں ایک دھیلا نہیں دیا۔" نعمان نے سنجیدگی سے ان کی بات کاٹی۔ بلی اب چارپائی کے ارد گرد بے تاب میاؤں میاؤں کر رہی تھی۔

"وہ تو شروع ہی سے ایسا ہے۔ لاپروا۔ صرف اپنے بارے میں سوچنے والا۔"

(اور میں نے ساری زندگی گھر والوں کے بارے میں سوچا۔ ان کی خواہشیں' فرمائشیں' ضرورتیں۔ اسی کا صلہ بھی پا رہا ہوں)

"ویسے کہہ رہا ہے۔ جب باہر چلا گیا تو سب سے پہلے میرے لیے سونے کے کڑے بنوا کر دے گا۔" حمیدہ نے خوش ہو کر بتایا۔ "اچھا۔ تو دے گا نا دو لاکھ۔"

"جب میرا پرائز بانڈ نکلے گا تو دے دوں گا۔" نعمان نے پانی کا گلاس منہ کو لگایا۔

"تو نے پرائز بانڈ خریدا ہے۔ کتنے کا؟" حمیدہ نے ناک پر انگلی رکھ کر حیرت و اشتیاق سے پوچھا۔

نعمان نے ٹرے سے روٹی اٹھا کر بلی کے سامنے ڈال دی۔ اب تک حمیدہ نے غور نہیں کیا کہ نعمان نے کھانے میں سے ایک نوالہ نہیں لیا تھا۔ وہ پرائز بانڈ میں اٹکی تھیں۔

انہیں ثوبان کے ویزے کی فکر تھی۔

انہیں سونے کے کڑوں کی چاہ تھی۔

یہ اس کی ماں تھیں؟

نعمان اپنے اندر ابلتے اشتعال پر قابو پاتے کھڑا ہوا۔

"تو نے بتایا نہیں کہ......"

"اماں!" نعمان نے سختی سے ان کی بات کاٹی۔ "میں نے ثوبان کو پڑھا لکھا دیا بہترین سے بہترین کپڑا پہنایا۔ اس کی ہر ضرورت کو پورا کیا۔ اب وہ اپنا بوجھ خود اٹھا سکتا ہے۔ میں اپنا فرض پورا کر چکا ہوں۔ اب میرے پاس اس کے لیے ایک دھیلا بھی نہیں۔ سمجھا دینا اسے۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

حمیدہ ہکا بکا رہ گئیں۔

بلی چپڑ چپڑ روٹی کھا رہی تھی۔



"تمہارے ویزے کا کیا بنا؟" سنیعہ احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ ثوبان ساتھ والی سیٹ پر تھا۔ سنیعہ نے اسے آفس سے پک کیا تھا۔ کہ لنچ ساتھ کریں گے۔

"پیسوں کا بندوبست کر رہا ہوں۔" ثوبان نے اس سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی تھی۔

"ہو جائے گا؟" وہ اپنے پتے احتیاط کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ ثوبان اسے اچھا لگتا تھا۔ اور جب پتا چلا کہ ایک سفید پوش گھرانے سے تعلق رکھتا ہے تب بھی اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ بلکہ کام زیادہ آسان ہو گیا۔

"میری مدد کی ضرورت ہو تو کہو؟"

تمہاری مدد کی ضرورت ہوتی تو تم سے شادی ہی نہ کر لیتا۔" وہ ہنسا۔

"خیر۔ اب تم نے خود ہی اپنے لیے مشکل رستہ چنا ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"یار! میں پہلے سے کمیٹڈ ہوں۔"

"وہ تمہاری کزن، جو اپنی مدر کی ڈیتھ کے بعد تمہارے ساتھ رہ رہی ہے۔" سنیعہ نے احتیاط سے موڑ کاٹا۔

"ہاں۔"

"اسے کبھی میرے برابر کھڑا کر کے دیکھنا۔ وہ تمہیں نظر بھی نہیں آئے گی۔" وہ اعتماد سے ہنسی۔

ثوبان نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔ وہ عام سے خدوخال کی لڑکی مگر اس کے وجود سے پھوٹتی کرنیں کسی کی بھی آنکھوں کو خیرہ کر سکتی تھیں اور یہ کرنیں تھیں، دولت، اسٹیٹس، خاندان اور اعتماد کی۔ ان سب نے مل کر سنیعہ کی شخصیت کو کیا سے کیا بنا دیا تھا۔

"دیکھ لیا۔ اب اسی نظر سے جا کر اپنی کزن کو بھی دیکھنا۔" سنیعہ نے محظوظ سی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے کہا۔ ثوبان سامنے دیکھنے لگا۔



کچن میں سے باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ نعمان دانستہ دروازے کے پاس ہی رک گیا۔

"آپ نے بھائی سے بات کی؟" ثوبان پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔ کر لی تھی۔ صاف جواب دے دیا ہے... کہنے لگا اب میرے پاس ایک دھیلا بھی نہیں۔" حمیدہ نے بتایا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ میں واپس کر دوں گا۔"

"واپس تو تب کرے گا جب وہ دے گا۔ اس کی تو آنکھیں ہی بدلی ہوئی ہیں۔"

"اماں! یہ کیا بات ہوئی۔ مجھے ایک مہینے کے اندر اندر پیسے ارینج کرنے ہیں ورنہ یہ چانس ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ویزا موجود ہے صرف پیسے دے کر اٹھانا ہے وہاں میرے دوست نے میرے لیے جاب بھی دیکھ رکھی ہے۔" وہ جھنجلایا۔

"تو نے ہمیشہ ہتھیلی پر سرسوں جمائی ہوتی ہے۔ اب میرے پاس کون سا خزانہ دفن ہے۔ جو میں لاکھوں روپے نکال کر تجھے دے دوں۔" حمیدہ ترخ کر بولیں۔

"اماں! سوچ لیں۔ ایک بار باہر چلا گیا تو سب کچھ بدل دوں گا۔ یہاں سے اٹھا کر ڈیفنس میں لے جاؤں گا۔ صرف میرا نہیں پورے گھر کا مستقبل سنور جائے گا۔"

"تو نکلوا عریشہ سے لاکھوں روپیہ دبائے بیٹھی ہے۔"

"لاکھوں... چہ... سب کچھ تو اس سے نکلوا لیا ہے۔ اب اس کے پاس رہا کیا ہے؟"

"مکان..."

"مکان...؟"

"ہاں.... یہ عادلہ کا گھر کس کی ملکیت ہے۔ عریشہ کی نا۔ اور اس نے بیاہ کر اسی گھر میں آنا ہے۔ وہ مکان کا کیا کرے گی؟" حمیدہ نے اطمینان سے کہا۔
"وہ مکان دے دے گی؟"
"زیور نہیں دیا تھا؟ تو چاہے گا تو مکان بھی دے دے گی۔ تجھ سے محبت کرتی ہے۔ مرتی ہے تجھ پر۔"
نعمان چونک گیا۔ زیور والے قصے سے وہ بالکل لاعلم تھا۔
"دکانیں نعمان نے سنبھال لیں' مکان تو لے لے۔ باقی رہا فرید.... وہ تو بچہ ہے۔ بڑا ہوگا تو دیکھی جائے گی۔"
"اماں! کچھ بھی کریں' ایک ماہ کے اندر اندر مکان بیچ کر مجھے پیسے دیں۔"
"میں نے نہیں تم نے کرنا ہے۔ مکان کے کاغذات اسی کے پاس ہیں۔ پیار محبت سے نکلوا لے۔ کہہ دینا کہ اس کا بھی ویزا لگوانا ہے۔"
"اچھا...!"
نعمان خاموشی سے اندر چلا گیا۔ اس کے اندر پکنے والا لاوا اب ابلنے کو تیار تھا۔



رات بہت گہری تھی۔ اور نیند آنکھوں سے کوسوں دور.... وہ ایک لفظ نہیں پڑھ پایا تھا۔ سماعتیں تھیں کہ بس بارش کی رم جھم سنتی تھیں۔ لفظ تھے کہ مل کر ایک ہی منظر بناتے۔
وہ بارش میں دھلے ادھ کھلے گلاب جیسی لڑکی۔
اور پانیوں پر رقصاں سپید کبوتری سے پاؤں۔
"یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔" اس نے کتاب بند کر کے کھلی کھڑکی سے باہر جھانکا۔ گلی میں چاندنی بکھری تھی۔
بارش' چاندنی' خوشبو....
اس نے زندگی میں کبھی ان چیزوں کو اتنی شدت سے محسوس نہیں کیا تھا۔
"نہیں۔ ابھی زندگی اتنی سہل نہیں ہوئی کہ وقت کو ان رنگین خوابوں کے سپرد کر دوں۔ اس طرح تو میرا رستہ کھوٹا ہوگا۔ منزل تک پہنچنے سے پہلے تو ہرگز نہیں۔"
اس نے خود ہی اپنا ہاتھ پکڑ کر خود کو سمجھانا چاہا۔
"یوں بھی وہ میری دسترس میں نہیں۔ وہ اور ثوبان.... لیکن ثوبان؟" وہ بے چین ہو کر کمرے میں چکرانے لگا۔
"یہ کن باتوں میں الجھ رہے ہو ابرار.... یہ تمہاری منزل تو نہیں۔ بس کرو۔ یہیں ٹھہر جاؤ۔" وہ اک طویل سانس لے کر خود کو جبراً کتابوں میں گم کرنے لگا۔ وہ ایک بار بھی گاؤں نہیں گیا تھا۔ البتہ ماں سے فون پر بات ضرور کرتا۔ جمیلہ نے بتایا تھا کہ بشریٰ کا رشتہ چوہدری یاسین کے بیٹے سے طے ہو گیا ہے۔ وہ چاہتی تھی بشریٰ کی شادی پر ابرار گاؤں ضرور آئے۔ جو کچھ بھی ہے اُس کا چچا بالکل اکیلا تھا۔ بھتیجے کے ہوتے غیر آکر ہاتھ بٹائیں۔ یہ جمیلہ کو اچھا نہ لگتا۔ شاید ابرار ماں کے مجبور کرنے پر چلا ہی جاتا مگر اصغر نے صاف کہہ دیا' وہ اس کے گھر میں اب قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔ اگر وہ آیا تو اپنی ماں کو بھی ساتھ لے کر جائے گا۔
سو جمیلہ نے ابرار کو منع کر دیا۔ وہ بیٹے کی مشکلات میں مزید اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔
"میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔" یکسوئی نہ پا کر ابرار نے غصے سے سوچا۔ "ہوسٹل میں رہ لوں گا یا کوئی فلیٹ شیئر کر لوں گا۔ مگر یہاں نہیں رہوں گا۔"
اس نے مصمم ارادہ کیا۔



عریشہ نے رات کے کھانے کے برتن دھوتے دھوتے رک کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ اور مضمحل سا مسکرا دی۔
بہت پہلے تائی کا کہا جملہ یاد آیا۔ ایسا نہیں کہ حمیدہ اب اس سے محبت نہیں کرتی تھیں۔ مگر فاطمہ کی شادی کے بعد کاموں کا بوجھ تائی پر آ گیا تھا۔ وہ کام بھی کرتیں اور شور بھی مچاتیں۔ مریم تو من موجی تھی دل چاہا تو کام کر لیا نہ چاہا تو کان لپیٹ کر کھسک لیتی۔ سو بہت سے کام از خود عریشہ کی ذمہ داری بن گئے۔ حمیدہ آرام سے کہتیں۔
"شادی کے بعد بھی تو عریشہ نے ہی سب کچھ سنبھالنا تھا۔"
"عرشی....." ثوبان کی آواز پر وہ چونک کر پلٹی۔
"ابھی تک تمہارا کام ختم نہیں ہوا؟"
"بس ہو گیا۔" اس نے جلدی جلدی آخری دو کپ کھنگال کر رکھے اور ہاتھ دھونے لگی۔
"کچھ چاہیے؟"
"تم مجھے کام کرتی بالکل اچھی نہیں لگتیں۔" ثوبان نے پاس آ کر اس کے پانی میں بھیگے ہاتھ تھام لیے۔
"تو تم ملازمہ رکھوا دو۔" وہ ہنسی۔ ثوبان کا یوں خیال کرنا اس کی روح تک کو سرشار کر دیتا تھا۔
"ضرور رکھواؤں گا۔ اتنے نرم ہاتھ تھے۔ اب دیکھو کیسے سخت ہوتے جا رہے ہیں۔" وہ دھیرے دھیرے اس کے ہاتھ سہلانے لگا۔ اس کے ہاتھوں کی ٹھنڈک ثوبان کے ہاتھوں کی گرمی میں تحلیل ہونے لگی۔ اس نرم گرم حرارت سے عریشہ کے ہاتھ ہی نہیں سارا وجود جلنے لگا۔
عریشہ نے سراسیمگی سے ثوبان کو دیکھا۔ وہ بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کے مابین اک معنی خیز سی خاموشی آ کھڑی ہوئی۔ ثوبان کے ہاتھوں میں غیر محسوس سا ارتعاش اترا۔ عریشہ کا دل سینے میں شور مچانے لگا۔
پھر خواہش صرف ہاتھوں تک محدود نہیں رہی۔ دو نامحرموں میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔
وہ جو اسے روکنا چاہتی تھی۔ ٹوٹ کر بکھرنے لگی۔ تب ہی اک آہٹ ہوئی۔
وہ تڑپ کر پیچھے ہوئی اور خوف زدہ نظروں سے ثوبان کو دیکھنے لگی۔
اس کی اپنی کیفیت عجیب سی تھی۔ گویا سمجھ نہ پایا ہو کہ ابھی کیا ہوا؟
"عرشی!" اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہ تھی۔
"چلے جاؤ۔" عریشہ کو اپنی ہی آواز اجنبی لگی۔
"عریشہ۔" وہ ایکدم آگے بڑھا۔
"نہیں۔ پلیز چلے جاؤ۔" وہ سنک سے جا لگی۔
ثوبان تیزی سے باہر نکل گیا۔
عریشہ کا جسم ہولے ہولے لرزنے لگا۔ اسے رونا آ رہا تھا۔ مگر منہ پر ہاتھ رکھے خود کو سنبھالنے کی سعی کر رہی تھی۔
"کیا ہوا؟" نعمان کی آواز پر وہ اچھل پڑی اور تیزی سے رخ بدل گئی۔
"ایک کپ چائے بنا دو۔" کچھ لمحے انتظار کے بعد نعمان نے کہا۔ عریشہ نے دھلی ہوئی کیتلی نل کے نیچے کر کے نل کھول دیا۔
"میں نے ایک کپ کہا ہے۔"
نعمان کی آواز پر حواسوں میں آتی عریشہ نے کیتلی کو دیکھا۔ وہ آدھی بھر گئی تھی۔ اس نے پانی گرایا۔
"ثوبان کیا کہہ رہا تھا؟"
کیتلی چھوٹ کر سنک پر گری۔ بہت زور کی آواز آئی۔
"ک..... کچھ بھی نہیں۔" اسے اپنی پشت پر نعمان کی چبھتی نگاہوں کا احساس ہو رہا تھا۔

"چائے بنا کر کمرے میں دے جاؤ۔"

نعمان کہہ کر چلا گیا۔ عریشہ نے کس طرح چائے بنائی اُسے خود بھی خبر نہ تھی۔ کچن کی لائٹ آف کر کے دروازہ بند کیا۔ پورے گھر پر ہو کا عالم تھا۔ برآمدے میں جلتے بلب کی پیلی روشنی صحن کے اندھیرے کو کاٹ رہی تھی۔ وہ نعمان کے کمرے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"نعمان بھائی! چائے لے لیں۔" اس نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

"دروازہ کھلا ہے۔ اندر آجاؤ۔"

نعمان کی آواز ابھری۔ کچھ لمحوں پہلے گزرنے والے پل کا خوف تھا کہ عریشہ نے دروازہ بجا کر ٹرے نیچے رکھ دی۔ جب تک نعمان نے دروازہ کھولا۔ وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں جا گھسی تھی۔

نعمان نے دروازہ کھول کر ادھر ادھر دیکھا۔ پھر نگاہ نیچے گئی۔ اسے طیش آگیا۔ اس نے ٹھوکر سے ٹرے اڑائی کپ صحن میں جا کر ٹوٹا۔ چائے برآمدے سے صحن تک نقش و نگار بناتی چلی گئی۔



"اچھی بھلی اس کی نوکری ہے۔ ہزاروں میں تنخواہ ہے۔ اگرچہ ہمیں تو آج تک ایک دھیلا نہیں دکھایا۔ پھر باہر جانے کی ضرورت کیا ہے؟" برکت حسین نے اعتراض کیا۔

"برکت حسین! تیری نیت تو ساری زندگی نہیں بھرے گی۔" حمیدہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"ہاں۔ تو تو نت نئے جوڑے پہن رہی ہے۔ مجھے دکھائی دیتا ہے۔ نانجاروں کو اتنی فکر نہیں کہ دو جوڑے باپ کو سلوا دیں۔ بلاؤ اس لڑکی کو۔ میں کہتا ہوں خبردار جو انہیں اپنا مکان دیا۔ ایک اسی کا کرایہ تو میری جیب میں جاتا ہے۔" وہ غضب ناک ہوئے۔

"اے برکت حسین، چپ، آہستہ کیا ہو گیا ہے۔ اب کیا محلے والوں کو سنائے گا۔"

حمیدہ بوکھلا گئیں۔ نعمان نے ایک نظر دونوں کو دیکھا اور اندر آگیا۔

"ابا!"

"ہاں بول۔" وہ اسی ٹون میں بولے۔

"ابا! مجھے شادی کرنا ہے۔" اس نے واضح الفاظ میں مدعا بیان کیا۔

دونوں نے ٹھٹک کر نعمان، پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر برکت حسین حمیدہ پر الٹ پڑے۔

"شرم کر، شرم، بیٹے اپنے منہ سے کہنا شروع ہو گئے ہیں۔ تو پڑی سوتی رہ۔"

"خواہ مخواہ سو رہی ہوں۔ دیکھ تو رہی ہوں لڑکیاں۔" وہ جز بز ہو کر بولیں۔

"لڑکیاں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟" نعمان نے تیوری چڑھائی۔

"تو پھر؟" حمیدہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اتنی بے عزتی کے بعد بھی وہ استانی کی ماں رشتہ دینے کو تیار ہے۔ بڑے ہی بے غیرت لوگ ہیں۔

حمیدہ کی سوچ کی پرواز بس یہیں تک تھی۔

"جو گھر میں ہے اُس کا کیا اچار ڈالنا ہے۔"

کئی لمحے وہ کچھ بول ہی نہ سکیں۔

"عریشہ؟" برکت حسین نے بیوی کو دیکھا۔

"ہاں کیوں؟"

"مگر عریشہ تو.... میرا مطلب ہے۔ تم سے چھوٹی ہے۔" وہ ہکلائیں۔ بیٹے کے تیور ایسے تھے کہ ساری عمر اس کو

چٹکیوں میں اڑانے والی ماں گڑبڑا گئی۔
"اتنی بھی چھوٹی نہیں ہے۔" نعمان استہزائیہ انداز میں ہنسا۔
"ہمارا خیال تھا کہ....."
"مجھے شادی اسی سے کرنا ہے۔ دل میں کوئی اور خیال ہے تو بھی نکال دیں۔"
وہ قطعی لہجے میں کہہ کر دوسرے لفظوں میں اپنا فیصلہ سناتا چلا گیا۔ اس کے جلتے بلتے دل کو قرار آ گیا تھا۔ وہ اپنے خود غرض گھر والوں کو ہلانا چاہتا تھا اور وہ انہیں ہلا گیا تھا۔
"اب کیا ہوگا؟ تم تو کہہ رہی تھیں کہ ثوبان اور عریشہ۔"
حمیدہ گم صم بیٹھی تھیں۔



"اس سے تو اچھا تھا' وہ استانی بیاہ لاتی۔"
وہ کف افسوس ملتیں۔ بات ایسی تھی کہ کسی کے ساتھ شیئر بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ دونوں بھائی ایک دوسرے کے مقابل آکھڑے ہوں۔ جو کچھ بھی کرنا تھا خود ان ہی کو کرنا تھا۔ اور وہ اسی بات کا جائزہ لے رہی تھیں کہ دو دریاؤں میں سے وہ کس دریا کا رخ موڑ سکتی تھیں۔
"کیسا گھنا میسنا نکلا۔ میرے پیٹ کا جنا۔ اور میں ہی اسے سمجھ نہ سکی۔ مجھے لگا وہ استانی کو پسند کرتا ہے۔ کیا پتا تھا۔ ناک کے نیچے یہ کچھ ہو رہا ہے۔ خوامخواہ استانی کی ماں کی اتنی بے عزتی کی۔ ہائے اللہ! اب کیا کروں؟" وہ اسی اُدھیڑبن میں تھیں۔ جب محلے کی ایک وچولن کے توسط سے ایک اچھا رشتہ ہاتھ آ گیا۔
"بات سن مریم۔"
مریم جو اطمینان سے بیٹھی اپنی بھنویں نوچ رہی تھی۔ ٹیوزر اور چھوٹا شیشہ چھپانے لگی۔
نوکس رٹتی عریشہ نے بھی مڑ کر حمیدہ کو دیکھا۔ جو افتاں و خیزاں اندر داخل ہوئی تھیں۔
"کیا ہے اماں! اب کروانا ہوگا' کوئی نہ کوئی کام۔"
"ہاں۔ پہلے ہی تو نے سارا گھر اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا ہے۔" وہ چمک کر بولیں۔
"کیا بات ہے؟" مریم نے بے زاری سے پوچھا۔
"شام کو کچھ لوگ تمہیں دیکھنے آ رہے ہیں۔ جو کریمیں شریمیں ملنی ہیں مل لو۔"
"خوامخواہ ہی۔" مریم تپ گئی۔
"کیا خوامخواہ؟" حمیدہ نے گھورا۔ "اچھے لوگ ہیں۔ پڑھا لکھا لڑکا' سرکاری ملازم' اپنا گھر اور تمہیں کیا چاہیے۔"
"بس انہیں منع کر دیں۔"
حمیدہ تو حیران تھیں ہی' عریشہ بھی مریم کا منہ دیکھنے لگی۔ جو سوچ کر کیا ہو گیا تھا۔ نجانے وہ اتنا چڑ کیوں گئی تھی۔
پھر حمیدہ کو جوش اٹھا۔
"تیری زبان کے ساتھ ساتھ ٹانگیں بھی کاٹ کے رکھ دوں گی۔ بدذات' منہ نہ متھا۔ یہ نہیں پسند' وہ نہیں پسند۔ تو کسی لینڈ لارڈ کی اولاد ہے۔ ارے ہزار کا نوٹ دیتی ہوں۔ تب جتنوں' بہانوں سے کوئی آدھ رشتہ جڑنے لگتا ہے۔ ان کو بھی تو پسند آ جائے تو غنیمت ہے۔"
"میں نے کہا نا..... مجھے نہیں کرنی اس سے شادی۔" مریم چیخ اٹھی۔
"جس سے کرنی ہے اس کا نام بتا دے۔ جو ناک رکھا ہے اسی کے ساتھ تیرا منہ کالا کر دوں گی۔"
عریشہ ٹکر ٹکر دونوں کا منہ دیکھنے لگی۔

"کن جاہلوں کے خاندان میں پیدا ہوگئی۔" مریم جھٹکے سے اٹھی اور دھپ دھپ کرتی باہر نکل گئی۔ حمیدہ کی توپوں کا رخ عریشہ کی طرف ہوگیا۔

"سچ سچ بتا! اس کا کسی کے ساتھ آنکھ مٹکا چل رہا ہے۔"

"ن.... نہیں تائی امی۔" وہ بوکھلا گئی۔

"لڑکی جب اتنی بدزبان ہوجائے تو سمجھ لو کوئی چکر چل رہا ہے، کسی کی شہ پر اتنا اچھل رہی ہے۔ اتنی سودائی نہیں ہوں کہ اس کے تیور نہ پہچان سکوں۔ اس کو کہہ دینا شام کو تیار ہو کر مہمانوں کے سامنے آئے۔ ورنہ نعمان سے کہہ کر ہڈیاں تڑوادوں گی۔"

نعمان کا نام لیتے انہوں نے ٹھٹک کر عریشہ کا منہ دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر غصے سے باہر نکل گئیں۔

عریشہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔ اسے اندازہ ہورہا تھا۔ گھر میں کچھ ہنگامہ ہونے ہی والا ہے۔ اور اگر معاملہ نعمان کے سامنے چلا جاتا تو اس کے غصے سے سب ہی واقف تھے۔ وہ کتابیں چھوڑ کر مریم کو ڈھونڈتی اوپر آگئی۔ جو چھت پر ٹہل ٹہل کر اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کررہی تھی۔

"لے آئیں اماں کا پیغام۔" وہ تلملا کر بولی۔ عریشہ نے من و عن پیغام اس تک پہنچا دیا۔

"جو مرضی کریں۔ ٹانگیں تڑوائیں یا جان سے ماریں۔ شادی یہاں نہیں کروں گی۔" اس کے لہجے میں بغاوت ہی بغاوت تھی۔

"تو کہاں کروگی؟" عریشہ نے رسانیت سے پوچھا۔

مریم متذبذب سی اسے دیکھنے لگی۔

"تم کسی کو پسند کرتی ہو؟"

"ہاں۔" ایک لمحے کے توقف کے بعد مریم نے جواب دیا۔

"کون ہے؟"

"ہے کوئی۔" وہ رخ بدل گئی گویا نام بتانے کا ارادہ نہ تھا۔

"تو تائی امی کو بتادو۔"

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ غیر خاندان، غیر ذات، بے روزگار! اماں کہاں مانیں گی۔"

"تو.... پھر مریم؟" عریشہ پریشان ہوکر قریب آئی۔

"ہم دونوں کو تھوڑا وقت چاہیے۔ اسے بھی جاب ڈھونڈنی ہے۔ اپنے گھر والوں کو منانا ہے اور یہاں اماں ہیں کہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے کو تیار ہیں۔" وہ بے بسی سے بولی۔ عریشہ بھی سوچ میں پڑ گئی۔

"اچھا سنو! اب شام کے لیے اور کوئی پھڈا نہیں کرو۔" وہ کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے بولی۔

"مگر میں۔"

"ان باتوں کا ابھی وقت نہیں ہے۔ تم مہمانوں سے مل لو۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ تمہیں پسند کرہی لیں۔ فی الحال یہ وقت ٹالو۔ بعد میں دھیرے دھیرے تائی امی کو سمجھالیں گے۔"



"کباب، سموسے، فروٹ کیک، دہی بھلے، چائے کے ساتھ اتنا کچھ ہی کافی ہے۔ اور کھانے میں...."

حمیدہ کی لسٹ لمبی ہی ہوتی جارہی تھی۔ عریشہ نے بے چارگی سے انہیں دیکھا۔

"کھانا ابھی رہنے دیں۔ بات پکی ہوجائے تو کھانے پر بلا لیجیے گا۔"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے، ویسے مجھے امید ہے بات پکی ہوجائے گی۔ لڑکے کی یہی شرط ہے کہ لڑکی استانی ہو۔

شکل و صورت کی خیر ہے۔ خود بھی بس پورا سارا ہی ہے۔ انہوں نے کہا ہے لڑکی پسند آگئی تو ساتھ ہی نشانی بھی کر جائیں گے۔ صغریٰ نے بڑی امید دلائی ہے۔" حمیدہ نے وچولن کا نام لیا۔ عریشہ ہکا بکا تائی کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

"مگر... مریم..."

"مریم نے ناں کی تو میں اسے زہر دے دوں گی۔" حمیدہ کے ارادے خطرناک تھے، عریشہ چپکی ہو رہی۔ مریم جانے اور تائی۔ وہ خوامخواہ اس پھڈے میں آکر بری نہیں بننا چاہتی تھی۔

"اچھا نعمان کو فون کر۔ سموسے تو گھر میں..." انہوں نے عریشہ کو دیکھا۔ وہ مسمسی صورت بنائے انہیں دیکھنے لگی۔

"چل چھوڑ۔ کباب اور دہی بڑے گھر میں بنا لینا۔ اسے کہو کیک اور سموسے لیتا آئے۔ یہ فاطمہ ابھی تک نہیں آئی۔ آکر کچھ اپنے باپ کو سمجھا دیتی۔ وہ تو جب بولنے پر آتا ہے تو قہر ہی پھاڑتا ہے۔"

عریشہ نے کچھ بھی تبصرہ کیے بغیر نعمان کا نمبر ملایا۔

"اچھا دیکھ دو بوری چینی۔ اور وہ سبز الائچی۔" وہ اپنے دھندے میں الجھا تھا۔

"نعمان بھائی!"

"ہاں... بولو عریشہ!"

"وہ شام کو مہمان آرہے ہیں..." اس نے تائی کا پیغام من وعن پہنچایا۔

"ٹھیک ہے۔ تم نے کچھ منگوانا ہے کوئی کریم... پرفیوم وغیرہ۔"

"مہمان مریم کو دیکھنے آرہے ہیں، مجھے نہیں۔" وہ ہنسی۔

حمیدہ نے چونک کے عریشہ کو دیکھا اور بے چین ہو کر ٹوکا۔

"اب بس بھی کرو کیا کہانیاں سنانے بیٹھ گئی ہو۔"

"نعمان بھائی! مجھے فاطمہ آپی کو فون کرنا ہے۔" اس نے جلدی سے لائن کاٹ دی۔

"عریشہ۔" وہ دہی پھینٹ رہی تھی۔ جب سرخ سوٹ میں کھلی کھلی سی فاطمہ اس کے پیچھے چلی آئی۔ شادی کے بعد اس کی شخصیت ہی بدل گئی تھی۔ محسن کی رفاقت نے اس کی شخصیت کو بلا کی جاذبیت اور اعتبار بخشا تھا۔ جب سے طیبہ جمالؒ کے ساتھ گئی تھی۔ راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔

"جی آپی..."

"مجھے مریم کچھ خوش نہیں لگ رہی۔" وہ ابھی ابھی مریم سے مل کر آئی تھی اور الجھی ہوئی تھی۔ عریشہ ایک پل کو سوچ میں پڑ گئی۔ اسے فاطمہ سے یہ بات شیئر کرنی چاہیے کہ نہیں... پھر اسے لگا یہ موقع مناسب نہیں ہے۔ تب ہی بہانہ گھڑ دیا۔

"یوں لڑکے والوں کا بار بار دیکھنے آنا اتنی بھی خوش آئند بات نہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔"

"بات سن فاطمہ!" حمیدہ اندر آئیں... وہ موتیا رنگ کا نفیس سا سوٹ پہنے اس کا پتلا سا دوپٹہ سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھیں۔

"اپنی ساس کو بھی لیتی آتی۔"

"ارے کیوں آپ کو تو میری ساس گوارا ہی نہیں ہوتیں۔" فاطمہ نے ہنستے ہوئے چوٹ کی۔

"ہاں پر باتیں تو پڑھے لکھوں جیسی کرتی ہے۔"

"اماں! وہ پڑھی لکھی ہیں۔" فاطمہ نے یاد کروایا۔

"ہاں۔۔۔ وہی۔۔۔ مریم کی سسرال پر اچھا رعب پڑتا۔"
"وہ شام میں چکر لگائیں گی۔۔۔ کہہ رہی تھیں تم بھی تو لڑکے والے دیکھنے آرہے ہیں۔ اتنی بھیڑ لگانا اچھا نہیں لگتا۔" دونوں باتیں کرتی باہر نکل گئیں عریشہ مریم کی سسرال پر ہی غور کرتی رہ گئی۔ تب ہی ابرار ہاتھوں میں کچھ شاپرز اٹھائے چلا آیا۔
عریشہ نے چونک کر دوپٹہ سر پر لیا۔
"یہ نعمان بھائی نے کچھ سامان بھجوایا ہے۔"
"ہوں رکھ دو۔" عریشہ نے اشارہ کیا۔۔۔ تو وہ شاپرز رکھنے کو جھکا اور سیدھے ہوتے ہوئے عریشہ کو غور سے دیکھا۔۔۔ بس ایک لمحے کا دیکھنا تھا اور وہ سیدھا ہو گیا۔۔۔ مگر ایک لمحے میں ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ الجھی ہوئی ہے۔
عریشہ نے اس کا دیکھنا محسوس کیا یا نہیں۔ البتہ اس کی کہی بات ضرور کانوں میں گونج اٹھی۔
"مرد اور عورت کی تنہائی میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"
اس نے گھبرا کر ابرار کو دیکھا۔ وہ دروازے پر کھڑا تھا۔
"کچھ اور تو نہیں منگوانا۔"
"نہیں۔۔۔" اس نے بنا شاپرز دیکھے ہی کہہ دیا۔۔۔ تو وہ خاموشی سے پلٹ گیا۔ عریشہ بے دلی سے کام نمٹانے لگی۔
تھوڑی دیر تک مہمان بھی آگئے۔۔۔ فاطمہ ذرا دیر وہاں بیٹھی پھر کچن میں آگئی۔
"یہ میں دیکھ لیتی ہوں۔ تم ذرا مریم کو دیکھ لو۔۔۔ اس کے موڈ کا کچھ پتا نہیں چلتا۔۔۔ حالانکہ ہم جیسے سفید پوش گھرانوں کی لڑکیوں پر ایسے نخرے کہاں جچتے ہیں۔"
"میں دیکھتی ہوں۔" وہ اندر مریم کے پاس چلی آئی۔ مریم تیار تھی۔ مگر چہرے کے تاثرات سخت اور غصہ ناک پر دھرا ہوا۔
"اب موڈ تو ٹھیک کر لو۔"
"مجھے کون سا یہاں شادی کرنی ہے۔۔۔ جو ہنس ہنس کر دکھاؤں۔" وہ تنک کر بولی۔
"وہ تو بعد کا مسئلہ ہے۔۔۔ ابھی تو وہاں سب گھر والے موجود ہیں۔" عریشہ نے رسانیت سے سمجھانا چاہا تو وہ اور چڑ گئی۔
"ہاں، سب مل کر میرا تماشا لگاؤ۔"
"کوئی تماشا نہیں لگ رہا۔۔۔ اٹھو چائے لے جاؤ۔" اس نے ہاتھ پکڑ کر اٹھانا چاہا۔ مریم نے بدک کر ہاتھ چھڑایا۔
"میں نہیں لے جا رہی چائے وائے۔۔۔ خود جا رہی ہوں، یہی کافی ہے۔"
"توبہ کتنے نخرے کرتی ہو۔۔۔ اٹھو۔"
وہ با دل ناخواستہ اٹھی۔
"دوپٹہ تو سر پر لے لو۔۔۔ وہاں تایا جی بیٹھے ہیں۔"
"گلے میں ڈال کر پنکھے سے نہ لٹک جاؤں۔"
"اس کا موقع بعد میں آئے گا۔" عریشہ زچ ہو گئی تھی۔ مریم تن فن کرتی گئی۔ مگر باپ کو دیکھ کر دوپٹہ بھی سر پر آگیا اور بھائیوں کے لحاظ میں مہمانوں سے بھی تمیز سے مل لی۔ چائے لے کر عریشہ کو جانا پڑا۔
"یہ بچی بھی آپ کی ہے؟" مہمان خاتون نے دلچسپی سے شہابی رنگت والی عریشہ کو دیکھا۔
"جی۔۔۔ یہ میری ہونے والی بہو ہے۔" حمیدہ نے کسی خطرے کے پیش نظر فوراً وضاحت کی۔
"بڑی بہو یا چھوٹی بہو۔" خاتون کو کچھ زیادہ ہی کرید کی عادت لگتی تھی۔ نعمان کی نظریں عریشہ کی طرف اور عریشہ

کی ثوبان کی طرف اٹھیں۔۔۔ جبکہ تایا' تائی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ فاطمہ کو خاموشی کا یہ مختصر سا وقفہ غیر ضروری اور بے معنی سا لگا۔

"مریم۔۔۔ چائے تو دو۔" انہوں نے مسکرا کر سوال کو ان سنا کر دیا۔

مریم ٹس سے مس نہ ہوئی۔ بلکہ عریشہ کو ٹھوکے دینے لگی۔۔۔ فاطمہ اور عریشہ نے جلدی جلدی چائے سرو کردی۔ چائے خوشگوار ماحول میں پی گئی۔ تایا اور تائی مدبر بنے بیٹھے رہے۔ زیادہ گفتگو لڑکوں اور فاطمہ نے کی اور جاتے جاتے مریم کی متوقع ساس نے پرس سے دو ہزار نکال کر مریم کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔

"بس بہن! اب ہم لوگ نہیں' آپ لوگ آئیں گے۔"

مارے خوشی کے حمیدہ کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلی۔ انہیں لگا سینے پر دھرا آخری پہاڑ بھی سرک گیا ہے۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں ابھی تک محفل جمی تھی۔ سب لوگ مطمئن سے بیٹھے تھے۔ عریشہ کچن میں آکر باقی بچی چیزیں سمیٹنے لگی۔ تب ہی خیال آیا' مہمانوں کے چکر میں آج دوپہر کا کھانا گول ہوگیا۔ سب نے چائے کے ساتھ کچھ نہ کچھ کھا پی لیا تھا۔ مگر ابرار۔۔۔؟ آج نہ جانے کیسے عریشہ کو اس کا خیال آگیا۔ اس نے کچھ چیزیں ٹرے میں رکھیں اور فرید کے ہاتھ بیٹھک میں بھجوادیں۔

ابرار خود بھی اس عنایت پر حیران رہ گیا۔

"کس نے بھجوائی ہیں؟"

"عرشی باجی نے' مریم باجی کا رشتہ پکا ہوگیا ہے۔" فرید نے بتانے کے ساتھ ساتھ اطلاع دی۔

"اچھا۔۔۔ پھر تو تمہاری مریم باجی بیاہ کر چلی جائیں گی۔"

"اچھا ہے نا' جان چھوٹے گی' ہر وقت ڈانٹتی رہتی ہیں۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"اور عرشی باجی۔۔۔ وہ نہیں ڈانٹتیں۔" اس نے سموسہ اٹھاتے سرسری انداز میں پوچھا۔

"پہلے تو وہ بہت ڈانٹتی تھیں۔ مگر جب سے چچی فوت ہوئی ہیں' وہ بہت بدل گئی ہیں۔"

"ہوں۔" ابرار نے ہنکارا بھرا۔۔۔ فرید واپس بھاگ گیا۔ اسے اپنا حصہ کھانا تھا۔

"بدل تو وہ واقعی گئی ہے۔"

☼ ☼ ☼

"عریشہ۔۔۔" ثوبان اسے کچن میں دیکھ کر وہیں چلا آیا۔ وہ اس دن سے ثوبان سے کترانے لگی تھی۔ اکیلے ملنے اور اکیلے اس کے کمرے میں جانے سے گھبرانے لگی تھی۔

"ہوں۔۔۔ کچھ چاہیے۔" اس نے سنجیدگی سے ثوبان کو دیکھا۔

"تم ناراض ہو؟"

"نہیں۔" وہ سر جھکا کر مٹھائی واپس ڈبے میں ڈالنے لگی۔

"اس دن۔۔۔"

"اس دن۔۔۔" عریشہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس دن احتیاط کا دامن میرے ہاتھ سے بھی چھوٹا تھا۔ اس لیے صرف تمہیں قصوروار نہیں ٹھہرا سکتی۔"

"عریشی! یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے' ایک معمولی سی لغزش۔۔۔"

"ایک معمولی لغزش بھی بڑی تباہی کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے ثوبان۔ خاص طور پر ایک لڑکے اور لڑکی کے درمیان اور اس لغزش میں نقصان ہمیشہ لڑکی کا ہوتا ہے۔" اس نے ایک ہلکی سی نگاہ ثوبان پر ڈالی۔

"تم مجھ پر شک کر رہی ہو۔" ثوبان کے ماتھے پر شکن ابھری۔
"میں تو خود پر بھی شک کر رہی ہوں۔" وہ مضمحل سی ہو گئی۔ کتنا کمزور نفس تھا میرا کہ ایک پل میں پگھلتی چلی گئی۔"
"تم خوامخواہ ایک چھوٹی سی بات کو بڑھا کر کہاں سے کہاں لے جا رہی ہو۔" وہ جھنجلا گیا۔ مرد تھا۔ اس لیے عریشہ کے محسوسات سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا۔ اس کے نزدیک یہ چھوٹی موٹی لغزشیں زندگی کا حصہ تھیں۔
"ثوبان پتا ہے یہ چھوٹی چھوٹی باتیں، ہماری مائیں، ہمیں بہت پہلے سے سمجھانا شروع کر دیتی ہیں۔ امی بھی سکھایا کرتی تھیں۔ مگر میں ایسی نادان تھی کہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی۔ مگر کبھی کبھی آگہی کا ایک چھوٹا سا پل عقل و شعور کے سارے دروازے کھولتا چلا جاتا ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولتی چلی گئی۔
"تم تو بہت بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو..... واقعی استانی بن گئی ہو۔" ثوبان نے طنز کیا تھا یا مذاق اڑایا تھا... اس نے سنبھل کر نظریں اٹھائیں اور زور دے کر بولی۔
"اچھا اب اپنا لیکچر بند کرو۔" وہ سچ مچ بور ہو گیا۔
"ثوبان! اب شادی کر لیں؟"
وہ جاتے جاتے رک گیا۔ عریشہ سب کام چھوڑے اسی کو دیکھ رہی تھی۔
"ابھی؟" اس نے مذاق میں ٹالنا چاہا۔
"جلد سے جلد۔" وہ سنجیدہ تھی۔
"اوکے۔ سوچتے ہیں اس بارے میں۔" ثوبان نے کہا اور چلا گیا۔ عریشہ بجھے دل کے ساتھ چیزیں سمیٹنے لگی، اسے ابھی سوچنا تھا۔



"کچھ مت کہنا۔ خبردار جو مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کی۔ ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔" مریم پورے کمرے میں چکرا رہی تھی۔ ہزار کے دونوں نوٹ بیڈ پر چر مرے پڑے تھے۔
"میں یہ شادی کبھی نہیں کروں گی۔"
"ابھی کون سا شادی ہو رہی ہے۔" عریشہ نے اکتا کر مریم کو دیکھا۔
"جس طرح پکڑ کر یہ رشتہ طے ہوا ہے، اسی طرح شادی بھی کر دیں گے۔" عریشہ کو محسوس ہوا، وہ خوف زدہ ہے، ڈری ہوئی ہے، اپنی جھنجلاہٹ میں اس ڈر کو چھپانے کی سعی کر رہی ہے۔
"مریم! وہ اچھے لوگ ہیں۔"
مریم رک کر عریشہ کو دیکھنے لگی اور عجیب سے لہجے میں بولی۔
"عرشی! تم تو محبت کرتی ہو، پھر یہ کیسے کہہ سکتی ہو۔ وہ اچھے ہوں گے۔ مگر وہ فہد تو نہیں ہیں۔"
"فہد!" عریشہ بری طرح چونکی۔ "تمہارا مطلب ہے....."
"ہاں..... ہاں میرا وہی مطلب ہے۔" وہ چیخ اٹھی۔
"چلاؤ مت۔" عریشہ نے ناگواری سے ٹوکا۔ میری آنکھوں کے سامنے یہ کھیل ہوتا رہا اور مجھے ہی خبر نہیں۔ اب پتا چلا، وہ ساری چہ میگوئیاں تم دونوں کے متعلق تھیں۔"
"کیسا کھیل؟ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی ہیں اور تم اسے کھیل کہہ رہی ہو۔" مریم اسی پر الٹ پڑی۔
"اچھا ٹھیک ہے، اگر تم دونوں ایک دوسرے سے اتنی محبت کرتے ہو۔ ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھا چکے ہو تو فہد سے کہو اپنے گھر والوں کو بھیجے..... تاکہ بات کچھ آگے بڑھے۔" عریشہ نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیسے بھیج دے۔ ابھی اس کے پاس کوئی جاب نہیں ہے۔ ابھی تو اس کے گھر والے بھی نہیں مان رہے۔" وہ تھک کر بیڈ پر بیٹھی۔
"تو پھر؟" عریشہ نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔
"پھر یہ کہ میں زہر کھالوں گی۔۔۔ اور یہ۔۔۔" اس نے جھپٹ کر روپے اٹھائے اور دروازے کی طرف دے مارے۔ "یہ جا کر انہیں واپس کر دو۔"
نوٹ اڑتے ہوئے حمیدہ کے قدموں میں گرے۔
عریشہ کی جان ہوا ہو گئی۔
حمیدہ نے غضب ناک نگاہوں سے مریم کو دیکھا' چیل کی طرح جھپٹیں اور مریم کو بالوں سے پکڑ لیا۔
"تو کیا زہر کھائے گی۔ میں دوں گی تجھے زہر' بتا کون ہے وہ۔۔۔ جس کے لیے یہ سب کر رہی ہے' کس نے سبز باغ دکھائے ہیں۔" انہوں نے مریم کے منہ پر کئی تھپڑ کھینچ مارے۔ عریشہ نے ہوش میں آتے بھاگ کر مریم کو پکڑا۔
"خدا کے لیے تائی امی! چھوڑ دیں' کوئی بھی نہیں ہے۔ میں سچ کہتی ہوں' وہ مان جائے گی۔" کن دقتوں سے حمیدہ کے بھاری بھرکم وجود کو پیچھے کیا۔
"آج کے بعد اس کا گھر سے نکلنا بند۔۔۔ کالج جانا بند۔۔۔ اور اگر اس نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو یاد رکھنا میں اپنے ہاتھوں اسے زہر پلاؤں گی۔"



"کیا کروں؟ کچھ سمجھ نہیں آتا۔ یہ دو آفتیں میرے سر پر کھڑی ہیں' کیسے نمٹوں۔" وہ دونوں ہاتھ مسلتے پریشانی سے کہہ رہی تھیں۔ فاطمہ تو منہ سے ایک لفظ نہ نکال سکی۔ بس حیرت سے ماں کو دیکھتی رہ گئی تھی۔
"اماں! اب کیا ہو گا؟"
"مریم تو لڑکی ہے۔۔۔ کچھ مار پیٹ کر کے منا ہی لوں گی۔۔۔ پر سمجھ میں نہیں آتا نعمان کا کیا کروں۔۔۔ اسے بیٹھے بٹھائے کہاں سے عریشہ کا خیال آ گیا۔"
"آپ نے نعمان کو بتانا تھا کہ عریشہ اور ثوبان۔۔۔"
"اس کے تیور ٹھیک نہیں ہیں۔۔۔ کچھ نہ کچھ کر بیٹھے گا۔۔۔ بڑا عجیب انداز تھا اس کا۔۔۔ تو نے دیکھا نہیں' پہلی بار مجھے اس سے ڈر لگا۔" وہ واقعی نعمان کے رویے سے خائف ہو گئی تھیں۔ نعمان نے اگر چاہا تھا کہ وہ انتقاماً "سب کو ہلا دے۔۔۔ تو اس نے ہلا دیا تھا۔
"تو کیا کریں گی؟"
"کچھ نہ کچھ تو کروں گی۔۔۔ تم لوگوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھوں گی' پاگلوں کی طرح میری شکل دیکھنے لگتی ہیں۔"
فاطمہ شرمندہ سی ہو گئی۔ پھر آہستگی سے بولی۔
"پھپھو آج شاید بات کریں۔"
"تمہاری ساس کو بڑا شوق ہوتا ہے ہمارے معاملات میں ٹانگ اڑانے کا' وہ بات کرے گی تو میں جواب بھی دے دوں گی اور جو بھی جواب دوں تم نے کچھ نہیں بولنا۔ سمجھ میں آئی بات۔"



"اس جمعے کو تمہارا اور عریشہ کا نکاح ہے۔" وہ بات کرتے ہوئے بہت غور سے ثوبان کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔
"کیا کہہ رہی ہیں اماں؟" ثوبان نے حیرت سے انہیں دیکھا۔
"کان بند ہیں۔" انہوں نے جان بوجھ کر رکھائی سے کہا۔

"میں کن چکروں میں پھر رہا ہوں۔۔۔ آپ کو شادی کی پڑ گئی ہے۔" اس نے جھنجلا کر چمچہ پلیٹ میں پٹخا۔ ساری کھیر کا مزا خراب ہو گیا تھا۔
"شادی نہیں کرنی۔" وہ نعمان کو ٹٹول چکی تھیں۔۔۔ اب ثوبان کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ ابھی کل رات ان کی نعمان سے بات ہوئی تھی۔ اس نے صاف کہہ دیا۔ اس کی عریشہ سے شادی نہ ہوئی تو وہ گھر چھوڑ جائے گا اور نعمان کا گھر چھوڑنا وہ افورڈ ہی نہیں کر سکتی تھیں۔
"کرنی ہے، مگر ابھی نہیں، میں باہر چلا گیا تو چار، پانچ سال سے پہلے واپس نہیں آسکتا ہوں۔ ایسے میں اسے کیسے یہاں نکاح کر کے چھوڑ جاؤں۔"
"اور تمہیں لگتا ہے کہ میں اسے پانچ سال تک تمہارے انتظار میں بٹھائے رکھوں گی۔" وہ چمک کر بولیں۔ ثوبان نے الجھ کر ماں کو دیکھا۔
"اب بول۔" انہیں اپنی پسند کا پتا مل گیا تھا۔
"ہاں! عریشہ مجھے اچھی لگتی ہے۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن ابھی یہ ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔"
"اور اتنے سال میں اس یتیم کو لارے لپے میں بٹھائے رکھوں، کیوں؟"
"آپ نے تو مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔"
"تو اس سے پیار کرتا ہے؟"
"ہاں۔۔۔" بڑی سوچتی ہوئی ہاں تھی۔
"کتنا؟"
"اب یہ کیسے بتاؤں؟"
"اس کے لیے جان دے سکتا ہے؟"
"ہاں۔۔۔" وہ حیران ہوا۔
"بتا؟" انہوں نے اصرار کیا۔
"آج کل کون کسی کے لیے جان دیتا ہے۔"
"اس کی خاطر باہر جانا چھوڑ سکتا ہے؟" حمیدہ نے ہاتھ اٹھا کر حتمی انداز سے پوچھا۔
"میں کسی کی بھی خاطر اپنا مستقبل داؤ پر نہیں لگا سکتا۔" ذرا رک کر اس نے صاف لہجے میں کہہ دیا۔
"بس پھر۔۔۔" مارے خوشی کے حمیدہ نے اپنے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مارا۔ "عریشہ کو چھوڑ دے۔"
"جی۔۔۔"
"دیکھ ثوبان! تو پڑھا لکھا ہے۔ خوش شکل ہے۔ تجھے بڑی سے بڑی نوکری مل جائے گی۔ باہر جا کر کسی اچھے گھرانے میں بیاہ کر لینا۔ بچی خود جتنی مرضی ٹکریں مارے۔۔۔ سسرال بھاری مل گئی، تو یوں پکڑ کر۔۔۔ آسمان تک لے جائے گی۔ عریشہ کے پاس کیا ہے۔ دس، پندرہ ہزار پر معمولی سی استانی۔۔۔ شکل و صورت بھی بس گوارا سی ہے۔ دو، چار بچے ہو گئے تو ساجدہ بانو جیسی لگنے لگے گی۔ تو تو شہزادہ ہے اور تیرے لیے تو شہزادی ہونی چاہیے۔" انہوں نے خود ہی ثوبان اور عریشہ کو ایک دوسرے کی طرف متوجہ کیا تھا۔ اب خود ہی اپنی غلطی کو سدھارنا چاہ رہی تھیں۔
"کیا بات کر رہی ہیں امی۔۔۔ آپ جانتی ہیں کہ میں اور عریشہ۔۔۔" وہ حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔
"کیا؟ ہم نے کون سا تم دونوں کی منگنی کی تھی۔"
"لیکن آپ نے ہمیشہ کہا کہ میری شادی عرشی سے ہوگی۔ وہ بھی یہی سپنے دیکھ رہی ہے۔ اب یوں اچانک

لیے...؟"
"یا اس کے سپنے بچالے یا اپنے۔" وہ تاؤ کھا کر اٹھیں۔ "اچھی طرح سوچ لے ثوبان... اگر عریشہ سے شادی
کرنا ہے تو باہر جانے کا خیال دل سے نکال دے۔"
وہ غصے سے کہہ کر چلی گئیں۔ ثوبان سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔



عریشہ، مریم کی وجہ سے خود بھی کئی دن کالج نہیں گئی۔ پھپھو کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ وہ آ نہ سکیں۔ محسن آکر
انہیں لے گیا۔ چوتھے دن وہ کالج جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ جب مریم اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ عریشہ
شرمندہ سی ہو گئی۔
"سوری مریم! مگر میں..."
"کوئی بات نہیں عرشی! میری خاطر تم کیوں اپنا مستقبل تباہ کرو... میرا اک کام کرو گی؟"
"ہاں کہو۔" عریشہ جانتی تھی۔ وہ اس وقت اپنی زندگی کے مشکل ترین دور سے گزر رہی ہے، تب ہی محبت سے
بولی۔
"یہ فہد کو دے دینا۔" اس نے ایک سفید لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔
"نہیں... میں یہ نہیں دے سکتی۔" عریشہ بدک کر پیچھے ہوئی۔
"کیوں عرشی؟"
"مریم! یہ ٹھیک نہیں ہے۔"
"کیوں؟ میں صرف ایک آخری کوشش کرنا چاہتی ہوں، شاید فہد اپنے والدین کو لے ہی آئے، پلیز عرشی! ہمیں
ساری عمر یہ پچھتاوا تو نہ ہو کہ ہم نے کوشش ہی نہیں کی۔"
عریشہ متذبذب سی اسے دیکھنے لگی۔
"تم تو خود محبت کرتی ہو عرشی۔ تم بھی میرا درد نہ سمجھو گی۔" مریم نے ایسے لہجے میں کہا کہ عریشہ پگھل گئی۔ اگر
کل اس طرح ثوبان کو اس سے الگ کرنے کی کوشش کرے تو اس کا کیا حال ہو۔
"ٹھیک ہے، مگر تمہیں بھی ایک وعدہ کرنا ہوگا۔" اس نے لفافہ تھام لیا۔
"میں وعدہ کرتی ہوں۔" وہ بعجلت بولی۔
"سن تو لو۔" عریشہ اس کی بے تابی پر مسکرائی۔ "اگر فہد اپنے والدین کو نہ لا سکا تو تم کوئی ایسا ویسا قدم نہیں اٹھاؤ
گی۔ خاموشی سے شادی کر لو گی۔"
"ظاہر ہے۔ اس کے بعد میرے پاس اور کوئی آپشن بھی تو نہیں رہے گا۔" مریم نے آہستگی سے کہا اور جا کر
بستر پر لیٹ گئی۔ عریشہ نے احتیاط سے وہ لفافہ اپنے بیگ میں سنبھال لیا۔
اسے لفافہ دینے کے لیے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا۔ فہد گیٹ کے آس پاس ہی چکرا رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی بے تابی
سے پاس آیا۔
"مریم..." وہ کہتے کہتے رکا۔ "آپ لوگ اتنے دنوں سے کالج کیوں نہیں آرہیں۔"
عریشہ نے اسے غور سے دیکھا اور بیگ سے لفافہ نکال کر اسے تھما دیا۔
"یہ مریم نے دیا ہے۔"
لفافہ دے کر وہ رکی نہیں، تیزی سے کلاس روم کی طرف چلی گئی۔
سارا دن اس کی ٹٹولتی نگاہیں فہد کے تعاقب میں رہیں۔ وہ کچھ چپ اور بے چین لگ رہا تھا۔ لڑکے بار بار اسے

چھیڑ رہے تھے اور کیوں چھیڑ رہے تھے۔ عریشہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ ایک‘ دو نے پاس آکر مریم کے نہ آنے کی وجہ بھی پوچھی۔ عریشہ نے بخار کا بہانہ کر دیا۔ چھٹی کے وقت جب وہ کتابیں سمیٹ رہی تھی۔ فہد نے ایسا ہی ایک لفافہ چپکے سے اس کی کتابوں میں رکھ دیا تھا۔



اگلا دن چھٹی کا تھا۔ عریشہ نے مشین لگالی۔ سارے گھر کے کپڑے ایک طرف اور نعمان کے کاٹن کے سوٹ ایک طرف جنہیں دھو کر کلف لگانا پڑتی تھی۔ عریشہ کو یہی کام سب سے برا لگتا تھا۔

”وہ کپڑے دھو رہی ہے تو..... تو اٹھ کر ہنڈیا بنا لے..... کیا معذوروں کی طرح پلنگ توڑ رہی ہے۔ عریشہ تیرے باپ کی نوکر لگی ہے۔“

حمیدہ نے مریم کو لتاڑا۔ آج کل سارا نزلہ اسی پر تو گرتا تھا۔ وہ بغیر کوئی جواب دیے باورچی خانہ میں چلی گئی۔

عریشہ جانتی تھی۔ یہ سارا اعجاز اسی خط کا ہے‘ جو فہد نے دیا۔

تب ہی ثوبان اندر آیا۔

عریشہ سامنے ہی بالٹی میں کپڑے نچوڑ رہی تھی۔ بالوں کو کس کر کیچر میں جکڑا تھا۔ بھیگا ملگجا لباس‘ جب تک عادلہ زندہ تھیں۔ وہ اچھے کپڑوں میں تتلی کی طرح اس کے گرد منڈلاتی تھی۔ مگر اب گزرتے وقت نے اس کی طبیعت میں سنجیدگی اور ٹھہراؤ پیدا کر دیا تھا۔ مزاج میں احتیاط کا عنصر بڑھ گیا تھا اور اب اس عام سے حلیے اور عام سے لباس میں وہ کتنی عام اور بے رنگ سی نظر آتی تھی۔

”اسے کبھی میرے برابر کھڑا کر کے دیکھو وہ تمہیں نظر بھی نہیں آئے گی۔“ اسے سنبعہ کی بات یاد آئی۔

”عریشہ کے پاس کیا ہے؟ دس‘ پندرہ ہزار پر معمولی سی استانی بنے گی۔ شکل و صورت بھی بس گوارا ہی ہے۔ دو‘ چار بچے ہو گئے تو ساجدہ‘ بانو جیسی لگنے لگے گی۔“

ثوبان نے اسے پھر سے غور سے دیکھا۔

وہ کم عمر تھی۔ اس سے محبت کرتی تھی۔ آگے پیچھے پھرتی تھی۔ ثوبان کا متوجہ ہونا فطری عمل تھا۔ مگر اب وہ تصور ہی تصور میں اس کا مستقبل دیکھ کر بدک رہا تھا۔

دو‘ چار بچوں میں گھری گورنمنٹ اسکول کی بھاری بھر کم استانی۔

محبت تو شاید تھی ہی نہیں اور وقتی کشش پر لگا کر اڑ گئی۔

عریشہ کی نگاہ ثوبان پر پڑی۔

”تم کب آئے؟“

”ابھی.....“ وہ آگے بڑھا۔

”کھانا لاؤں۔“ وہ نل کے نیچے ہاتھ دھونے لگی۔

”نہیں۔“ ثوبان نے اسے آخری بار غور سے دیکھا۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟“ وہ جھجکی۔

”کیا یہ لڑکی اس قابل ہے کہ میں اس کی خاطر اپنے خوابوں سے دستبردار ہو جاؤں۔“ ثوبان نے خود سے سوال کیا۔ ”نہیں‘ ہرگز نہیں۔ یہ عام سی لڑکی میرے خوابوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔“

فیصلہ ہو گیا تھا اور اسے یہ فیصلہ کرنے میں ایک پل لگا تھا کہ زندگی کی ترجیحات بالکل واضح تھیں۔ جن میں عریشہ بالکل آخری نمبر پر آتی تھی۔

وہ تیزی سے بغیر جواب دیے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

عریشہ نل بند کرنا بھول گئی۔
وہ بے حد حیرت سے اسے اُوپر جاتا دیکھ رہی تھی۔



عریشہ کمرے میں آئی تو مریم فہد کا خط کھولے بیٹھی تھی اور نہ جانے کتنی بار وہ یہ کام کر چکی تھی۔
"کیا لکھا ہے؟"
"ہوں۔۔۔" مریم چونکی۔
"فہد نے کیا لکھا ہے؟" اپنے بستر پر بیٹھتے ہوئے عریشہ نے دوبارہ پوچھا۔
"وہی جو تم نے کہا تھا۔" اس نے خط موڑ کر کتاب میں رکھا۔
"مطلب؟"
"اس کے والدین نہیں مان رہے۔۔۔ وہ چاہتا ہے میں گھر والوں کی مرضی سے شادی کرلوں۔"
"اچھا۔۔۔" عریشہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ پھر سوچتے ہوئے بولی۔ "چلو' یہ بھی اچھا ہوا کہ اس نے تمہیں دھوکے میں رکھنے کے بجائے صاف صاف بات کردی۔ اب تم نے کیا سوچا ہے؟"
"میں نے کیا سوچنا ہے۔ جب سب کچھ ختم ہی ہوگیا۔" وہ لیٹ گئی۔ عریشہ کو حیرت ہوئی۔ وہ کتنی آسانی سے اس حقیقت کو تسلیم کرگئی۔ یا وہ بہت زیادہ مضبوط تھی۔ یا اسے فہد سے محبت ہی نہیں تھی۔ صرف وقتی کشش تھی۔ کیونکہ عریشہ کو اس کے چہرے پر نہ تو ملال کے رنگ نظر آئے' نہ کھو دینے کا دکھ۔
"سنو! تم نے اماں کو تو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" کچھ دیر بعد مریم نے پوچھا۔
"نہیں اور شکر کرو اس دن تائی نے پوری بات نہیں سنی تھی۔"
"تب تو اماں سے معافی مل سکتی ہے۔" وہ چھت کو گھورتے ہوئے بڑبڑائی۔
"تم ان سے معافی مانگو گی؟" عریشہ کو خوشگوار حیرت ہوئی۔ مریم کے معافی مانگنے کا مطلب تھا اتنے دنوں کی چھائی ٹینشن کا خاتمہ۔
"غلطی کی ہے تو معافی بھی مجھے ہی مانگنا ہوگی۔" مریم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
"ہاں' اس طرح تم کالج بھی جاسکو گی۔۔۔ تمہارے بغیر بالکل دل نہیں لگتا مریم۔"
مریم نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔
"عریشہ! تم بہت اچھی ہو۔"
"اچھا۔۔۔ حالانکہ تم ہمیشہ مجھ سے جیلس ہوتی رہی ہو۔" وہ ہنسی۔
"لیکن ہم اتنے اچھے نہیں ہیں۔" مریم سنجیدہ تھی۔
"مطلب؟"
"پتا چل جائے گا۔" وہ کچھ دن گھر میں رہی تھی تو اندازہ ہوگیا تھا کہ گھر میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔
"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"
"یہی کہ ہم سب اپنی اپنی غرض کے بندے ہیں۔ دوسروں کے احساسات اور جذبات کی اہمیت ہمارے نزدیک ہماری خواہشوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔" مریم نے پہلی بار عریشہ کے لیے بے حد حساس ہو کر سوچا تھا۔ شاید یہ دل پر لگی چوٹ کا اثر تھا۔
"پتا نہیں' تم کیا کہہ رہی ہو' مجھے نیند آرہی ہے۔" وہ تھکی ہوئی تھی' سو لیٹ گئی۔
"اچھی بات ہے' یہ چند راتوں کی نیند غنیمت سمجھو۔" مریم ہولے سے بڑبڑائی۔



صبح اٹھتے ہی مریم نے حمیدہ کے پاؤں پکڑ لیے تھے اور اتنا بلک بلک کر روئی کہ عریشہ تو عریشہ حمیدہ بھی حیران رہ گئیں۔ مریم کا یہ روپ ان دونوں کے لیے نیا تھا۔

"اماں! مجھے معاف کر دیں۔ میں بھٹک گئی تھی۔ جذباتی ہو گئی تھی۔"

"پہلے یہ بتا' یہ کس کی شہہ تھی۔"

"قسم خدا کی' کسی کی نہیں' بس میں کسی امیر گھر میں شادی کرنا چاہتی تھی اس لیے۔"

عریشہ کانپ کر رہ گئی۔ اس نے کس دھڑلے سے رب کی جھوٹی قسم کھائی تھی۔

"ٹھیک ہے پر یاد رکھ مریم! آئندہ ایسا کوئی کھڑاک کیا تو میں زہر کھا لوں گی۔"

عریشہ نے دہل کر حمیدہ کو دیکھا۔

نظروں میں عدلہ کا چہرہ گھوم گیا۔

"نہیں اماں! اب نہیں کروں گی۔" اس نے کان پکڑ لیے۔

"تائی امی! اب اسے کالج جانے کی بھی اجازت دے دیں۔" عریشہ نے سفارش کی۔

"کالج تو بھیجنا ہی پڑے گا... ٹھیک ہے' پر دھیان سے..." وہ بڑی مشکلوں سے مانی تھیں۔

دل مطمئن تو نہ تھا۔ مگر کوئی واضح وجہ بھی سامنے نہ تھی۔ اس لیے اجازت دے دی۔

صبح وہ دونوں کالج جانے کے لیے تیار ہوئیں۔ عریشہ نے دیکھا وہ بالکل سادہ سے انداز میں تیار ہوئی تھی۔

"مریم..."

"ہوں...!" وہ بیگ میں کتابیں رکھ رہی تھی۔

"ماؤں کے دل بہت نازک ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی بیٹیوں کی معمولی سی غلطی پر دھڑکنا بھی چھوڑ دیتے ہیں۔"

مریم نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

"وہاں فہد بھی ہو گا' سو بی کیئر فل۔"

"تم فکر نہ کرو۔" وہ سکون سے مسکرائی۔

اور کالج میں عریشہ نے دیکھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے یکسر انجان بنے بیٹھے تھے۔

گویا دونوں ہی یہ حقیقت تسلیم کر چکے تھے۔

عریشہ مطمئن ہو گئی۔



وہ کچن میں ہنڈیا بھون رہی تھی' جب نعمان نے اک کالا شاپر لا کر اس کے پاس رکھا۔ عریشہ یہی سمجھی کہ کچھ کھانے کی چیز ہو گی۔ وہ اکثر سب گھر والوں کے لیے کچھ نہ کچھ لاتا ہی رہتا تھا۔

"آج کیا لے آئے نعمان بھائی؟"

"تمہارے لیے کچھ چیزیں ہیں۔"

"میرے لیے؟" اس نے مڑ کر شاپر دیکھا۔

"ہوں' مریم تو اکثر ہی کچھ نہ کچھ منگواتی رہتی ہے۔ مگر تم نے کبھی فرمائش نہیں کی۔" وہ وہیں کھڑا تھا۔ عریشہ نے کچھ الجھ کر شاپر کھولا۔ شیمپو' کلینزنگ ملک' لپ اسٹک اور ایک عدد گھڑی۔

"مجھے لگا لڑکیوں کو ان ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"مجھے کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔" اس کی چھٹی حس نے الارم دیا تھا۔ وہ مڑ کر آنچ تیز کر کے ہنڈیا بھوننے لگی۔ "اگر ہوتی تو کہہ دیتی۔"

تب ہی ثوبان اندر آیا۔ نعمان اسے دیکھ کر مسکرایا۔
"کسی اور چیز کی ضرورت ہوئی تو بتا دینا' اور یہ چیزیں تو سمیٹو۔ تحفوں کی ناقدری نہیں کرتے۔"
"جی میں سمیٹ لوں گی' شکریہ۔" وہ ثوبان کی آمد سے بے خبر تھی۔
"گھڑی تو اچھی لگی؟" وہ خوامخواہ بات کو طول دے رہا تھا۔
"جی بہت اچھی ہے۔" عریشہ نے ٹالا تو نعمان مسکرا کر باہر نکل گیا۔
ثوبان نے ایک نظر عریشہ کو دیکھا اور فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالنے لگا۔ اسے خود اپنی کیفیت سمجھ میں نہ آئی۔ اگر وہ خود ہی عریشہ سے دستبردار ہونے کو تیار تھا' تو پھر یہ جلن کیسی؟ فریج کی آواز پر عریشہ مڑی۔
"اوہ تم ہو۔"
"یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے؟" اس نے منہ سے بوتل ہٹائی۔
"کون سا؟" عریشہ نے ہنڈیا میں پانی کا چھینٹا دیا۔
"یہی تحائف والا۔"
عریشہ کو ثوبان کا لہجہ عجیب سا لگا۔
"یہ تو نعمان بھائی خود ہی۔۔۔"
"میں اتنا بھی بے وقوف نہیں ہوں کہ سارا کھیل سمجھ نہ سکوں۔" وہ غرایا۔
"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" عریشہ پوری کی پوری اس کی سمت مڑی۔
"یہی کہ تحفے اس سے وصول کرتی ہو اور بے وقوف مجھے بنا رہی ہو۔"
عریشہ کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔
"ثوبان۔۔۔" عریشہ کے صرف لب ہلے تھے' الفاظ اندر ہی کہیں گنگ ہو گئے۔
ثوبان نے بوتل سلیب پر پٹخی اور خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔
"اتنی اپنائیت' اتنی محبت۔"
"ثوبان! خدا کے لیے بس کرو۔" عریشہ حیرانی سے نکل کر دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئی۔
"تم بس کرو عریشہ۔۔۔! اور ہو سکے تو تھوڑی سی شرم بھی۔۔۔" وہ اک ملامتی نگاہ ڈال کر باہر نکل گیا۔ عریشہ ایک دم ہوش میں آ کر پیچھے لپکی اور برآمدے میں اس کا بازو پکڑ کر روکا۔
"ابھی تم نے کیا بکواس کی؟"
"میرا بازو چھوڑو۔"
"کیوں چھوڑوں' تمہارا جو دل میں آئے کہہ کر چلتے بنو اور میں تم سے پوچھوں بھی نہیں۔"
"تماشا مت بناؤ۔" ثوبان نے دانت پیسے۔
"تماشا تو تم بنا رہے ہو۔ تمہیں اتنی گھٹیا بات کرتے ہوئے شرم نہیں آئی۔" وہ پھٹ پڑی۔
"میری بات گھٹیا ہے اور جو کچھ تم کر رہی ہو۔"
"میں نے کیا کیا ہے ثوبان!" وہ روہانسی ہو گئی۔
"خود سے پوچھو۔۔۔" وہ بازو چھڑا کر چلا گیا۔
عریشہ خالی ہاتھ اسے دیکھتی رہ گئی اور واش روم سے نکلتا تولیے سے سر رگڑتا ابرار عریشہ کو۔
عریشہ کی نگاہ ابرار پر پڑی تو احساس توہین سے روم روم جل اٹھا۔ وہ تیزی سے مڑ کر اندر کی طرف بھاگی۔
ابرار نے لب بھینچ کر اوپر جاتی سیڑھیوں کو دیکھا' پھر کمرے کے دروازے کو۔ محبت کرنے والے دکھ نہیں دیتے۔ مگر اس لڑکی کے نصیب میں محبت صرف دکھ بن کر آنے والی تھی۔ ابرار کا دل تاسف سے بھر گیا۔

✡ ✡ ✡

ثوبان کمرے میں بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔ اسے اپنی جلد بازی پر غصہ آرہا تھا۔ خود سے الجھتے وہ کرسی پر گرسا گیا۔

"کیا ضرورت تھی اس طرح ری ایکٹ کرنے کی۔ وہ بھی ایسی سچویشن میں جب مجھے عریشہ کی مدد کی ضرورت ہے۔" اس نے انگلیاں بالوں میں الجھائیں۔ "مگر یہ نعمان بھائی کو کیا ہوا ہے۔ ان کے انداز کیوں بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ عریشہ سے ....." وہ اپنی ہی جگہ ٹھٹک گیا۔ اندر کہیں جلن کا احساس بڑھنے لگا۔ وہ خود اپنی ہی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھا۔

اگر ایسا ہے بھی تو مجھے کیا؟ میں تو ویسے بھی باہر جا رہا ہوں..... لیکن ایک بات یاد رکھ ثوبان بیٹا! اگر ایسا ہے تو تیرے ہاتھ پھوٹی کوڑی نہیں آئے گی۔ سب کچھ نعمان کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ اوپر سے عریشہ کے ساتھ تیرا رویہ..... یہ نہ ہو کہ وہ خود ہی پیچھے ہٹ جائے۔ یہ خیال اتنا بے چین کر دینے والا تھا کہ وہ اٹھ کر خوامخواہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔

✡ ✡ ✡

دو دن سے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے وہ کمرے میں منہ سر لپیٹے پڑی تھی۔ نہ کالج گئی، نہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ لگایا۔ مریم خوشی خوشی کالج جاتی رہی۔ تائی اس کا خیال تو رکھتیں مگر یوں جیسے مارے باندھے کر رہی ہوں۔ ان کے اندر سے وہ محبت، وہ والہانہ پن دھیرے دھیرے غائب ہونے لگا تھا جس کی عریشہ عادی تھی۔

ڈھیر سارا رونے کے بعد بھی دل کا بوجھ تھا کہ کم ہونے میں ہی نہ آتا۔ اسے ثوبان کا انتظار تھا کہ شاید وہ شرمندہ ہو کر اس کے پیچھے آئے مگر وہ تو اپنے اندر کی ساری جلن عریشہ پر نکال کر غائب ہو گیا تھا۔ ثوبان کی بدگمانی نے اس مار ڈالا تھا۔

"حد کرتی ہو اماں! وہ بیمار پڑی ہے۔ اسے ڈاکٹر کو دکھانے کے بجائے اپنے کاموں کا رونا رو رہی ہو۔" باہر سے نعمان کی تیز جھنجلائی ہوئی آواز آئی۔

عریشہ نے سر تک چادر تان لی۔ وہی تو تھا فساد کی جڑ۔

"ہاں سارے قصور تو ماں کے ہیں۔ جا، جا کے اس کی پٹی سے لگ کر بیٹھ جا۔ سر دبا، دوائیاں کھلا، کتنی بار بھونک چکی ہوں کہ ڈاکٹر کے پاس چل۔ نہیں مانتی تو کیا گود میں اٹھا کر لے جاؤں۔"

"تم سے تو بات کرنا فضول ہے اماں.....!"

عریشہ کو محسوس ہوا کہ وہ کمرے کی طرف آرہا ہے۔ اس نے چادر سر تک تان لی۔

نعمان اس کے پلنگ کے پاس آ کھڑا ہوا، پھر اس نے چادر کے اوپر سے ہی عریشہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ عریشہ نے تیزی سے چادر ہٹا دی۔

"کیا ہوا، بخار ہے؟" وہ پھر سے اس کا ماتھا چھونا چاہتا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں؟" عریشہ نے اس کا ہاتھ جھٹکنا چاہا مگر وہ اس کی کلائی تھام کر نبض دیکھنے لگا۔

"اگر ایسے میں پھر سے ثوبان آجائے تو....." عریشہ نے وحشت زدہ ہو کر کلائی چھڑائی۔

"خدا کے لیے نعمان بھائی! آپ جائیں۔ مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہوا تو تائی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" نعمان نے لب بھینچ کر اسے دیکھا، پھر ایک ہاتھ پلنگ پر رکھ کر جھکا۔ عریشہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ وہ کیا کرنے والا ہے۔

"جس کے بل پر اتنا اکڑ رہی ہو، وہ تمہیں کچھ بھی نہیں دینے والا۔ سب کچھ بیچ کر کھا جائے گا اور خود باہر جا کر عیش کرے گا۔ اس بھول میں مت رہنا کہ وہ تم سے شادی کرے گا۔"

"اللہ کا واسطہ اب کھالینا۔۔۔" تائی ہاتھ میں دلیے کا پیالہ لیے وارد ہوئیں۔ نعمان جان بوجھ کر ذرا دیر سے پیچھے ہٹا۔ تائی نے بے حد ناگواری سے یہ منظر دیکھا اور ترش رخ کر لیں۔

"اب کیا اسی کی پٹی سے لگے رہو گے۔"

"نہیں، میں دوا لے کر آتا ہے۔" وہ مسکرا کر چلا گیا۔ عریشہ کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ جو کچھ اس کے چہرے پر تھا۔ حمیدہ نے اس سے نظریں چرالیں۔

"کھالینا۔۔۔ اب میں اکیلی جان کس کس کے نخرے دیکھوں۔" وہ انہیں پکارنا چاہتی تھی مگر پکار نہ سکی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" اس نے ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ سوچا۔

"ضرور یہ نعمان بھائی کی چال ہے۔ وہ جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں کہ ثوبان مجھ سے اور میں اس سے بدظن ہو جاؤں۔ ان کی اپنی نیت خراب ہے۔ مجھ پر اور میرے گھر پر۔۔۔ مجھے اس طرح ہاتھ پاؤں چھوڑ کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔" وہ بے قراری سے اٹھ بیٹھی۔ "مجھے ثوبان سے ملنا ہے۔ اس کی بدگمانی دور کرنی ہے۔"

"ہیلو۔۔۔" مریم نے آتے ہی بیگ پلنگ پر پھینکا اور خود بھی ڈھیر ہو گئی۔ وہ بڑی مسرور اور مگن سی دکھائی دیتی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے؟"

"ٹھیک ہے۔۔۔" اس نے پیر نیچے اتارے اور جھک کر چپل دیکھنے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو۔۔۔ کچھ چاہیے تو مجھے بتاؤ۔" مریم نے کہا تو وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"آج تم بہت خوش لگ رہی ہو۔"

"نہیں تو۔۔۔ میں تو روز ہی ایسی ہوتی ہوں۔" مریم ایک دم سنبھلی۔

"ہوں۔۔۔ میں نہالوں۔" عریشہ چپل پہن کر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں تمہاری طبیعت فریش ہو جائے گی۔"



وہ بہت دنوں بعد رات کو ثوبان کے کمرے میں آئی۔ ثوبان کے اندر اطمینان کی لہر اٹھی، مگر اس نے کچھ بھی ظاہر کیے بغیر کتاب اٹھالی۔

"ثوبان! مجھے تم سے بات کرنی ہے؟" وہ انگلیاں چٹخاتے بہت مضطرب تھی۔

"سن رہا ہوں۔" وہ آ ہی گئی تھی تو کچھ نخرے دکھانے میں کیا حرج تھا۔

"تم مجھ سے اتنے بدگمان کیوں ہو، آخر میں نے کیا کیا ہے؟" عریشہ روہانسی ہو گئی۔

"تم نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی۔" اب وہ عریشہ کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلا رہا تھا۔ "بس اتنا ہی اعتبار تھا؟" اس کے لہجے میں دکھ سمٹ آیا۔

"اعتبار کی دھجیاں خود تم نے بکھیری ہیں۔"

عریشہ بکھر گئی۔ اس کے قریب بیٹھ کر بازو تھامتے ہوئے وہ بلک اٹھی۔

"مت کرو ثوبان۔۔۔ میرے ساتھ ایسا مت کرو۔ جس پل میں جذبوں کو سمجھنے کے قابل ہوئی، دل پر تمہارا نام لکھا پایا۔۔۔ آج تک تمہیں سوچا، تمہیں چاہا۔۔۔ ہر لمحہ تمہاری بن کے گزارا، میری سوچوں پر کسی اور کی پرچھائیں تک نہ پڑی اور نعمان بھائی۔۔۔ پتا نہیں کیوں ان کی نظر بدلنے لگی ہے۔ مجھے نہیں پتا وہ کیا سوچتے اور کیا چاہتے ہیں لیکن میں صرف تمہیں چاہتی ہوں۔ میرا یقین کرو میں تمہارے بغیر مر جاؤں گی۔"

وہ ثوبان کے بازو پر سر رکھ کر رونے لگی۔ ثوبان اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ عریشہ کے لہجے میں اس کے جذبوں کی سچائیاں بول رہی تھی۔ ثوبان کا دل اس میں ڈوبنے لگا۔۔۔ مگر پھر اس کی غرض آڑے آ گئی۔

یہی تو وقت ہے۔۔۔ گرم لوہے پر بس ایک چوٹ اور سب کچھ تمہارے ہاتھ میں۔" اس کی آستین عریشہ کے

آنسوؤں سے بھیگنے لگی تھی۔ جب ثوبان نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔
"ٹھیک ہے عرشی! میں نے مان لیا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔" عریشہ نے سر اٹھا کر ثوبان کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی کیفیت ڈوبتے مسافر جیسی تھی' جسے تنکے کا سہارا مل گیا ہو۔ ثوبان نے نظریں چرا لیں۔
"آئندہ ایسا مت کرنا ثوبان! ورنہ میں مر جاؤں گی..... وہ نعمان بھائی تو....."
"تم جانتی ہو..... دل کے آئینے پر چھائی ذرا سی گرد ساری تصویر دھندلا دیتی ہے۔"
عریشہ کی سانسیں پھر سے اٹکنے لگیں۔ اس کی حالت اس فقیرنی جیسی تھی' جس صدا لگانے کے بعد انتظار کا کہا گیا ہو اور اب وہ کاسہ پھیلائے دیکھ رہی تھی کہ دینے والے کی جیب سے اس کے لیے کیا نکلتا ہے۔
"تم کیا چاہتے ہو ثوبان....."
"اپنا مکان مجھے دے دو....."
عریشہ یک ٹک اسے دیکھتی رہ گئی' ثوبان نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیے۔
"عرشی! سوچو' یہ صرف میرے نہیں تمہارے بھی مستقبل کا سوال ہے۔ ...ہم دونوں....." اس سے آگے وہ خوش رنگ خواب تھے' جو وہ پھولوں کی طرح ہمیشہ سے اس کی راہوں میں بچھاتا آیا تھا۔ عریشہ کو بس ایک لمحے کو احساس ہوا کہ نجانے یہ پھول ہیں یا خواب۔
"جس کے بل پر اتنا اکڑ رہی ہو۔ وہ تمہیں کچھ نہیں دینے والا سب کچھ بیچ کر کھا جائے گا اور خود باہر جا کر عیش کرے گا۔ اس بھول میں مت رہنا کہ وہ تم سے شادی کرے گا۔"
عریشہ نے آہستہ سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور زخمی نگاہ سے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا۔
"تمہیں پھر میری محبت کا ثبوت چاہیے؟"
"یہ بات نہیں ہے عرشی! میں اپنے پرابلم تم سے شیئر نہیں کروں گا تو کس سے کروں گا۔"
عریشہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔
"محبت سوچنے میں اتنا وقت لیتی ہے؟" ثوبان نے اکسایا۔
"نہیں۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی۔ ایک بار اپنی محبت کا ثبوت دیا تو ماں جان سے چلی گئی۔ اب کون اپنی جان سے جائے گا۔" اس نے بے دردی آنسو رگڑے۔ کچھ تو تھا جو کلیجے میں انی کی طرح گڑ گیا تھا۔
"مجھے اپنی محبت ثابت کرنے کے لیے اور کیا کیا کرنا ہو گا۔ ایک ہی بار بتا دو۔"
"میں تمہیں فورس تو نہیں کر رہا۔" اندر شرمندگی کا احساس کروٹ لینے لگا تھا۔
"ٹھیک ہے۔ ایک بار اور سہی۔" وہ کھڑی ہو گئی۔
"عریشہ! یو آر گریٹ۔" ثوبان نے اٹھ کر بے اختیار اسے ساتھ لگانا چاہا..... وہ آہستگی سے پیچھے ہٹ گئی۔
"میں تمہیں اپنا مکان دے رہی ہوں۔ میری محبت ہر آزمائش سے گزری اور سرخرو ہوئی..... زندگی میں کبھی تمہیں اس مقام سے گزرنا پڑا تو کیا کرو گے؟" عریشہ نے ٹھہرے لہجے میں کہا۔
ثوبان گڑبڑا سا گیا۔ اگر عریشہ کو پتا چل جائے تو..... تو کیا ہو گا۔ وہ دیوانی سی لڑکی تو پاگل ہو جائے گی یا جان سے گزر جائے گی۔ عریشہ چلی گئی۔ ثوبان بے دم سا کرسی پر گر پڑا۔
خوشی کے ساتھ اک احساس ندامت بھی اسے گھیر رہا تھا۔



"اچھی طرح چھان بین تو کروالی ہے۔ خاص طور پر لڑکے کے اخلاق و کردار کے بارے میں....." نبیلہ اور فاطمہ آئی۔ آج انہیں لڑکے کو انگوٹھی پہنانے جانا تھا۔

"ہاں لڑکوں نے اچھی طرح چھان پھٹک کروائی تھی' پھر بلوایا تھا۔" برکت حسین نئے نکور لٹھے کے سوٹ میں ملبوس بالکل تیار تھے۔ ثوبان اور محسن کا انتظار تھا' جو مٹھائی لینے گئے تھے۔
"اچھی بات ہے۔ مریم کی فکر تو کم ہوئی' اب عریشہ کے بارے میں سوچیں۔" انہوں نے موقع دیکھ کر بات چھیڑ دی۔ حمیدہ بس ایک لمحے کو گڑبڑائیں۔
"اس کے بارے میں کیا سوچنا۔ گھر کی بات ہے۔" فاطمہ نے گھبرا کر ماں کو دیکھا۔
"جب گھر کی بات ہے تو دیر کس بات کی' چند لوگوں کو بلا کر نکاح کر دیتے ہیں۔" برکت اور حمیدہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ نبیلہ کو حیرت سی ہوئی۔
"کوئی مسئلہ ہے؟" انہوں نے فاطمہ کو دیکھا۔
"کوئی مسئلہ نہیں پھوپھو..." فاطمہ نے ماں کو ٹھوکا دیا۔ جو اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔
"تو ثوبان کے باہر جانے سے پہلے نکاح ضروری ہے؟"
"ثوبان..." حمیدہ ایک حتمی نتیجے پر پہنچیں۔ "پر نعمان بڑا ہے۔"
"نعمان تو یہیں پر ہے' اس کے لیے اطمینان سے لڑکی ڈھونڈتی رہیں۔"
"نعمان کے لیے لڑکی کیوں ڈھونڈوں۔ میں نے تو ہمیشہ سے عریشہ کو بڑی بہو کے روپ میں دیکھا ہے۔" انہوں نے بڑی سفاکی اور اطمینان سے جھوٹ بولا۔ نبیلہ تو کچھ کہنا ہی بھول گئیں۔
"مگر جوڑ تو عریشہ اور ثوبان کا ہے۔" انہوں نے پریشانی سے بھائی کو دیکھا۔ وہ بغلیں جھانکنے لگے۔
"چند سال کی چھوٹائی بڑائی کیا' پھر ثوبان تو ابھی شادی ہی نہیں کرنا چاہتا۔ کہتا ہے کسی گوری میم سے شادی کروں گا۔" حمیدہ کو بس ایک منٹ لگا سب کچھ الٹ پلٹ کرنے میں۔
"تو عریشہ نے یہ کیوں کہا؟ اسے غلط فہمی ہوئی ہے یا یہ اس کے یک طرفہ جذبات ہیں۔" فاطمہ گھبرا کر اٹھ گئی۔
"میں دیکھوں' عریشہ تیار ہو گئی۔"
عریشہ نے بالوں میں برش کرتے ہوئے آئینے میں مریم کو دیکھا' جو پلنگ پر نیم دراز رسالہ پڑھ رہی تھی۔ عریشہ قصداً خوشگوار موڈ میں اس کی طرف مڑی۔
"میں کیسی لگ رہی ہوں؟"
مریم نے رسالے سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا اور مسکرا دی۔
"ہمیشہ کی طرح خوب صورت..."
"شکریہ..." وہ دوسرے پلنگ پر بیٹھ کر سینڈل پہننے لگی۔ باہر شور ہو رہا تھا کیونکہ بانو آپا اپنے اہل و عیال کے ساتھ تشریف لے آئی تھیں۔
"مریم! تم خوش تو ہو نا..." اس نے ہلکے سے خدشے کے ساتھ پوچھا۔
جب کوئی آپشن ہی نہیں تو میں خوش ہوں۔" مریم نے لاپروائی سے کہا۔ تب ہی فاطمہ آگئی۔
"عریشہ! تیار ہو؟"
"جی بالکل تیار۔" وہ دوپٹہ اوڑھ کر کھڑی ہو گئی۔ "ٹھیک لگ رہی ہوں؟"
فاطمہ نے بے اختیار اسے گلے لگا لیا۔ وہ سب مل کر عریشہ کے ساتھ کیا کرنے والے تھے۔ فاطمہ اس کے جذبات سے اچھی طرح آگاہ تھی۔
"نہیں' اس کھیل میں مجھے ساتھ نہیں دینا۔ میں واپسی پر اماں سے بات کروں گی۔ عریشہ کے ساتھ اتنی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔"
اس نے مصمم ارادہ کیا۔ عریشہ اس کے انداز پر حیران تھی۔

"کیا ہوا آپی؟"
"کچھ نہیں' آؤ دیر ہو رہی ہے۔" فاطمہ نے ضبط کرتے ہوئے کہا تو دونوں باہر نکل گئیں۔ باہر برکت حسین ابرار سے کہہ رہے تھے۔
"ارے بھئی تم بھی گھر کا فرد ہی ہو۔ ساتھ چلے چلتے۔"
"سارے محلے کو لے چلیں۔" حمیدہ انہیں خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑبڑائیں۔
"نہیں ماموں..... ! مجھے چھٹی نہیں ملے گی۔" اس نے ایک ہلکی سی نگاہ اندر سے آتی عریشہ پر ڈالی اور نظر ہٹالی۔
"میں چلتا ہوں۔ رات کو آؤں گا۔"
"زیادہ دیر نہ لگانا' ہم لوگ وقت پر آجائیں گے۔" برکت حسین نے تاکید کی۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ یہ لڑکا اپنی ذہانت اور سعادت مندی کی وجہ سے ان کے دل کے قریب ہونے لگا تھا۔



مریم نے سنسان گھر پر اک نگاہ دوڑائی۔
"شکر ہے' چند گھڑیاں تو سکون کی ملیں گی۔"
کچن میں جا کر اک بڑا مگ دودھ پتی کا بنایا۔ کمرے میں آکر اپنے کالج بیگ سے ایک موبائل فون نکالا جو سائلنٹ پر تھا اور پلنگ پر پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی۔ دودھ پتی کی چسکیاں لیتے موبائل پر کسی کو مس کال دی۔ ایک منٹ کے بعد موبائل گنگنایا اور فہد کالنگ کے الفاظ جگمگانے لگے۔ مریم نے مسکرا کر کال ریسیو کی۔ وہ چھوٹتے ہی پوچھنے لگا۔
"خیریت.....؟"
"کیوں.....؟"
"بھئی یہ آدھی رات تو نہیں۔"
"فرصت تھی' تنہائی تھی' سو تم یاد آگئے۔"
"گھر والے کہاں گئے.....؟"
"میری منگنی کرنے....." مریم کا منہ کڑوا ہو گیا۔
"اوہ....." وہ چپ سا ہو گیا۔
"فہد! میں نے تمہارے کہنے پر منگنی کروا تو لی ہے۔ لیکن اب بھی تم نے کچھ نہ کیا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔" اس نے سنجیدگی سے دھمکی دی۔
"یوں تو نہ کہو۔ کریں گے کچھ نہ کچھ۔ کیوں پریشان ہوتی ہو؟"
"تم لڑکے ہر بات کو اتنا لائٹلی کیوں لیتے ہو؟"
"تم لڑکیاں ضرورت سے زیادہ سنجیدہ کیوں ہو جاتی ہو؟"
"کیونکہ ہم لڑکیاں تمہاری طرح ٹائم پاس نہیں کرتیں۔"
"میں ٹائم پاس کر رہا ہوں؟" فہد کو برا لگا۔
"فہد پلیز! یہ ہم دونوں کی زندگی کا معاملہ ہے۔"
"مریم! میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھا ہوں۔ گھر والوں کو منا تو رہا ہوں۔"
"اگر وہ نہ مانے تو؟" مریم کے لہجے میں ہزاروں خدشے تھے۔
"تو ہم گھر سے بھاگ جائیں گے۔" فہد نے آرام سے کہا۔

"ہنہہ....." وہ بھونچکی رہ گئی۔
"اس کے بعد ہمارے پاس اور کوئی آپشن نہیں بچے گا۔ اسی لیے کہتا ہوں' تھوڑا انتظار کرلو۔ میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں۔ ہم اپنی زندگی خود بنائیں گے۔" فہد نے ٹھوس لہجے میں کہا۔
"فہد! یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔"
"یہی ہماری زندگی ہے۔ ہم بالغ اور باشعور ہیں۔ اپنے فیصلے خود کرسکتے ہیں۔ میں تو کسی کو اجازت نہیں دے سکتا کہ ہماری خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔" فہد کے ٹھوس لہجے نے مریم کے اندر توانائی سی بھر دی۔
"اب خاموش کیوں ہو؟"
"تمہاری باتوں پر غور کررہی تھی۔"
"سنو! فرصت بھی ہے' تنہائی بھی..... میں آجاؤں.....؟" فہد نے شرارتی انداز میں کہا۔
"خوامخواہ۔" مریم بدک گئی۔
"ایسے موقعے بار بار نہیں آتے....." وہ مائل بہ شرارت تھا۔
"بڑے جی دار ہوگئے ہو۔ کالج میں تو میری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔"
"محترمہ! آپ ہی نے قسم دی تھی۔"
مریم ہنس دی اور باتوں کا رخ اس سمت مڑ گیا' جہاں صرف خواب تھے۔ خواہشیں اور وہ ست رنگی دھنک' جو حقیقت چھپا کر انسان کو اندھا کردیتی ہے اور وہ بتاتی ہی نہیں کہ یہ سفر رنگوں کا ہے مگر منزل صرف تاریکی.....



"اب کون سا شہزادہ ڈھونڈ لیا ہے۔ کیسی اکڑ سے مجھ انکار کیا تھا۔ اب بتائیں' میرے دیور میں کیا برائی تھی۔ بس ایک نوکری ہی سرکاری ہے..... پر کمائی..... ہونہہ شکل بھی پوری ساری..... گھر بھی ٹوٹا پھوٹا..... اب تم لوگ مانو یا نہ مانو' میرے دیور کا رشتہ ہر لحاظ سے اس رشتے سے بہتر تھا۔"
بانو نے گھر آتے ہی نکتہ چینیاں شروع کردیں۔
"اس میں ایک ہی کمی تھی بانو آپا!" مریم کمرے کے دروازے میں آکھڑی ہوئی۔
"رنگ ہی مدھم تھا تو مردوں کے رنگ کون دیکھتا ہے۔ خود تم نے بھی تو کریمیں لگا لگا کر اپنا بوتھا سنوارا ہے۔ اس کو بھی لا دیتیں۔" بانو نے کہا۔
"نہیں آپا! اس میں ایک ہی کمی تھی کہ وہ تمہارا دیور تھا۔" مریم نے کہا اور غڑاپ سے کمرے کے اندر۔
"دیکھا..... اماں دیکھا! اس کی زبان گز بھر لمبی ہے۔ اس زبان کے ساتھ سسرال میں گزارہ کرے گی۔"
"بس بھی کرو....." حمیدہ نے اکتا کر ٹوکا۔ "آتے ہی شروع ہوگئیں..... عریشہ! مٹھائی کی ٹوکرا لے کر آنا۔ آس پڑوس میں بھجواؤں۔"
عریشہ چلی گئی تب انہوں نے فاطمہ کو دیکھا۔
"تم کیوں ادھر چلی آئیں..... ساس کے ساتھ کیوں نہیں گئیں۔"
"مجھے آپ سے ضروری بات کرنا تھی۔ اس لیے رک گئی۔"
"کیسی ضروری بات....." بانو نے تجسس سے پوچھا تو فاطمہ ٹھٹک گئی.....
"کچھ خاص نہیں' بس وہ۔" فاطمہ کو کوئی اور بات نہ سوجھی۔ تب ہی عریشہ ٹوکرا لے کر آگئی تو سب کی توجہ خود بخود ادھر ہوگئی۔ رات کو بانو آپا یہیں رک گئیں اور فاطمہ کو لینے محسن آگیا..... فاطمہ نے سوچا' وہ پھر کسی دن آکر بات ضرور کرے گی۔



عریشہ کمرے میں آئی، تو مریم نہیں تھی۔ وہ بے خیالی میں اسی کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ وہ بہت الجھ گئی تھی۔۔۔ کوئی چیز اندر ہی اندر بری طرح چبھ رہی تھی مگر وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ نعمان کی بات پر یقین کرنا چاہتی تھی نہ ثوبان کی نیت پر شک۔

"یا اللہ! میں کیا کروں، مجھے کوئی تو رستہ سجھا۔" اس نے جھک کر تکیے پر سر ڈال دیا۔

"سب کچھ سیدھا تھا۔ اب کیوں گنجلک ہو رہا ہے۔" اس نے کروٹ بدل کر گال کے نیچے ہتھیلی رکھی۔ اچانک تکیے کے نیچے تھرتھراہٹ ہوئی، وہ ایک دم اچھل پڑی۔ تکیہ ہٹایا تو موبائل دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔

"یہ موبائل کہاں سے آیا؟"

اس نے اوندھا پڑا موبائل اٹھایا۔ اس سے قبل کہ وہ اسکرین پر آتا نام دیکھ پاتی، مریم نے موبائل جھپٹ لیا۔

"تم میرے بستر پر کیا کر رہی ہو۔" اس نے جلدی سے موبائل آف کر دیا۔

"تمہارے پاس موبائل کہاں سے آیا؟"

"آ۔۔۔" مریم نے سوچنے میں بس چند سیکنڈ لیے۔ "توصیف نے بھجوایا ہے؟"

"اچھا۔۔۔ یہ کب کی بات ہے؟"

"پرسوں اس کی بہن آئی تھی میرا ناپ لینے، تب ہی چپکے سے دے گئی۔"

"پرسوں میں کہاں تھی؟" عریشہ نے غائب دماغی سے پوچھا۔

"کیا ہو گیا ہے۔ تم کالج گئی تھیں، میں نے چھٹی کی تھی۔"

"تائی کو پتا ہے۔۔۔؟" عریشہ نے کچھ دیر ٹھہر کر پوچھا۔

"نہیں اور پلیز تم بھی مت کہنا۔ پرانے زمانے کی عورت ہیں۔ ان معاملات کو نہیں سمجھتیں۔" وہ آنکھ دبا کر بولی۔ عریشہ خود بہت الجھی تھی۔ سو زیادہ کرید میں نہیں پڑی۔ مریم آرام سے موبائل آن کر کے ایس ایم ایس کرنے لگی تھی۔



عریشہ واش بیسن پر جھکی جلتی آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار رہی تھی۔ جب ثوبان باہر سے آیا۔ عریشہ نے گردن گھما کر اسے دیکھا تو وہیں چلا آیا۔

"تمہاری آنکھیں کیوں اتنی سرخ ہو رہی ہیں۔ طبیعت ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" اس نے ایک دو چھپاکے مارے اور تولیہ کھینچ کر چہرہ رگڑنے لگی۔ اب کیا بتاتی کہ اک انجانی سی بے چینی ہے، جو رت جگا بن کر اس کی آنکھوں میں اتر آئی ہے۔۔۔ نجانے کون کون سے خدشے ہیں، جو دل دہلاتے رہتے ہیں۔۔۔ خوف کی کوئی شکل نہیں ہے مگر ذہن و دل میں پنجے گاڑ کر بیٹھ گیا ہے۔

"عریشہ! یار جلدی کرو نا۔۔۔ ابھی مکان کو سیل کرنے میں بھی وقت لگے گا۔"

"میں آج جاؤں گی پھوپھو کی طرف۔" اس نے تولیہ تار پر ڈالا۔

"پھوپھو۔۔۔ کی طرف۔"

"امی کے ضروری ڈاکومنٹس ان ہی کے پاس ہیں، سو کاغذات بھی وہیں ہوں گے۔"

"اچھا۔۔۔" ثوبان کچھ پریشان سا ہو گیا۔ جانتا تھا نبیلہ کی عادت کو، وہ سو بار جرح کریں گی۔ عریشہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں کاغذات لے کر ہی آؤں گی۔"

"نہیں، میں کیوں فکر کروں گا۔۔۔ تم ہو نا میری ساری فکریں اپنے سر لینے کے لیے۔۔۔" وہ اطمینان سے بولا۔

اور میری فکریں؟" وہ پوچھنا چاہتی تھی مگر پوچھ نہ پائی۔۔۔ ثوبان اوپر چلا گیا۔
"عریشہ آپی! ابرار بھائی کے سر میں بہت درد ہے۔ ایک کپ چائے بنا دیں۔" فرید بھاگتا ہوا آیا۔
"بنا دیتی ہوں۔"
"اماں کو پتا نہ چلے ورنہ ابھی دہائی دے دیں گی۔" فرید کی بات پر عریشہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

✡ ✡ ✡

"مکان کے کاغذات' وہ تم نے کیا کرنے ہیں؟" نبیلہ نے بے حد چونک کر سامنے بیٹھی عریشہ کو دیکھا۔ وہ کالج سے سیدھا ان کے گھر آئی تھی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ فاطمہ اور محسن گھر پر نہیں تھے۔
"ثوبان کو پیسوں کی ضرورت ہے تو۔۔۔"
"ثوبان کو ضرورت ہے اور تم اپنا گھر اسے دے دو گی۔۔۔ ان لوگوں کی ضرورتیں کہیں رکیں گی یا نہیں۔" نبیلہ کو تاؤ آ گیا۔ "اور عریشہ! تم کتنی بے وقوف ہو۔ ثوبان کو ضرورت ہے تم اپنا زیور دے دو گی۔ ثوبان کو ضرورت ہے تم اپنا گھر دے دو گی۔ ثوبان تمہیں کب تک سیڑھی بنائے گا۔۔۔ اور جب تم خالی ہو جاؤ گی' تب یہ ثوبان تمہارے ساتھ کیا کرے گا۔"
اندر آتا ابرار عریشہ کی آواز سن کر رک گیا۔
"پھوپھو! میں یہ سب نہیں جانتی۔۔۔ شروع سے آج تک میں نے اور ثوبان نے صرف ایک دوسرے کے خواب دیکھے ہیں۔ ساتھ زندگی گزارنے کی خواہش کی ہے۔ اب اتنی معمولی سی بات کے لیے کیسے دستبردار ہو جاؤں۔"
"عریشہ! تم کچھ نہیں جانتی ہو' وہاں فیصلے کچھ اور ہو رہے ہیں۔" نبیلہ نے بے بسی سے اپنی بھتیجی کو دیکھا۔ وہ انہیں بے حد پیاری تھی۔ اپنی تمام تر بے وقوفیوں اور غلطیوں کے باوجود۔۔۔
"مجھے کسی فیصلے سے کوئی سروکار نہیں۔ پھوپھو! وہ مجھ سے دور چلا جائے گا اگر میں مکان اسے دے دوں تو۔۔۔"
"وہ تب بھی تم سے دور چلا جائے گا عریشہ!" ابرار سے رہا نہ گیا۔
"تم؟"
"میں جب سے وہاں آیا ہوں میں نے ایک بار بھی اس کی مستقبل کی پلاننگ میں تمہارا ذکر نہیں سنا۔"
"تم۔۔۔ تم ہوتے کون ہو ہمارے ذاتی معاملے میں بولنے والے۔" عریشہ غصے سے پھنکاری۔
"کوئی نظروں کے سامنے ڈوب رہا ہو تو مجھ میں اتنی انسانیت ہے کہ اسے بچانے کی سعی کروں۔" ابرار نے مدھم اور ٹھوس انداز میں کہا۔
"کوئی ضرورت نہیں تمہیں کسی کو بچانے یا انسانیت کا علم بردار بننے کی۔ یہ میرا معاملہ ہے اور کسی ایرے غیرے کو کوئی حق نہیں کہ۔۔۔" وہ غم و غصے سے سلگ اٹھی۔
"تم نے ٹھیک کہا۔ مجھے واقعی کوئی حق نہیں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اس شخص میں ذرا بھی وفا نہیں' اس کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر مت لگاؤ۔" وہ جانے کو پلٹا۔
"ابرار۔۔۔" نبیلہ نے پکارا۔
"خالہ! میں باہر بیٹھا ہوں۔" ابرار آہستگی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔
"پھوپھو! میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔۔۔ میرے لیے دنیا کی کوئی بھی چیز ثوبان کی محبت سے زیادہ اہم نہیں۔" وہ نبیلہ کی طرف پلٹی۔ "آپ کاغذات مجھے دے دیں۔ ثوبان باہر چلا گیا تو سب کی زندگیاں سنور جائیں گی۔"
نبیلہ کا دل چاہا' کس کے ایک تھپڑ عریشہ کے منہ پر ماریں۔ اپنے اسی اندھے اور احمقانہ پاگل پن کے ہاتھوں وہ

ایک بار اپنی ماں کو کھو چکی تھی اور اب پھر بغیر سوچے سمجھے' بغیر جانے بوجھے' وہی غلطی دوہرانا چاہتی تھی لیکن اب وہ چپ چاپ تماشا تو نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

"عریشہ! بیٹھ جاؤ اور غور سے میری بات سنو۔" وہ جیسے بادل نخواستہ بیٹھی تھی۔

"جانتی ہو' عادلہ کبھی بھی تمہاری شادی اس گھر میں نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

عریشہ نے سر اٹھا کر نبیلہ کو دیکھا۔

"کیونکہ وہاں رہنے والے سب لوگ خود غرض اور مطلب پرست ہیں۔ اپنا مطلب نکالنے کے لیے کسی بھی رشتے کو آرام سے استعمال کر سکتے ہیں۔ وہ میرے بھائی کا گھر ہے مگر جیسی فطرت حمیدہ کی ہے' ویسے ہی اس کے بچوں کی۔"

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔" عریشہ الجھ کر بولی۔

"تمہاری آنکھیں کھولنا چاہتی ہوں بے وقوف لڑکی! میں نے حمیدہ اور برکت بھائی سے تمہارے رشتے کی بات کی تھی۔ جانتی ہو انہوں نے کیا کہا؟"

ان کے ذرا سے وقفے پر عریشہ کی سانس اٹک گئی۔

"وہ تو شروع سے ہی عریشہ اور نعمان کے رشتے کا سوچے بیٹھی ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے...؟" عریشہ کے لبوں سے بمشکل نکلا۔

"اور یہ بھی..." انہوں نے ایک ہی بار عریشہ کے قدموں سے زمین کھینچنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ "کہ ثوبان شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔"

عریشہ کا رنگ خطرناک حد تک پیلا پڑ گیا۔

"وہ مکان تمہارا ہے مگر میں اس کے کاغذات ابھی تمہیں نہیں دوں گی۔ ثوبان سے کہو اگر وہ تم سے مخلص ہے تو پہلے نکاح کرے۔ یہ مکان اسی کو ملے گا' جس کی تم سے شادی ہو گی۔" انہوں نے حتمی انداز میں کہہ دیا۔ کچھ کہنے کی کوشش میں عریشہ کے لب پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

وہ بدقت کھڑی ہوئی۔

"وہ لوگ تمہاری محبت کو بار بار آزما رہے ہیں تو تم کیوں نہیں۔ یا پھر تم حقیقت کے سامنے آنے سے ڈرتی ہو؟"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے پھوپھو! ایسا کچھ نہیں ہے۔ ثوبان ایسا نہیں ہے۔" وہ بیگ اٹھا کر بھاگتی ہوئی باہر نکلی۔ کاریڈور میں کھڑے ابرار نے پلٹ کر اسے دیکھا مگر عریشہ بنا دیکھے اس کے قریب سے ہو کر چلی گئی... اس کے آنسو بہہ رہے تھے اور اسے صاف کرنے کا خیال تک نہیں تھا۔



"سنو! یہ سامان کس کا جا رہا ہے؟" پک اپ پر جاتا سامان دیکھ کر نعمان نے لڑکے سے پوچھا۔

"ماسٹر صاحب ریٹائرڈ ہو گئے ہیں۔ اس لیے واپس اپنے آبائی شہر جا رہے ہیں۔"

"جا رہے ہیں؟" اس نے زیر لب دوہرایا۔ نارسائی کا گہرا احساس وجود میں پنجے گاڑنے لگا۔ "اب بھی آتے جاتے کبھی کبھار وہ دکھائی تو دے ہی جاتی تھی مگر اب..."

وہ سست روی سے چلتا اسٹور کے اندر آ گیا مگر سارا دن ایک پل بھی قرار نصیب نہ ہوا... تب ہی اسٹور بند کر کے گھر چلا آیا۔

"خیر تو ہے۔ تو اس وقت...؟" برکت حسین نے چونک کر پوچھا۔

"سر میں درد تھا۔" وہ آہستگی سے گویا ہوا۔
"چائے بنوا کے پی لے..... ساتھ میں گولی بھی لے لینا۔"
"اچھا..." وہاں کو چائے کا کہنے آیا تھا..... وہاں کچھ اور ہی بحث چل رہی تھی۔ وہ دروازے میں ٹھٹک گیا۔
"تیری پھوپھی کے پاس ہیں۔ بس پھر تو فاتحہ پڑھ لے۔ اب نہیں ملنے کے۔"
"اماں! عریشہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ضرور لے کے آئے گی۔" ثوبان نے کہا۔
"رہنے دے تیری پھوپھی بڑی چالاک عورت ہے۔ کبھی نہیں دے گی۔ عرشی لاکھ سر پٹخ لے۔"
"اماں! مجھے نہیں پتا۔ اس مکان کا کچھ کرو۔ مجھے بس پیسے چاہئیں۔"
"تو میں کیا کروں' نکلوا لے اس سے۔" وہ بے زاری سے بولیں۔
"عریشہ کے مکان کی بات ہو رہی ہے اماں.....!" نعمان نے اندر قدم رکھا..... ایک پل کو دونوں ٹھٹک گئے' پھر حمیدہ اکتائے ہوئے انداز میں بولیں۔
"ہاں' وہی۔ اسے ویزے کے لیے پیسے جو چاہئیں۔"
"سب کچھ اسی پر لٹاتی رہنا..... باہر چلا گیا تو مڑ کر نہیں دیکھے گا۔" اندر کی کھولن زبان پر آگئی۔
"میرا بیٹا ایسا نہیں ہے۔ زمین سے اٹھا کر آسمان پر لے جائے گا۔" حمیدہ نے فخر سے کہا تو نعمان کو کچھ اور تاؤ آگیا۔
"بس اسی خوش فہمی میں رہنا۔ بہرحال اس مکان کو بھول جاؤ۔ وہ عریشہ کا ہے۔" نعمان کے اطمینان سے کہنے پر ثوبان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
"اور عریشہ..... عریشہ کس کی ہے؟"
"اماں! تم نے بتایا نہیں کہ میری اور عریشہ کی شادی ہو رہی ہے۔" نعمان نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ حمیدہ نے گھبرا کر دونوں بیٹوں کو دیکھا' جو آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔
"تم دونوں احمق ہو۔ ایک معمولی لڑکی کے لیے لڑ رہے ہو۔"
"عریشہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" ثوبان نے جتایا۔
"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" نعمان نے لاپروائی سے کہا۔
"میں نے کہا..... کیوں ایک دوسرے کا گریبان پکڑتے ہو..... بیٹھ جاؤ..... بیٹھ کر طے کر لیتے ہیں۔" حمیدہ نے ڈپٹ کر کہا۔
"تیرے لیے زیادہ ضروری کیا ہے۔ عریشہ یا روپے۔"
"ظاہر ہے اماں! مجھے رقم چاہیے۔"
باہر کھڑی عریشہ کے وجود کے پرخچے اڑ گئے۔ تیز رفتار ٹرین اسے روندتی چلی گئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا۔
نہ دل' نہ جذبے۔
نہ وجود' نہ اس میں پنپتی خواہشیں۔
"تو بس ٹھیک ہے۔ چچا کا کاروبار نعمان کے پاس ہے..... تجھے عریشہ سے شادی کرنی ہے۔ بدلے میں ثوبان کو اتنی رقم دے دے کہ وہ باہر جا سکے..... بس اتنی سی بات ہے۔"
عریشہ نے پورے زور سے سینے میں اٹکی سانس کو باہر نکالا۔
یہ وہ لوگ تھے' جن کی خاطر اس نے اپنی سگی ماں کی پروا نہیں کی۔
وہ اسے کسی جائیداد کی طرح بانٹ رہے تھے۔
یہ تھی اس کی اوقات۔ یہ تھی اس کی حیثیت۔

وہ دروازے کے عین درمیان آکھڑی ہوئی۔ اس کی نظروں سے سامنے ثوبان تھا۔
ثوبان کی نظر عریشہ پر پڑی تو چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
اس کے اڑے رنگ نے باقی دو نفوس کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔
اک تکلیف وہ خاموشی ان کے درمیان کنڈلی مار کر بیٹھ گئی۔
عریشہ لڑکھڑاتے قدموں سے ثوبان کے سامنے آئی۔
"کیوں کیا میرے ساتھ..... کیا بگاڑا تھا میں نے؟ محبت کی تھی..... تو اس محبت کی اتنی بڑی سزا دو گے..... میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں تھی، نہ آج نہ کل..... ایک اے ٹی ایم کارڈ تھی، جسے جب دل چاہا کیش کروا لیا..... میں نے تمہاری خاطر اپنی ماں کی نافرمانی کی..... تمہاری خاطر اپنی ماں کو مار ڈالا اور تم نے....."
ثوبان کا بازو عریشہ کے ہاتھ میں تھا اور وہ دیوانوں کی طرح جھنجھوڑتی چیخ رہی تھی۔
"تمہیں صرف پیسہ چاہیے، میں نہیں..... اتنی تذلیل..... اتنی....."
"ارے عرشی! بات سن، ہم یہ بات نہیں کر رہے تھے، ہم تو....." حمیدہ سنبھل کر آگے بڑھیں۔
"بس۔" عریشہ کرنٹ کھا کر ان کی طرف مڑی۔ "آپ کی اصلیت میں نے دیکھ لی..... میں نے جس عورت کو ماں سے بڑھ کر سمجھا۔ اس نے ناگن بن کر میری خوشیوں کو ڈس لیا۔ تم سب کے سب انتہا کے خود غرض اور ظالم لوگ ہو..... نفرت ہو گئی ہے مجھے تم سب سے..... مجھے اب یہاں ایک منٹ نہیں رہنا..... مجھے تم لوگوں کی شکلیں بھی نہیں دیکھنی....."
"عرشی، عرشی! میری بات تو سن....." حمیدہ نے پکارا مگر وہ دیوانوں کی طرح بھاگتی باہر نکل گئی۔
گلی سنسان تھی..... وہ روتی بلکتی اک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئی۔
اس نے عادلہ کو جھٹلایا تھا۔
نبیلہ کو غلط کہا تھا۔
عریشہ کے نزدیک یہ لوگ سچے تھے۔ اس کے اپنے تھے۔ اس کے لاڈ اٹھاتے، ناز نخرے دیکھتے یہ لوگ اتنے خود غرض اور ظالم بھی ہو سکتے تھے..... وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔
وہ مٹھیاں بھینچ بھینچ کر رونے لگی۔
تب ہی وہ آہستگی سے اس کے قریب آکر بیٹھا۔
"مانا دکھ بہت برا ہے..... مگر خود کو دنیا کے سامنے تماشا مت بناؤ۔"
"تماشا تو میں بن گئی۔ اپنی ہی بھول کے ہاتھوں خود ہی تماشا بن گئی۔"
"میں رونے سے نہیں روک رہا مگر یہ جگہ مناسب نہیں، اٹھو ہمت کرو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔" ابرار نے رسانیت سے کہا۔
"میرا کوئی نہیں ہے۔"
"زندگی اتنی جلدی ختم نہیں ہوتی عریشہ! اٹھ جاؤ۔" اس نے نرمی سے پکڑ کر کھڑا کیا۔
"میری تو ہو گئی۔" وہ بڑبڑائی۔
"دوپٹہ اوڑھ لو....."
دوپٹہ اوڑھتے ہوئے عریشہ نے سامنے کھڑے شخص کو پہچاننے کی سعی کی۔ وہ بالکل غائب دماغ تھی۔
"ہم کہاں جا رہے ہیں۔"
"خالہ نبیلہ کے گھر۔"



وہ اتنی چپ تھی کہ کبھی کبھی نبیلہ کو خوف آنے لگتا۔ وہ اسے بہلانے کی پوری کوشش کرتیں مگر یہ بھی جانتی تھیں کہ عریشہ کو اپنی جنگ خود لڑنا ہوگی۔ فاطمہ الگ نظریں چرائے رہتی۔ حالانکہ کسی نے اسے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔

نبیلہ نے کمرے میں جھانکا۔ وہ دونوں بازوؤں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ نبیلہ نے تاسف سے سر جھٹکا۔ وہ آج وہی تکلیف اٹھا رہی تھی' جو عادلہ نے اس کے ہاتھوں اٹھائی۔

مان اور اعتبار ٹوٹنے کی تکلیف۔

کوئی آپ کو جان سے بھی پیارا ہو..... مگر دھوکا دے جائے۔ تو حالت ایسی ہوتی ہے۔

''عرشی!'' نبیلہ آہستگی سے اس کے پاس بیٹھیں۔

''بیٹا! خود کو سنبھالو۔ کب تک اس طرح بیٹھی رہو گی۔ یہ سب اسی طرح ہونا تھا..... خدا کا شکر کرو کہ تمہاری زندگی برباد ہونے سے بچ گئی۔ ثوبان کی اصلیت اور نیت بروقت کھل کر سامنے آگئی۔ خدا کا شکر ادا کرو۔ تم کسی بڑے نقصان سے بچ گئی ہو۔''

''ابھی کوئی نقصان ہونا باقی تھا پھوپھو..... میں نے سب کچھ تو کھو دیا۔'' وہ سر اٹھا کر ہارے ہوئے انداز میں بولی۔

''نہیں بچے۔'' نبیلہ نے اس کی پیشانی چومی۔ ''اس طرح مت سوچو۔ ابھی تو تمہاری پوری زندگی باقی ہے۔'' تم عادلہ کی بیٹی ہو اور وہ بہت باہمت تھی۔''

ماں کے ذکر پر عریشہ کی آنکھیں پھر سے بھیگ گئیں۔ تب ہی فاطمہ چلی آئی اور جھجکتے ہوئے بولی۔

''پھوپھو! اماں اور ابا آئے ہیں۔''

''اچھا..... ان میں ہمت ہے میرا سامنا کرنے کی۔'' عریشہ زہر خند لہجے میں بولی۔

''عرشی! وہ تم سے معافی مانگنا چاہتے ہیں۔''

''ہاں ابھی ان کا مطلب نہیں نکلا اس لیے۔''

فاطمہ شرمندہ ہو کر انگلیاں چٹخانے لگی۔

''پھوپھو! میں ان میں سے کسی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی اور..... چند دنوں میں وہ میرا مکان خالی کروا دیں۔ اور رہی بات دکانوں کی تو نعمان کو ان کا قبضہ چھوڑنا پڑے گا' ورنہ میں کیس کر دوں گی۔'' وہ بغیر سوچے سمجھے بولتی چلی گئی۔



سب کے سب کمرے میں سر پکڑے بیٹھے تھے۔ سوائے برکت حسین کے' جو غصے میں گھر سے نکل گئے تھے۔ بقول ان کے' سارا قصور حمیدہ کا تھا۔

''لو ایک اور سیاپا.....'' حمیدہ نے تاسف سے ہاتھ ملے۔

'' آپ اس سے بات تو کرتیں۔'' ثوبان جھنجلا کر بولا..... عریشہ بھی ہاتھ سے گئی اور پیسوں کی آس بھی۔ جھنجلاہٹ اور شرمندگی الگ۔

''کیا بات کرتی۔ وہ تو میرے سامنے ہی نہیں آئی۔ الٹا تیری پھوپھی رج کے میری بے عزتی کر کے گئی..... اور وہ تیرا باپ ہاتھ جوڑ جوڑ کے بہن سے معافی مانگ رہا تھا..... کر لو گل' ساری زندگی اسے کلیجے سے لگا کے رکھا۔ اپنی اولاد سے زیادہ اس کے نخرے دیکھے..... اور صلہ ملا یہ کہ ٹھینگا دکھا کے پھوپھی کے گھر جا بیٹھی۔ کہتی ہے کیس کروں گی؟ کس کی شہہ ہے؟ پھپھی کی نا..... اوپر سے وہ فاطمہ الگ ہم سے منہ پھلائے بیٹھی ہے۔''

نعمان دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے گہری سوچ میں تھا۔

ثوبان نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور بدلحاظی سے بولا۔

"یہ سب اس کا قصور ہے۔ کیوں درمیان میں آیا۔ سارا کھیل بگاڑ دیا۔"
نعمان نے شرربار نگاہوں سے چھوٹے بھائی کو گھورا۔ اس کے منہ کا نوالہ کھانے والا آج اسی کے منہ کو آرہا تھا۔ "مکان تو مکان' دکانیں بھی گئیں۔ اب کرے عیش۔"
"میری دکانوں کی فکر مت کر۔ اپنے نویزے کے پیسے جمع کر۔" نعمان نے استہزائیہ انداز میں کہا۔
"میرے پاس بہت آپشن ہیں۔ تم سوچو' کہاں کہاں مزدوری ملے گی۔" ثوبان نے مذاق اڑایا۔
"تجھے کیا خزانہ مل گیا ہے یا اپنی نوکری پر اکڑ رہا ہے۔"
"خزانہ ہی سمجھ لو۔ اس پورے قصے میں اگر کسی کو فائدہ ہوا ہے تو وہ میں ہوں۔" وہ سینے پر انگلی رکھ کر ہنسا۔
حمیدہ اور نعمان نے الجھ کر اسے دیکھا۔
"میرا رستہ کلیئر ہو گیا۔ ایک فیصلہ کرنے میں دشواری تھی۔ وہ بھی دور ہوئی۔ اماں! میں سنیعہ سے شادی کر رہا ہوں۔"
"سنیعہ کون؟" حمیدہ نے چونک کر پوچھا۔
"سنیعہ وہ سیڑھی ہے..... جس پر چڑھ کر میں آسمان چھو سکتا ہوں۔" وہ ہنس دیا۔
نعمان ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا۔
خسارہ پھر اس کے حصے میں آ گیا..... یہ احساس ناقابل برداشت تھا۔



دروازے کا ایک پٹ تو کھلا تھا' دوسرا بڑے زور سے کھلا..... دھاڑ کی آواز پر چولہا لیپتی جمیلہ نے سر اٹھا کے دیکھا۔ بشریٰ تھی..... بشریٰ کا آنا اتنے اچنبھے کی بات نہ تھی۔ ایک ہی گاؤں میں ہونے کی وجہ سے وہ اکثر چلی آتی تھی' قیمتی کپڑوں پہ سارے زیور چڑھائے صحن میں اٹھلاتی پھرتی۔ ایسے میں کبریٰ کے انداز ہی کچھ اور ہوتے..... ماں بیٹی کی باتیں' حرکتیں' فخریہ لہجہ جمیلہ کو باور کرواتا کہ دیکھو اگر تم نے بشریٰ کو بہو نہیں بنایا تو خسارے میں جمیلہ رہی ہے..... بشریٰ نہیں' لیکن آج بشریٰ کا حلیہ بتاتا تھا کہ ابتدائی دنوں کے چونچلے ختم ہوئے۔
"بشریٰ خیر تو ہے..... ساتھ میں کون ہے؟" جمیلہ نے متفکر انداز میں پوچھا۔
"کوئی نہیں۔" وہ رکھائی سے گویا ہوئی۔ تب ہی اندر سے کبریٰ نکلی اور بشریٰ کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔
"تو.....؟"
"اماں....." بشریٰ غالباً" ماں کے گلے لگ کر رونا چاہتی تھی مگر گلے لگنے سے پہلے ہی کبریٰ نے اسے بازو سے دبوچا اور چور نظروں سے جمیلہ کو دیکھتی اسے اندر دھکیل لے گئی۔
جمیلہ اک طویل سانس لے کر پھر چولہا لیپنے لگی..... وہ بڑے صبر کے ساتھ اپنے اچھے دنوں کا انتظار کر رہی تھی..... ابرار کی سمسٹر میں کامیابی اس کا حوصلہ بڑھا دیتی۔ ابرار نے اسے سستا سا موبائل لا دیا تھا۔ اب بیٹے سے بات کرنے کے لیے اسے ماسٹر صاحب کے گھر نہ جانا پڑتا۔ بس عشاء کی نماز کے بعد موبائل ہاتھ میں لے کر ٹکٹکی باندھ کر دیکھا کرتی..... ادھر موبائل پر بیل ہوتی..... ادھر اس کے سارے دن کی تھکن بیٹے کی آواز سننے کا سوچ کر ہی اڑنچھو ہو جاتی۔ ماسٹر صاحب نے اسے یہ بھی سکھا دیا تھا کہ اسے چارج کیسے کیا جاتا ہے۔
جمیلہ نے سر اٹھا کر کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔
"اب پڑھائے گی اسے الٹی سیدھی پٹیاں..... اللہ ہی خیر کرے۔"
اندر کبریٰ اسے لتاڑ رہی تھی۔
"تو نے اپنا حال کیا کیا ہے۔ نہ ڈھنگ کے کپڑے' نہ زیور..... تو کیا پاتھیاں (اپلے) تھاپتی اٹھ کر آ گئی ہے۔

دشمنوں کے کلیجے پر ٹھنڈ ڈالنے کو۔"

"یہی سمجھ لے اماں! اپنا اصل دکھانے لگے ہیں۔ سارا دن ڈنگروں کی طرح کام کرو۔ راضی پھر بھی کوئی نہیں ہوتا۔ اور میری سس (ساس) کی زبان دیکھی ہے۔ سنپھنی جیسی ہے زہر سے بھری۔" وہ پھٹ پڑی۔

"تاں! اکبر کچھ نہیں بولتا؟"

"بولتا ہے اپنی ماں کی زبان۔" بشریٰ جل کر بولی۔ "نہ کچھ دیکھا نہ سوچا۔۔۔ بھیج دیا اس جہنم میں۔"

"اچھا بول بول۔ وہ سن لے گی تو کیا عزت رہ جائے گی۔" کبریٰ نے مدھم آواز میں دانت پیستے ہوئے کہا۔

"جو مرضی سنے' میری بلا سے۔ میں نے نہیں اب جانا۔" وہ پھسکڑا مار کے چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"اچھا زیادہ بک بک نہ کر' تیرا باپ آتا ہے تو کرتی ہوں بات۔۔۔ اکبرے کو بلا کے سمجھائے۔۔۔"

"وہ نہیں کچھ سنے گا۔۔۔ ماں کا مرید ہے۔" بشریٰ نے تڑپ کر کہا' پھر تاسف سے ہاتھ مسلے۔

"کیا تھا جو میری شادی بلو سے ہی ہو جاتی۔ اتنے سیاپے تو نہ ہوتے۔"

"زبان اندر کر لے بے غیرتے۔۔۔ کوئی سن نہ لے۔"

"سنتا ہے تو سنے۔۔۔!"

کبریٰ بے بسی سے دانت پیستے اسے دیکھ کر رہ گئی۔



پھوپھو کے بے حد سمجھانے پر وہ کالج جانے پر آمادہ ہوئی۔۔۔ دل تو جیسے مر ہی گیا ہے۔۔۔ صرف ان کی تسلی کے لیے چلی آئی۔۔۔ مریم اسے دیکھتے ہی لپک کر قریب آئی۔ عریشہ بادل ناخواستہ رکی۔ وہ اس پورے گھر میں سے کسی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

عریشہ! تم ٹھیک تو ہو۔"

"زندہ ہوں' اس لیے ٹھیک بھی ہوں۔ ورنہ تمہارے گھر والوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔" تلخی تو روم روم میں بسی تھی۔ پھر زبان پر کیسے نہ آتی۔ مریم نے نادم ہو کر اس کا ہاتھ پکڑا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں عرشی۔۔۔ ہم نے۔"

"کیا وہ بھی شرمندہ ہے؟" اندر کہیں ہلکی سی امید تھی۔ شاید اسے دکھ دے کر' اسے دھوکا دے کر وہ بھی پشیمان ہو۔ مریم نے آہستگی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"وہ پتھروں کا دیس ہے عرشی! وہاں آئینہ سے دل کرچی کرچی ہی ہوتے ہیں۔"

"تم نے ٹھیک کہا۔۔۔ پتھروں سے سر میں نے پھوڑا تھا' کسی کا کیا دوش۔" عریشہ کے گلے میں پھندا سا پڑ گیا۔ سر کلاس میں آ گئے تھے۔ سارا دن عریشہ نے کتابوں پر بکھرے حروف پر نظریں جمائے گزار دیا۔

نعمان کو غالباً "مریم کی زبانی ہی پتا چلا تھا کہ عریشہ کالج جانے لگی ہے۔

چھٹی کے بعد وہ تیز تیز قدموں سے اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی۔ جب بائیک اس کے پاس آ رکی۔ عریشہ نے بے خیالی میں دیکھا پھر یکدم ٹھٹک گئی۔

"آپ۔۔۔"

"بیٹھو' تمہیں گھر تک چھوڑ دوں۔" نعمان نے نرم لہجے میں کہا۔

"ضرورت نہیں' میں جا سکتی ہوں۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ضد کیوں کر رہی ہو۔ چلو نا میں اسی طرف جا رہا ہوں۔"

"آپ جس طرف مرضی جائیں' میرا رستہ کیوں روک رہے ہیں؟" وہ تڑخ کر بولی۔

"عریشہ! بدتمیزی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس پورے قصے میں میرا کیا قصور؟ دھوکا تمہیں ثوبان نے دیا' میں نے تو نہیں..... میں تو یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہارے دل میں ثوبان ہے۔ میں تم سے شادی کو تیار تھا۔"

مارے غصے کے عریشہ کا پورا وجود کانپ گیا۔

"ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جائیں۔ ورنہ میں شور مچادوں گی۔"

"حد ہوتی ہے ہٹ دھرمی کی۔" نعمان کو غصہ آیا۔ عریشہ نے جواب نہیں دیا۔ بس تیز تیز قدموں سے اسٹاپ کی طرف بڑھ گئی۔ نعمان نے پیچھے آنے کی غلطی نہیں کی۔ بس لب بھینچے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☼ ☼ ☼

"بس بلو! کیا بتاؤں....." جمیلہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ وہ اس وقت چھت پر کھلی فضا میں کھڑی چارپائی پر بیٹھی تھی کہ نیچے عموماً" سگنل نہیں آتے تھے۔

"ہر چوتھے دن یا تو وہ خود آجاتی ہے یا اکبر گھر سے نکال دیتا ہے۔ اصغر اور کبراں کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔ کیسی ان کی لاڈلی تھی۔ اب دیکھے تو پہچانے نہ تو۔"

"اماں! بس کریں۔ اس کی اپنی زبان بھی خاصی لمبی ہے۔ دوبدو مقابلہ کرتی ہوگی..... چاچی کے لاڈ نے ہی اسے بگاڑا ہے۔ کسی بڑے چھوٹے کی تمیز سکھائی ہوتی تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔" ابرار نے اکتاہٹ سے کہا۔

"تیری بات بھی ٹھیک ہے..... پر وہ بڑے ڈھاڈے لوگ ہیں۔ بشریٰ کی دال نہیں گلتی اور یہ کبراں' یہ بھی میرے آگے ہی شیر ہے۔ چوہدرائن کے آگے اس کی بولتی بھی بند ہو جاتی ہے۔ اصغر گیا تھا بات کرنے' چوہدری یاسین نے صاف کہہ دیا۔ بٹی بسانی ہے تاں آئندہ شکایتیں لے کر نہ آنا۔ کیا کرتا کندھے جھکا کے چلا آیا....."

"اونچے لوگوں سے رشتہ کرنے کا یہی انجام ہوتا تھا..... چلیں چھوڑیں یہ بتائیں آپ کی طبیعت تو ٹھیک رہتی ہے ناں۔" ابرار نے بات بدلی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں پتر! بس تیری راہ دیکھ رہی ہوں۔"

"ان شاء اللہ! جب کسی قابل ہو جاؤں گا تو آپ کو لینے آؤں گا..... اس سے پہلے میں نے گاؤں میں قدم نہیں رکھنا۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے اماں!" اس نے مصمم ارادے سے کہا۔

"ماں کو کس بات کی سزا ہے..... اپنی شکل تاں دکھا جا۔"

"میری اچھی ماں! بس تھوڑا سا صبر اور....." ابرار نے بچوں کی طرح پچکارا۔

"بس ماں کو اسی طرح لارے لپے لگاتا رہ۔" جمیلہ ناراضی سے بولی تو ابرار نے اسے ادھر ادھر کی باتوں میں لگا لیا۔

☼ ☼ ☼

"فاطمہ آپی....." عریشہ کچن میں آئی۔ فاطمہ ہنڈیا بھون رہی تھی۔ مڑ کر دیکھنے لگی۔ "نعمان سے کہہ دیں۔ میرے رستے میں نہ آیا کرے' ورنہ بہت برا ہوگا۔"

"نعمان....." فاطمہ نے حیرت سے دوہرایا۔

"ہر روز میرے کالج کے راستے میں آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ میں نے آج تک جتنی مہربانیاں ان لوگوں کے ساتھ کرنی تھیں کر چکی۔ اب مزید کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"کیا ہوا عرشی.....؟" محسن اس کی تیز آواز سن کر اندر آگیا۔

فاطمہ گھبرا گئی۔ اس کے گھر والوں کا کیا اس کے سامنے بھی آسکتا تھا۔

"کچھ نہیں محسن بھائی! پانی پینے آئی تھی....." عریشہ نے ٹالنا چاہا۔

محسن نے ایک نظر دونوں کو دیکھا۔

"بات کچھ اور ہو رہی تھی۔"
فاطمہ چاہتی تھی۔ بات محسن کے سامنے نہ ہو مگر عریشہ میں اتنا ضبط کہاں؟ محسن کے ذرا سے اصرار پر پھٹ پڑی۔
"ہر روز میرا راستہ روک لیتے ہیں کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں..... کیا مجھے نہیں معلوم کہ وہ یہ سب کیوں کر رہے ہیں۔ دکانوں کا لالچ ہے..... مگر میں اب ان کے پاس ایک پھوٹی کوڑی نہیں چھوڑوں گی..... سب کچھ نکلوا کے رہوں گی..... اور فاطمہ آپی! انہیں اچھی طرح سمجھا دیں..... ورنہ اگر میں نے سمجھایا تو تماشا پورا زمانہ دیکھے گا۔"
فاطمہ کا رنگ فق ہو گیا۔
محسن نے اپنا ہاتھ عریشہ کے سر پر رکھ کر سنجیدگی سے فاطمہ کو دیکھا۔
"کھانا بنا لو تو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں..... آج ہی بات کرو۔ عریشہ ہمارے گھر میں رہتی ہے۔ ہماری ذمہ داری بھی ہے اور عزت بھی..... میں کوئی اونچ نیچ برداشت نہیں کروں گا۔"
"جی۔" فاطمہ نے دزدیدہ نگاہوں سے عریشہ کو دیکھا۔ کیا تھا جو وہ ذرا دیر کو خاموش رہتی۔ اسے عریشہ سے ہمدردی سے زیادہ غصہ آنے لگا۔ محسن عریشہ کو لے گیا۔ وہ اپنے اندر اٹھتے شرمندگی کے گہرے احساس کو دبانے کی کوشش میں جھنجلانے لگی۔

✡ ✡ ✡

"بس کر دیں خدا کے لیے..... اور مجھے سسرال میں کتنا ذلیل کروائیں گے..... آپ کو اپنا خیال تو ہے نہیں کم از کم میرا خیال ہی کر لیں۔"
آج تک اس گھر میں کسی نے فاطمہ کی بلند آواز نہیں سنی تھی..... مگر آج وہ چیخ رہی تھی۔ کھانا کھاتے اہل خانہ نے نوالے واپس رکھ دیے۔
"کیا ہوا فاطمہ! یہ آتے ہی کیا واویلا مچا دیا ہے..... تیری ساس نے کوئی نئی پھلجھڑی چھوڑی ہے۔" حمیدہ نے پوچھا اور پوچھنے کا انداز ایسا تھا کہ اسے مزید غصہ آ گیا۔
"پھلجھڑیاں وہاں سے نہیں..... یہاں سے چھوٹتی ہیں..... اور ذلیل ہو رہی ہوں میں۔"
"بیٹھ جا بیٹھ جا' یہ سب تیری ماں کے قصور ہیں۔ اسی کے کرتوت ہیں۔ جو آج اولاد کے سامنے آ رہے ہیں۔" برکت حسین نے گھورا۔
"اب مجھے گھسیٹ لے..... اس ملک میں جہاں جہاں بم پھٹ رہے ہیں۔ حمیدہ ہی تو چلا رہی ہے۔ تو کیوں سر پر کھڑی ہے۔ بیٹھ کر تیر چلا لے' جو بھی چلانے ہیں۔" وہ بات کرتے کرتے فاطمہ کی طرف مڑیں' جو اب نعمان کو دیکھ رہی تھی۔
نعمان نے نوالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔
"اور آپ..... کیا نظر آتا ہے اس عریشہ میں' جو سارے کے سارے اسی کے گرد چکرا رہے ہیں..... دنیا کی ساری لڑکیاں مر گئی ہیں۔ کیوں اس کے پیچھے جاتے ہیں؟" وہ پہلی بار بڑے بھائی کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔
"مجھے کیا ضرورت ہے اس کے پیچھے جانے کی۔" وہ سب سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔
"تو کیا عریشہ جھوٹ بول رہی ہے۔"
"تو اس کے پیچھے کیا لینے گیا تھا؟" برکت حسین نے غصے سے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔" وہ بے زاری سے کھڑا ہوا۔
اس نے گھر جا کے اچھا خاصہ واویلا کیا ہے۔ محسن نے سو باتیں مجھے سنا دیں۔ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اب

وہ جس گھر میں رہتی ہے۔ وہ گھر میرا سسرال ہے۔" وہ بیٹھ کر رونے لگ گئی۔

"دیکھ لوں گا اس کو بھی۔" نعمان کو غصہ آ گیا۔

"اسے کیا دیکھیں گے۔ اسے ذرا سی آنچ بھی آئی تو میں گھر سے باہر ہوں گی۔"

"ائے ہے۔۔۔ ایسے کیسے ہو گی؟" حمیدہ چمک کر بولیں۔

"بس کر دیں اماں!" فاطمہ نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ "آج تک اس گھر میں جو کچھ ہو گیا۔ وہی کافی ہے۔ اب اور کچھ نہیں ورنہ یہ فاطمہ اجڑ جائے گی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

حمیدہ اور برکت ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

نعمان غصے اور شرمندگی میں گھر سے باہر نکل گیا۔

"اماں' ابا! بہت تماشے ہو چکے اب ان دونوں کو سمجھائیں۔ ساری بات ختم کریں۔ نہ عریشہ کے پیچھے جائیں۔ وہ اب ان کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی' اس گھر کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔"

فاطمہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"اپنی اولاد کے منہ سے نوالے چھین کر اس کے منہ میں دیتی رہی ہوں۔ اب یہی صلہ دے گی۔" حمیدہ تلملائیں۔

"نیک نیتی اور خلوص سے کیا ہوتا تو وہ اپنی جان بھی دے دیتی مگر آپ نے تو لالچ میں آکر۔۔۔" فاطمہ کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی حمیدہ تڑپ کر اٹھیں۔

"ہاں' میں لالچی ہوں۔۔۔ تیرے بھائیوں کا فائدہ دیکھا تھا۔ اپنی قبر میں نہیں لے جانا تھا سارا کچھ۔ آ گئی ہے مجھے باتیں سنانے۔"

"اماں! آپ کو اب بھی اپنی غلطی کا احساس نہیں۔" فاطمہ نے حیرت و بے یقینی سے ماں کو دیکھا۔

"اولاد کا فائدہ دیکھنا غلطی ہے؟"

"اولاد کا فائدہ دیکھنا غلطی نہیں۔ دوسروں کا حق چھیننا غلطی بھی ہے اور گناہ بھی۔"

"ہاں پڑھی لکھی ساس کے ساتھ رہ کے تو ملانی ہی بنے گی۔۔۔ بخشو بی بی! مان لیا' سارے قصور ہمارے تھے۔" وہ دونوں ہاتھ زور سے جوڑ کر چپل گھسیٹتی اندر چلی گئیں۔

فاطمہ نے بے بسی سے باپ کو دیکھا۔

"اس کی عقل الٹی ہے۔۔۔ سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔" برکت حسین نے گویا بیٹی کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

"سب آپ کا قصور ہے ابا!"

"لو میرا کیوں۔۔۔؟" وہ گڑبڑائے۔

"آپس کے جھگڑوں میں آپ لوگوں نے دیکھا ہی نہیں کہ اولاد کا کیا بن رہا ہے۔۔۔ ابا! نعمان کو سمجھائیں۔ ورنہ کچھ برا ہو جائے گا۔"

"میں سمجھاؤں گا۔۔۔ تو فکر نہ کر۔" برکت حسین نے فاطمہ کا سر تھپتھپایا۔ حالانکہ ان کے اپنے لہجے میں بھی یقین نہ تھا۔

"یہ ثوبان اور مریم کہاں ہیں۔۔۔؟" فاطمہ کو اب جا کر ان کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔

"مریم تو ادھر کہیں ہو گی۔ رہ گیا ثوبان' تو اللہ جانے کن ہواؤں میں ہے۔۔۔ مجھے تو کبھی رک کر سلام کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔ ایسی نانہجار اولاد ہے کہ کیا بتاؤں۔"

"اولاد کی تربیت نہ ہو تو ایسی ہی نانہجار اور ناخلف ہو جاتی ہے۔" فاطمہ زیرلب بڑبڑائی۔



ابرار نے کمپیوٹر اسکرین سے نظریں ہٹا کر ثوبان کو دیکھا۔ وہ صاف ستھرے حلیے اور فریش موڈ میں گنگناتا خود پر پرفیوم چھڑک رہا تھا۔ ابرار نے دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہونا چاہا مگر دل میں اک کھٹک سی ہونے لگی۔ شاید وہ ثوبان کو اتنا مطمئن اور خوش دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے عریشہ کو جس دگرگوں حالت میں خالہ کے گھر پہنچایا تھا۔ اس کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔

"کیا بات ہے ثوبان بھائی! آج بہت خوش لگ رہے ہیں۔"

"ہم تو ہمیشہ ہی خوش رہتے ہیں بیٹا جی!"

"اچھا۔" ابرار ایک لحظہ چپ رہا۔ "محبت کھو کر بھی انسان اتنا ہی خوش اور مطمئن رہتا ہے جتنا کہ آپ۔"

"کیا مطلب؟" ثوبان نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں، میں شاید پرسنل ہو رہا ہوں۔"

"نہیں..... جو تمہارے دل میں ہے پوچھ لو۔" وہ اس کے قریب آیا۔

"آپ کو عریشہ سے محبت تھی؟" ابرار نے پوچھ ہی ڈالا۔ یہی سوال تھا جو اس کے ذہن میں کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا۔

"ہاں۔" ثوبان نے بغیر تامل کے جواب دیا۔

ابرار نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"یہ کیسی محبت تھی۔"

"ارے..... تم کیا وہ لیلیٰ مجنوں جیسی محبت ڈھونڈ رہے ہو..... برادر!" وہ کرسی پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

"آج کل وہ محبت کہیں نہیں ملتی۔ وہ اچھی لگتی تھی۔ حالات سازگار ہوتے تو شاید شادی بھی کر لیتا مگر میرے نزدیک وہ اتنی اہم بھی نہیں کہ چلی گئی تو میں مجنوں بن جاؤں۔ یوں بھی ہم ایک پر اکتفا کرنے کے قائل نہیں، وہ بھی اس صورت میں جب اس سے بہتر اور شاندار پرپوزل سامنے ہو۔"

"آپ کا مطلب ہے سنبعہ.....؟"

"تم اسے جانتے ہو.....؟" ثوبان چونکا۔

"اتنا نہیں جتنا آپ جانتے ہیں....." ابرار کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

"اب اور بھی جان جاؤں گا..... اس وقت ملک سے باہر ہے..... واپس آئے گی تو دیکھنا..... اس کا ہاتھ پکڑ کر یوں اوپر جاؤں گا۔" اس نے ہاتھ کو جہاز کی طرح اڑایا۔

"دھیان سے، اکثر کریش بھی ہو جاتے ہیں۔" ابرار نے اس کے ہاتھ کے تعاقب میں دیکھا۔

"ڈونٹ وری..... نہیں ہو گا۔" وہ کندھا تھپتھپا کر سیدھا ہوا۔

"اوکے بیسٹ آف لک....." اس نے بے حد آدھے دل سے کہا۔

ثوبان ہنس کر چلا گیا۔

ابرار نے دونوں ہاتھ سر کی پشت پر باندھ کر ٹیک لگالی۔

"تو بات یہ ہے ثوبان برکت حسین کہ تمہیں عریشہ سے محبت تھی ہی نہیں۔"



کچھ ماہ دھیرے سے کھسک گئے۔ زخم مندمل نہیں ہوا تھا، بس اپنے اندر اٹھتی ٹیسوں کو دباتے ہوئے امتحانوں میں مصروف ہو گئی۔ اس کے بعد نعمان کبھی اس کے راستے میں نہیں آیا..... محسن نے امتحانوں کے بعد کا عرصہ بھی اسے فارغ نہیں رہنے دیا..... اس کے لیے سب سے اچھی چیز مصروفیت تھی۔ سو کمپیوٹر کورس پر لگا دیا۔

رزلٹ آیا تو اس کے لاکھ انکار کرنے پر یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے دیا۔ جبکہ مریم نے اسکول میں پڑھانا شروع کر دیا تھا۔

منیعہ کی امریکہ سے واپسی مہینوں پر چلی گئی مگر ثوبان مطمئن تھا..... وہ پہلے سے بڑھ کر آفس ورک پر توجہ دیتا..... آخر اس کے باپ کو بھی متاثر کرنا تھا۔



"کہاں چلیں؟" مریم کے بائیک پر بیٹھتے ہی فہد نے پوچھا۔

"یہاں سے تو چلو۔ کسی ٹیچر نے دیکھ لیا تو مصیبت آجائے گی۔" مریم نے دوپٹے سے چہرہ چھپاتے ہوئے کہا تو فہد نے بائیک اسٹارٹ کر لی۔

"کسی پارک میں چلیں.....؟" اسکول دور رہ گیا تھا۔ اب وہ سکون سے بیٹھی تھی۔

"نہیں لوگ گھورتے رہتے ہیں۔ کسی کی نظر پڑ گئی تو خوامخواہ مصیبت پڑ جائے گی۔"

"تم کچھ زیادہ ڈرپوک نہیں ہو گئیں؟"

"تمہاری بہادری بھی دیکھی ہے۔ کسی ریسٹورنٹ کے فیملی کیبن میں چلتے ہیں۔"

"لیکن میری جیب خالی ہے۔"

"ہمیشہ کی طرح....."

"یار! کیا کروں۔ ابو ساری تنخواہ سود لیتے ہیں۔ پیٹرول تک کے پیسے ان سے مانگنے پڑتے ہیں۔"

"اور تم اتنے فرماں دار کہ سارے تھما دیتے ہو۔ مجھے دیکھو' آج تک گھر والوں کو میری اصل تنخواہ کا بھی علم نہیں۔"

"ہنہہ....."

"فیملی کو کیسے سپورٹ کرو گے؟"

"جب فیملی آئے گی' دیکھا جائے گا۔" فہد نے لاپروائی سے بائیک کی رفتار بڑھائی۔ فیملی کیبن میں چائے اور سینڈوچ آنے تک دونوں نے زیادہ بات نہیں کی مگر ویٹر کے جانے کے بعد وہ سنجیدگی سے بولی۔

"فہد! اب کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔"

"کر تو رہے ہیں۔" فہد نے سینڈوچ اٹھاتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"میری شادی کی تاریخ طے ہو رہی ہے۔" مریم نے سنجیدگی سے بتایا۔

"اوہ....." فہد نے سینڈوچ واپس رکھ دیا۔

"تم انکار کر دو۔"

"کس بنیاد پر.....؟"

فہد خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"میری شکل نہ دیکھو۔ اپنے گھر والوں سے بات کرو' انہیں مناؤ۔ آخر اسٹینڈ لینے کے لیے میرے پاس کوئی ٹھوس وجہ تو ہو۔" مریم چڑ کر بولی۔

"ہزار بار کر چکا ہوں مگر وہ مانیں تو....." فہد جھنجلایا۔

"او کے۔ پھر میرے یہاں ہونے کا جواز کیا ہے؟" مریم دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر کھڑی ہوئی۔

"مریم! اتنی ایموشنل کیوں ہو رہی ہو..... بیٹھو..... کچھ حل نکالتے ہیں۔" فہد نے ہاتھ پکڑ کر روکا تو وہ روٹھی روٹھی سی بیٹھ گئی۔

"میں امی سے ایک بار پھر بات کرتا ہوں' مجھے امید ہے وہ کوئی نہ کوئی رستہ نکال لیں گی۔"
"اور اگر نہ نکال سکیں تو.... ؟"اس کے لہجے میں ہزار خدشے دھڑک رہے تھے۔
"تو ہم کورٹ میرج کریں گے۔"
مریم ششدر سی رہ گئی۔ اس ریسٹورنٹ کے اس فیملی کیبن میں ہونے والی یہ گفتگو نئی نہ تھی۔ یہ کھیل صدیوں سے کھیلا جاتا رہا ہے.... کہتے ہیں مرد عورت کو ورغلاتا ہے' حقیقت یہی تھی کہ عورت لاشعوری طور پر پہلے سے ہی آمادہ ہوتی ہے۔ بس اپنی بندوق مرد کے کندھے پر رکھ کر چلاتی ہے اور خود بری الذمہ ہو جاتی ہے۔
فہد نے یہ بات پہلے بھی کہی تھی۔ مریم ڈر گئی کہ اندر کہیں وہ بھی آمادہ ہو چکی تھی۔
"خیر! ہم ایک آخری کوشش تو کریں گے۔" وہ سینڈوچ اٹھا کر کھانے لگا۔ جبکہ مریم کی چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی۔ آخر فہد نے ٹوکا۔
"تم کچھ لے کیوں نہیں رہیں....."
"بھوک نہیں ہے۔"
"کیوں....."
"اب چلیں' کافی دیر ہو گئی ہے۔" مریم نے پیسے نکال کر میز پر رکھے۔ فہد نے ویٹر کو بلا کر بل دیا۔
"اب کب ملو گی؟"
"پتا نہیں۔" وہ الجھی ہوئی اور بے زار تھی اور اسی الجھن میں نقاب کرنا بھول گئی۔ فہد پردہ ہٹا کر باہر نکلا۔ مریم اس کے عقب میں تھی۔
وہ آگے نکل گیا اور مریم کے قدم وہیں جم گئے۔
عین سامنے والی میز پر نعمان اپنے دو دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔
قیامت یہ کہ وہ اسی سمت دیکھ رہا تھا۔
مریم کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔



گھر کے صحن میں شور بپا تھا۔
نعمان کی ابلتی غیرت' اس کے ہاتھوں پٹتی محبت کی ماری مریم۔
اور چھڑانے والا کوئی نہیں۔ حمیدہ فق چہرے کے ساتھ اسے پٹتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔
"ہماری عزت ہوٹلوں میں رولتی آئی ہے۔ وہاں بیٹھی اس کے ساتھ گلچھرے اڑا رہی تھی ___ کوئی شرم اس میں نہیں بچی..... پتا نہیں کہاں کہاں گھومتی رہی ہے۔ شہر میں کس کس نے دیکھا ہو گا۔" نعمان تھک کر ہانپنے لگا۔ مریم بے دم ہو کر گر گئی۔
"میں صاف صاف بتا رہا ہوں اماں!" اس نے انگلی اٹھا کر حمیدہ سے کہا۔ "یہ کسی دن بھاگ جائے گی' یہ نہیں رکنے والی۔"
حمیدہ نے دہل کر کلیجہ تھام لیا۔
"آج سے اس کا گھر سے نکلنا بند ہے۔ کمرے میں بند کر کے تالا ڈال دو اور بلاؤ اس کے سسرال والوں کو اور نکاح پڑھواؤ۔ ورنہ سر پکڑ کر روتی رہ جاؤ گی۔"
وہ نفرت سے اسے ٹھوکر مار کر باہر نکل گیا۔
تب حمیدہ کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی..... انہوں نے قریب آ کر دو ہتڑ مریم کو مارے۔

"کمینی..... بدبخت! ایسی جوانی اچھل رہی تھی تو بتا دیتی میں دو بول پڑھوا کے دفع کر دیتی۔ میرے سفید بالوں میں یہ کھے ضرور ڈلوانی تھی۔"

"اب کر دو نا رخصت۔" مریم نے پھٹے ہوئے ہونٹ کو رگڑا۔

"بلاتی ہوں تیرے سسرال والوں کو..... اب تجھے گھر میں رکھ کر میں نے اچار ڈالنا ہے۔"

"نہ اماں! اتنی مار میں نے جس کے نام پر کھائی ہے' رخصت بھی اسی کے ساتھ ہوں گی۔ میں شادی صرف فہد سے کروں گی۔"

مریم کے لہجے میں چھلکتی بغاوت نے حمیدہ کو سن کر دیا۔



"پھوپھو!" عریشہ نے کمرے میں جھانکا۔ وہ ابھی تک قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ آیت ختم کر کے نبیلہ نے قرآن پاک بند کیا۔

"تیار ہو گئیں؟"

"جی میں یونیورسٹی سے واپسی پر گھر جاؤں گی۔"

"گھر؟" نبیلہ نے تعجب سے دیکھا۔ "وہاں تو کرائے دار ہیں۔"

"فاطمہ آپی! بتا رہی تھیں' وہ جا چکے ہیں۔ گھر خالی پڑا ہے۔"

"وہاں کیا کرنے جاؤ گی عریشہ!"

"یونہی ایک نظر دیکھ کر آ جاؤں گی..... آج امی کی برسی بھی تو ہے۔" اس کے گلے میں پھندا پڑ گیا۔ چائے لے کر آتی فاطمہ رک گئی۔ عریشہ نے ایک طرف ہو کر جگہ دی۔

"کہاں جانا ہے؟" فاطمہ نے پیالی نبیلہ کے پاس رکھی۔

"گھر جا رہی ہوں آپی!"

"اچھا جلدی آنا' مجھے فکر رہے گی۔" نبیلہ نے کہا تو وہ خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔

فاطمہ نے کچھ سوچ کر گھر کا نمبر ملایا۔

"ہے..... لو۔" حمیدہ کی مخصوص آواز آئی۔

"اماں! میں ہوں فاطمہ۔"

"ہاں..... بول اب تجھے کیا تکلیف ہے۔"

فاطمہ سٹپٹا گئی۔ اسے کیا پتا تھا کہ اماں اس وقت کس موڈ میں بیٹھی ہیں۔

"کیا ہوا.....؟"

"کچھ نہیں ہوا۔ تو اپنا سیاپا بول....." وہ جھنجلائیں۔

"کیا سیاپا! میں نے صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ آج عریشہ اپنا گھر دیکھنے آ رہی ہے۔"

"کیوں گھر کہیں بھاگا جا رہا ہے یا ہم بیچ کر کھا رہے ہیں؟"

"اماں! خدا کے لیے اپنے بیٹوں کو سمجھا دیجئے گا کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو۔ بس اتنا ہی کہنے کے لیے فون کیا تھا۔" فاطمہ نے اتنا ہی کہہ کر ریسیور پٹخ دیا۔

"کبھی جو اماں نے اچھے طریقے سے بات کی ہو..... جب بھی کریں گی لٹھ ہی ماریں گی۔" وہ بڑبڑانے لگی۔



دروازے پر آہٹ ہوئی یا کسی نے ہلکی سی دستک دی تھی۔ اونگھتے ہوئے برکت حسین نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔ ایک لمحے کو تو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا۔

"عریشہ....."

وہ بغیر بولے دو قدم آگے آئی۔

"گھر کی چابی آپ کے پاس ہے؟"

"ہاں میرے پاس ہی ہے..... پر تو کھڑی کیوں ہے۔ یہاں بیٹھ اپنے تایا ابا کے پاس..... حمیدہ او حمیدہ! بات سن ..... دیکھ کون....."

"میں یہاں کسی سے ملنے نہیں آئی ہوں۔ چابی دے دیں۔" اس نے بدلحاظی سے کہہ کر ہتھیلی پھیلائی..... وہ یہاں ایک منٹ کے لیے بھی نہیں رکنا چاہتی تھی۔ اس جگہ سے جتنی خوشگوار یادیں وابستہ تھیں..... اس سے کہیں زیادہ تلخ تھیں۔

اس کا انداز اتنا قطعی تھا کہ برکت حسین نے چابی نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دی..... وہ چابی جھپٹ کر انہیں کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر پلٹ گئی۔

پورے گھر میں دھول اڑ رہی تھی۔ نجانے کب سے کرائے دار گئے تھے اور تب ہی سے یہاں صفائی نہیں ہوئی تھی۔ اسے وہ صحن یاد آیا' جو اس کی ماں کے ہاتھوں چمکا کرتا تھا..... اس کے قدم دھول پر نشاں چھوڑتے کچن تک آئے۔

"تم نے کھانا کھالیا.....؟" عادلہ کی تشویش بھری آواز ابھری۔

"کہاں سے کھاتی.....؟"

ہائے! وہ نخرے' جو صرف ماؤں کو دکھائے جاتے ہیں۔

"میں کھانا بنا کر تو گئی تھی۔"

"وہ بینگن.....ہونہہ۔"

"بری بات۔ کھانے کی ناقدری نہیں کرتے۔"

رسانیت و محبت بھرا لہجہ..... نجانے تب وہ محبت محسوس کیوں نہ ہوئی تھی۔ عریشہ کی آنکھیں بھر آئیں..... اس نے کچن کے دروازے سے ہاتھ ہٹالیا۔

خالی ڈھنڈار بیڈ روم میں خاموشی دیواروں سے لپٹی تھی۔

"یہ زندگی بڑی عجیب ہے عرشی! پتا ہی نہیں چلتا۔ انسان کچے برتن کی طرح ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔ میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ خدانخواستہ زندگی میں تم پر کوئی مشکل وقت آئے تو تم کسی اور کی طرف نہ دیکھو۔ خدا کے بعد اپنا سہارا آپ بنو۔"

"امی! کوئی چھوٹی نصیحت کرلیا کریں۔ یہ تو سر کے اوپر سے گزر گئی۔"

"کبھی یاد آئیں گی ماں کی باتیں۔" عریشہ بے اختیار رو پڑی۔

"امی! بہت یاد آتی ہیں آپ کی باتیں۔"

ان خالی کمروں میں کچھ نہیں تھا..... بس گم گشتہ آوازیں گونجتی تھیں۔ وہ جس طرف بھی دیکھتی کوئی نہ کوئی لمحہ اس کا ہاتھ پکڑ کر سسکنے لگتا۔ وہ روتی ہوئی صحن میں آنکلی۔

"کاش' کاش! انہیں کوئی ایک بار واپس لے آئے..... میں ان کے پیر پکڑ کر معافی مانگ لوں۔" وہ کھلے آسمان تلے بیٹھ کر رو سکتی تھی۔ سو دل کھول کر روئی۔

نجانے کتنا وقت گزرا تھا' جب ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر حمیدہ نے اندر جھانکا۔ عریشہ نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کرتے انہیں دیکھا۔

"تمہاری پھپھی بھی آئی ہے؟"

عریشہ کا سر بے اختیار نفی میں ہلا۔

"چلو اچھی بات ہے..... آجاؤ۔" انہوں نے آخری الفاظ دروازے کی طرف منہ کر کے کہے۔ عریشہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے انہیں دیکھا۔ تب ہی دروازہ کھول کر نعمان اندر آگیا..... اس کے ہاتھ میں اک سادہ کاغذ تھا۔

عریشہ کی چھٹی حس نے الارم دیا۔ وہ تیزی سے کئی قدم پیچھے ہٹی۔

"کیا بات ہے.....؟"

"کوئی بات نہیں میری بچی..... مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" حمیدہ کا لہجہ منافقت بھرا تھا۔

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔ چلی جائیں یہاں سے۔"

"عرشی! بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔" حمیدہ نے پچکارا۔

"میں تایا ابا کو آواز دوں گی۔"

نعمان اس کے مقابل آکھڑا ہوا۔ عریشہ کو اس کی سنجیدگی سے خوف آنے لگا۔

"گھر پر کوئی نہیں ہے۔"

"تم چاہتے کیا ہو؟" وہ اندر سے ڈر گئی تھی۔

"اس کاغذ پر دستخط کر دو۔"

عریشہ نے حیرت سے اس کاغذ کو دیکھا۔

"نکاح نامہ ہے....."

"کیسے کاغذات.....؟" عریشہ نے حیرت سے کاغذ دیکھا۔

"نکاح نامہ ہے۔" نعمان ہنسا۔

"کیا بکواس ہے....." وہ ڈر گئی۔ "جائیں یہاں سے' ورنہ میں شور مچا دوں گی اور تائی! آپ' آپ کو شرم نہیں آئی.....؟ آپ کے اپنے گھر میں بھی بیٹی ہے اور....."

"اویں بکواس کر رہا ہے تو ہٹ پیچھے....." تائی نے دھپ لگا کر نعمان کو پیچھے کیا۔

"دیکھ عرشی! میں تیری ماں کی جگہ ہوں..... ہمیشہ عادلہ سے بڑھ کر تجھے چاہا....." حمیدہ نے چاپلوسانہ انداز میں کہنا شروع کیا' مگر عریشہ نے تلخی سے بات کاٹ دی۔

"ہاں! اپنے مقصد اور فائدے کے لیے۔"

"چلو! یوں ہی سہی..... اب تو اتنا بڑا مکان اور دکانیں رکھ کر کیا کرے گی؟ تیرے کون سے اتنے خرچے ہیں۔ سائن کر دے..... مریم کی شادی بھی کرنی ہے اور....."

"میں نے آپ کے سارے کام سنوارنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے؟" عریشہ بھڑ گئی۔ "کبھی فاطمہ کی شادی ہے' کبھی مریم کی۔ آپ جیسے لالچی اور خود غرض لوگ میں نے کہیں نہیں دیکھے۔ میں اور میری ماں آپ کو بہت کچھ دے چکے..... اب میرے پاس کچھ نہیں..... آپ لوگ چلے جائیں..... ورنہ میں چیخ چیخ کر سارا محلہ اکٹھا کر لوں گی۔"

"عرشی! میری بات....." حمیدہ نے کچھ کہنا چاہا' مگر نعمان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اماں! تم جاؤ..... میں اس سے خود بات کرتا ہوں۔"

نعمان کی آواز و نگاہوں نے عریشہ کے وجود میں پھریری سی دوڑا دی۔
اسے یقین تھا تائی نہیں جائیں گی۔۔۔۔ مگر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب اس نے تائی کو ڈیوڑھی کے دروازے کو پار کرتے اور پھر دروازہ بند کرتے دیکھا۔
وہ ان کے پیچھے لپک کر جانے کو تھی' جب نعمان نے اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے دھکیلا۔ عریشہ کے لبوں سے تیز چیخ نکلی۔۔۔۔ مگر نعمان کے ہاتھ نے اس کی چیخ کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ پوری طرح اس کے شکنجے میں تھی اور وہ اسے کھینچ کر کمرے میں لے جانا چاہتا تھا شاید وہ ڈر تا تھا کہ کہیں ہمسائے اس کی چیخ وپکار نہ سن لیں۔۔۔۔ مگر عریشہ کی مزاحمت شدید تھی۔
"الو کی پٹھی۔۔۔۔" نعمان نے ہاتھ ہٹا کر پوری قوت سے اس کے چہرے پہ تھپڑ مارا۔۔۔۔ عریشہ کا ہونٹ پھٹ گیا۔ وہ پورے قد سے گر گئی۔۔۔۔ نعمان کے ہاتھ سے کاغذ بھی چھوٹ گیا۔ عریشہ نے جنونی انداز میں اس کاغذ کو پرزے پرزے کر ڈالا۔
نعمان گویا غصے میں پاگل ہو گیا تھا۔ عریشہ کو تابڑ توڑ مکوں اور لاتوں کی زد پر رکھ لیا۔
اس کی چیخوں نے آسمان ہلا ڈالا۔
"نہیں دوں گی۔۔۔۔ مار دو گے تب بھی نہیں دوں گی۔۔۔۔ یہ میری جائیداد ہے۔۔۔۔ میرے باپ کی ہے۔"
نجانے اس میں اتنی بے خوفی کہاں سے آئی کہ وہ پورے مقابلے پر اتر آئی تھی اور یہی چیز نعمان کو پاگل بنانے لگی۔ ظلم و تشدد کا دورانیہ نجانے کتنا طویل ہوتا کہ ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر ابرار اندر آ گیا۔ عریشہ اور نعمان کی آواز دیوار پار بھی سنائی دی تھی' تب ہی وہ بغیر سوچے سمجھے پرائی آگ میں کود پڑا تھا۔
"تو ہوتا کون ہے ہمارے گھر کے معاملے میں بولنے والا؟" نعمان اس پر پل پڑا۔
"گھر کا معاملہ تھا تو آوازیں باہر کیوں گئیں؟ شکر کریں کہ میں آیا ہوں' ساتھ میں پولیس کو نہیں لایا۔"
"تیری یہ اوقات کہ مجھے پولیس کی دھمکی دے دی؟"
"اوقات تو آپ نے دکھائی ہے۔۔۔۔ جائیداد کے لیے مرحوم چچا کی بیٹی پر ظلم کرتے ہو۔۔۔۔"
نیچے گری عریشہ نے سر اٹھا کر مددگار فرشتے کو دیکھنا چاہا مگر آنکھیں دھندلا گئیں۔
اب وہ دونوں دست و گریبان تھے۔
ابرار نے بڑے زور سے نعمان کو دھکا دیا۔ وہ جا کر دیوار سے ٹکرایا تھا۔
"تم ٹھیک تو ہو۔۔۔۔؟" وہ پلٹ کر عریشہ کو اٹھانے لگا۔۔۔۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق عریشہ نے اس کا بازو دبوچ لیا۔
اور وہی لمحہ تھا جب بیرونی دروازہ ٹھاہ کی آواز کے ساتھ کھلا اور محلے کے چند لوگ اندر گھستے چلے آئے۔۔۔۔
حمیدہ ان میں سب سے آگے تھیں۔
"لو۔۔۔۔ دیکھ لو۔۔۔۔ اپنی آنکھوں سے اس کے کرتوت۔۔۔۔ یہاں یہ گل کھلائے جا رہے ہیں۔ نعمان کی جگہ کوئی اور غیرت مند ہوتا تو بھی یہی کچھ کرتا۔"
چند لمحے لگے حمیدہ کی بات کو سمجھنے میں۔
ابرار کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور عریشہ بے جان گڑیا کی طرح زمین بوس ہو گئی۔
"دونوں کو زمین میں زندہ گاڑ دوں گا۔۔۔۔ میں بے غیرت نہیں ہوں۔۔۔۔ مرحوم چچا کی عزت کو مٹی میں ملاتے ذرا حیا نہ آئی۔"
"ہائے۔۔۔۔ ہائے! ماں باپ سر پر نہ ہوں تو لڑکیاں یوں عزت نیلام کرنے لگتی ہیں۔" حمیدہ سینہ کوٹ رہی تھیں

عریشہ نے بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولا اور اک نفرت بھری نگاہ نعمان اور حمیدہ پر ڈالی۔ ہر گزرا دن ان لوگوں کا اک نیا روپ سامنے لا رہا تھا۔
عریشہ نے نفرت سے زمین پر تھوک دیا۔
"دیکھا.... دیکھا اس کی اکڑ...." نعمان کی ٹھوکر نے عریشہ کا جبڑا ہلا دیا۔
بے ہوشی کے آخری لمحوں میں اس نے سب کے عقب میں جھانکتے اس چہرے کو بھی دیکھا، جسے اس نے زندگی میں سب سے زیادہ چاہا تھا۔
اس چہرے پر بھی عریشہ کے لیے کوئی ہمدردی نہ تھی۔
اگلے پل عریشہ نے خود کو طویل اندھیروں کے سپرد کر دیا تھا۔
"میں نے کہا بھی تھا.... ہاتھ ہولا رکھنا۔ پر تو تو غصے میں جلاد بن گیا تھا۔" حمیدہ نے دو ہتڑ نعمان کے مارے تو وہ جھنجلا کر کھڑا ہو گیا۔
"بس کرو اماں.... تم بھی تو ساتھ ہی تھیں۔ بلکہ سارا پلان تمہارا ہی تھا.... خود ہی کہہ رہی تھیں کہ تم سے وہ چھٹانک بھر کی لڑکی ڈرائی نہیں جاتی۔ میں تو صرف ذرا دھمکا کر سائن کروانا چاہتا تھا۔ تم نے پکڑ کر اس پر الزام ہی دھر دیا۔"
"تو.... میں نے کب؟" حمیدہ کے ہاتھوں کے طوطے برکت حسین کو دروازے میں کھڑے دیکھ کر اڑ گئے۔
"تو یہ سارا کچھ تیری شہہ پر ہوا ہے۔ بے غیرت عورت! یہ بھی بھول گئی کہ تیرے اپنے گھر میں دو دو بیٹیاں ہیں۔ اب جو عریشہ کے غصے میں نبیلہ نے فاطمہ کو گھر سے نکال دیا تو؟"
برکت حسین کو حقیقی غصہ آیا تھا.... حمیدہ زندگی میں پہلی بار گھبرائیں۔ حواس باختہ تو نعمان بھی ہو گیا تھا۔ محلے میں الگ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں.... پھر نبیلہ کے ردعمل کا خطرہ بھی تھا۔
"ارے! انہیں نکالتے فاطمہ کو.... کیوں دہلائے دیتے ہو؟"
"بے شرم.... بے غیرت لوگ.... میری بھتیجی پر الزام دھرتے حیا نہ آئی....؟ یتیم ہوئی تھی پر اس کا تایا تو زندہ تھا.... ایسی پنچ حرکت۔"
"بس کرو برکت حسین.... پہلے تو یتیم بھتیجی کا خیال نہ آیا۔"
"یہ تو ہے ہی شاطر عورت.... اور تو تو کسی ٹرین کے نیچے آ کر مر بھی جائے، مجھے تب بھی افسوس نہ ہو۔"
"ہائے! اللہ نہ کرے۔" حمیدہ نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔
"اپنی اولاد کی دفعہ بہت دکھ ہوتا ہے اور اس لڑکی کو جیتے جی مار ڈالا وہ....؟" وہ ڈھے سے گئے۔
"کچھ نہ کچھ دیکھا تھا، تب ہی کہا تھا۔" حمیدہ نے ڈھٹائی سے کہا۔
"بس کر حمیدہ! خود پر اور اپنی اولاد پر رحم کر.... اپنا کیا ہی آگے آتا ہے.... عریشہ بھتیجی تھی تو وہ لڑکا بھی میری نظروں کے سامنے ہی رہتا تھا۔"
نعمان جھنجلا کر باہر نکل گیا۔ اسے احساس ہوا، اماں کے پیچھے لگ کر معاملہ بالکل ہی الٹے رخ پر چلا گیا ہے۔ برکت حسین سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ انہیں زندگی میں پہلی بار لگا کہ ان کے گھر میں کچھ غلط ہو رہا ہے، ورنہ وہ تو سب کچھ حمیدہ کے ہاتھ میں دے کر بے فکر بیٹھے تھے۔



ابرار نے ہلکا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو عریشہ کے پاس بیٹھی نبیلہ نے مڑ کر دیکھا، پھر ابرار کو چپ کا اشارہ

کیا۔ ابرار دروازہ بند کر کے کاریڈور میں آ کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر میں نبیلہ اس کے پاس تھیں۔
"اب کیسی طبیعت ہے؟" ابرار نے پوچھا۔
"ٹھیک ہے۔ دوا کے زیرِ اثر سو رہی ہے۔"
"فاطمہ آپی نے کھانا بھجوایا ہے۔"
"ابرار! وہاں کیا ہوا تھا؟"
"پتا نہیں خالہ! میں دیر سے پہنچا۔" وہ نظریں چرا گیا۔
"عریشہ پر ہاتھ کس نے اٹھایا؟" وہ بے حد سنجیدہ تھیں۔
"مجھے نہیں پتا۔۔۔" وہ رخ ہی بدل گیا۔
"ابرار! مجھ سے جھوٹ مت بولو۔۔۔ کھل کر بتاؤ۔" نبیلہ کے لہجے میں سختی سی در آئی۔
"خالہ! عریشہ ہوش میں آئے گی تو خود ہی بتا دے گی۔۔۔ میں گاڑی سے سامان نکال لوں۔"
"یہ بھی شکر ہے کہ محسن شہر سے باہر ہے۔۔۔ ورنہ جذباتی ہو کر نجانے کیا کر بیٹھتا۔" وہ بڑبڑائیں۔
ابرار نظرانداز کر کے چلا گیا۔ محسن کی گاڑی اسی کے پاس تھی کچھ دوستوں کی مہربانی سے وہ ڈرائیونگ بھی سیکھ چکا تھا۔

نبیلہ اندر آ گئیں۔۔۔ عریشہ کسمسا رہی تھی۔
وہ لپک کر قریب آئیں اور پیار سے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔
"عرشی! میری جان! اب کیسی طبیعت ہے؟"
"امی! امی۔۔۔"
"عرشی! ادھر دیکھو میں ہوں تمہاری پھوپھو۔۔۔" وہ اس کے گال تھپتھپانے لگیں۔
"میری امی! پھوپھو۔۔۔ میری امی مر گئیں۔۔۔ میں نے انہیں مار ڈالا۔۔۔" وہ چلانے لگی۔۔۔ اسے خود بھی یاد نہ
[…]کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اسے صرف ماں یاد آ رہی تھی۔
اسے یہ یاد آ رہا تھا کہ ان لوگوں کے لیے اس نے اپنی ماں کے ساتھ کیا کیا۔
اسے یہ احساس مار رہا تھا کہ ماں نے کس کس طرح اس کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی۔۔۔ مگر وہ اپنی
[…]نی میں سمجھ ہی نہ پائی۔
اسے دکھ حمیدہ کے رویے پر تھا، نہ نعمان کے سلوک پر۔
اسے تو ثوبان کی بے حسی، دھوکے بازی، خود غرضی کسی سے بھی غرض نہ رہی تھی۔
بس اک دکھ، پشیمانی بہت کچھ ختم ہو جانے اور اپنی جنت کھو دینے کا احساس ہر جذبے پر حاوی تھا۔
نبیلہ نے اسے خود میں سمیٹ لیا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی عریشہ کو اس احساسِ زیاں سے نکال نہیں سکتی تھیں۔
کچھ دنوں میں وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہو گئی۔۔۔ وجود کے زخم بھر گئے۔ مگر روح کے زخم ناسور بنتے جا رہے تھے۔
"عریشہ! [illegible]۔" فاطمہ کی آواز پر کھڑکی سے باہر جھانکتی عریشہ نے چونک کر دیکھا، مگر ہاتھ نہیں بڑھایا۔
فاطمہ [illegible] میز پر رکھا اور خود بھی بیٹھ گئی۔
[illegible] واپس آ رہے ہیں۔" فاطمہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔
"عریشہ! میں جانتی ہوں گھر والوں نے تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ میں اس سب کے لیے بہت
[…]ہ ہوں۔۔۔ یقین جانو! میں نے سب سے رابطہ ختم کر لیا ہے۔۔۔ کسی سے نہیں ملتی۔"
عریشہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔۔۔ فاطمہ یہ سب اس سے کیوں کہہ رہی ہے۔ نبیلہ یا عریشہ نے تو اسے اس کے گھر

والوں سے ملنے سے منع نہیں کیا تھا۔
"میری اچھی بہن پلیز... تم محسن سے کچھ مت کہنا' وہ تمہارے معاملے میں بہت تپے ہیں۔ عریشہ! تم سن رہی ہو... میرا گھر خراب ہو جائے گا۔" فاطمہ روہانسی ہو گئی۔
"نہیں کہوں گی۔" عریشہ نے تین لفظوں میں بات ختم کر دی۔
فاطمہ کچھ اور شرمندہ ہو گئی۔ اس نے بے اختیار عریشہ کا ہاتھ تھام لیا۔
"تم بہت اچھی ہو... پلیز! جو کچھ ہوا..."
عریشہ نے ہاتھ چھڑا لیا... تب ہی نبیلہ آ گئیں۔
"تم نے ابھی تک دودھ نہیں پیا؟"
"وہی تو اصرار کر رہی ہوں مگر یہ مان ہی نہیں رہی۔" فاطمہ نے گھبرا کر گلاس اٹھایا۔
"عریشہ!" نبیلہ نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "اتنی گم صم کیوں بیٹھی ہو...؟ کچھ بولا کرو۔"
"کیا بولوں؟" وہ بے بسی سے بولی۔
"جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔"
عریشہ نے حیران کن نظروں سے انہیں دیکھا... ابھی تو اس کی چوٹوں کے نشان بھی مندمل نہ ہوئے تھے۔
"جو الزام ان لوگوں نے مجھ پر لگایا ہے۔ پھوپھو! نجانے کس کس نے اعتبار کیا ہو گا۔"
"عرشی! لوگ اندھے نہیں ہیں..."
"کسی کی پارسائی پر حرف آئے تو سب پتھر مارنے والوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ سچ جھوٹ کی کھوج کون کرتا ہے۔"
فاطمہ کی نظریں جھک گئیں۔ وہ اپنے گھر والوں سے ہر بات کی توقع رکھتی تھی' سوائے اس ایک کے۔
"کیا کوئی اتنا سفاک اور بے حس ہو سکتا ہے...؟ میں نے ان کے لیے کیا کچھ نہیں کیا...؟ اپنی ماں کو جھٹلایا... وہ میری وجہ سے مر گئیں۔ صرف اس لیے کہ میں نے ان کی نسبت ان لوگوں کو اپنا سمجھا... میں کیوں نہیں پہچان سکی۔ ہر دن ان کے چہروں سے نیا نقاب نوچ لیتا ہے اور میں ہکا بکا رہ جاتی ہوں... یہ کیسے خونی رشتے ہیں جنہوں نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا... میرا مان' اعتبار... میری جنت... میں کیا کروں' کہاں جاؤں... میرے ہاتھ خالی ہیں... میں خالی ہوں... میرا دل خالی ہے... میرے پاس کچھ نہیں بچا... انہیں میری دکانیں اور مکان چاہیے... سب لے لیں... سب کچھ لے لیں' بس! میری امی واپس دلا دیں... میرا اعتبار' میرا بھروسا لوٹا دیں۔"
وہ جنونی انداز میں رونے اور چلانے لگی۔
فاطمہ نے گھبرا کر گلاس رکھا اور روتے ہوئے باہر نکل گئی۔
نبیلہ نے اسے خود میں بھینچ لیا۔ یہاں تک کہ وہ روتے چلاتے نڈھال ہو کر بستر پر گر سی گئی۔



ثوبان اپنے کمرے میں دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے گھومتے پنکھے پر نظریں جمائے ہوئے چت لیٹا تھا۔ ذہن میں خیالات کی رفتار پنکھے کی رفتار سے بھی زیادہ تیز تھی۔
منیبہ ابھی تک امریکا سے نہیں لوٹی تھی۔ اور ہر گزرتا دن اس کے حوصلے پست کر رہا تھا۔ اس تمام عرصے میں اس نے ایک بار بھی عریشہ کے بارے میں نہیں سوچا تھا... لیکن یہ بھی اس کی خام خیالی ہی تھی۔ ذہن کے کسی گوشے میں اس کی بے یقین نگاہیں اب بھی بے سکونی پھیلاتیں... لیکن وہ دانستہ اس احساس ندامت سے

نظریں چرائے صرف منیعہ اور اس سے وابستہ اپنے روشن مستقبل کے بارے میں سوچا کرتا۔
"شاید مجھ سے غلطی ہوئی' مجھے اسی وقت منیعہ کے پروپوزل پر ہاں کہہ دینی چاہیے تھی..... آخر اتنی انا دکھانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کاش! وقت پلٹ جائے اور میں اس پل کو مٹھی میں جکڑ لوں۔ قسمت کی دیوی کو قید کر لوں یا خود اس کا غلام ہو جاؤں۔"
اس کے عین نیچے والے کمرے میں نعمان بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔
"یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے..... اتنا غصہ اتنی جذباتیت.....؟ اماں کی باتوں میں آ کر میں نے بہت ہی غلط قدم اٹھالیا..... اس طرح تو سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا..... پھوپھو اور محسن اب بھی یہ دکانیں میرے نام نہیں ہونے دیں گے۔ عریشہ کی شادی ثوبان سے ہو جاتی' تب بھی دکانیں گھر میں ہی رہنی تھیں۔ پھر وہ اس سے محبت بھی تو کرتی تھی....."
"محبت" وہ اس لفظ پر اٹک سا گیا۔
"اسی محبت کے چھن جانے نے مجھے اتنا انتقامی بنا دیا کہ میں....."
وہ تھک کر کرسی پر بیٹھ گیا..... اسے عائشہ بے حد شدت سے یاد آئی۔
"اگر مجھے عائشہ مل جاتی تو کیا میں تب بھی یہ سب کرتا.....؟"
اس نے اپنے ہی سوال کے اندر سے اٹھتے جواب پر غور کیا۔ اس کے اندر آتش فشاں ابلنے لگا۔
"ہاں! ٹھیک ہے' جب میرا دل ویران ہو چکا..... تو کسی کا کیوں آباد ہو..... یہی سب ہونا چاہیے تھا۔"
وہ اپنے اندر کے غصے پر قابو پاتا گھر سے ہی نکل گیا۔



"کب تک اپنے ہوتے سوتے کو روتی رہے گی؟" حمیدہ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر آئیں۔
مریم نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر انہیں دیکھا۔
"جب تک مجھے اس کمرے میں بند رکھیں گی۔"
"مجھے کوئی شوق نہیں تیرے جیسی اولاد کو گھر میں رکھ کے گند ڈالنے کا۔"
"تو کر دیں رخصت..... جان چھڑا لیں اس گند سے۔" وہ بدلحاظی سے گویا ہوئی۔
"وہی کرنے لگی ہوں..... آئی بیٹھی ہے تمہاری ساس..... ابھی شادی کی بات کر کے دفع کرتی ہوں۔"
"اماں....." وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"اب ایک لفظ نہ کہنا' زبان کاٹ دوں گی۔ اب اٹھ کر حلیہ ٹھیک کر اور چائے لے کر آ۔ تیرا باپ وہیں بیٹھا ہے..... زیادہ آنا کانی کی تو نعمان کو بلا لوں گی۔" حمیدہ غضب ناک ہوئیں۔
"جس کو مرضی بلا لیں۔ میں چائے نہیں بنا رہی۔" مریم ہٹ دھرمی سے بولی۔
"بے غیرت' کمینی۔" حمیدہ ہاتھ تان کر اس کی طرف لپکیں۔
"بہن جی.....!" مریم کے عین سر پر جا کر انہیں ساکت ہونا پڑا..... پھر کھسیانی سی ہنسی ہنستے مڑیں۔
"وہ میں....."
"ہاتھ نیچے کر لیجیے۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔
حمیدہ نے کھسیا کر ہاتھ نیچے کیا۔
"دراصل اس کی طبیعت....."
"جانتی ہوں اور یہ بھی پتا ہے کیوں خراب ہے۔" ان کے لہجے میں طنز ہی طنز تھا۔ مریم نے بھی الجھ کر انہیں

دیکھا۔
"آپ بیٹھیں۔۔۔۔"
"میں بیٹھنے نہیں۔۔۔۔ صرف اتنا کہنے آئی ہوں کہ اپنے گھر کا گند اپنے گھر میں ہی سنبھال کر رکھیں۔"
"جی۔۔۔۔" حمیدہ ہکا بکا رہ گئی۔
"میرے اپنے گھر میں بیٹیاں ہیں اور ایک مچھلی سارے جل کو گندا کرتی ہے اور اس قسم کی لڑکیاں پورے خاندان کو بدنام کرتی ہیں۔" انہوں نے ہاتھ سے مریم کی طرف اشارہ کیا۔
"آپ کیا بولے جا رہی ہیں؟ میرے ہی گھر میں کھڑی ہو کر میری بیٹی پر الزام لگا رہی ہیں؟" حمیدہ ہوش میں آ کر غصے سے بولیں۔
"میں نہیں لگا رہی۔ اس کے عاشق کا فون آیا تھا کہ اگر لڑکی راضی نہیں۔ تو کیوں زبردستی لے جا رہی ہوں۔ اس نے صاف کہا ہے کہ یہ لڑکی اس سے پیار کرتی ہے۔ زبردستی ہوئی تو گھر سے بھاگ جائے گی۔"
حمیدہ دل پر ہاتھ رکھے کرسی پر ڈھے گئیں۔
مریم خود بھی حق دق رہ گئی تھی۔
خاتون اچھی طرح برس کے اور انگوٹھی منہ پر مار کر چلی گئیں۔
مریم نے نظریں اٹھا کر ماں کو دیکھا۔ اس کا خیال تھا' وہ چپل لے کر اس پر ٹوٹ پڑیں گی' مگر وہ اپنی جگہ ساکت و صامت بیٹھی تھیں۔



فضا میں ڈھلتی سہ پہر کی اداسی تھی آم کے درخت پر پتوں میں چھپی کوئل دھیرے دھیرے کوک رہی تھی۔ عریشہ نے پورے لان پر بے توجہی سے نگاہ دوڑائی۔ وہ کب سے بیرونی کوریڈور میں کرسی پر بیٹھی تھی۔ ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا تھا' مگر کسی ایک نقطے پر جمتا نہ تھا۔ نبیلہ اسے دو تین بار کہہ کر گئی تھیں۔ مگر وہ وہاں سے اٹھنے پر آمادہ نہ تھی۔ آخر تھک کر اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اندر چلی گئیں۔ ابرار نے اسے گیٹ سے ہی دیکھ لیا تھا' مگر اس کے برآمدے میں قدم رکھنے تک عریشہ متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہولے سے کھنکارا۔
"السلام علیکم!" عریشہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ کچھ لمحے غائب دماغی سے دیکھنے کے بعد سر جھکا لیا۔
"طبیعت کیسی ہے؟" ابرار نے نرمی سے پوچھا۔
"اچھی ہے۔" آواز اتنی مدھم تھی کہ ابرار کو صرف اندازہ ہوا کہ جواب آیا ہے۔
"یونیورسٹی کب سے جا رہی ہیں؟"
"یونیورسٹی؟" وہ ٹکر ٹکر ابرار کی شکل دیکھنے لگی۔
"نہیں جا رہیں؟" ابرار کو اندازہ ہوا۔
"کیا کروں گی جا کر؟" عریشہ کے لہجے میں تلخی سمٹ آئی۔
"نہ جا کر کیا کریں گی؟" وہ مسکرایا۔ عریشہ کو اس کی مسکراہٹ زہر لگی۔
"آپ کا فائنل ایر ہے۔"
"کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔ مجھے اب کس کے لیے پڑھنا ہے۔ کون ہے جو میری کامیابیوں کا منتظر ہو گا؟" وہ بے زاری سے بولی۔ "زندگی تو یوں بھی گزر ہی جائے گی۔"
"ٹھیک کہا آپ نے' زندگی تو یوں بھی گزر جائے گی۔" اس نے فوراً اتفاق کیا۔ "لوگ تو خوامخواہ اتنی اسٹرگل میں لگے ہیں۔ حالانکہ زندگی تو ایک کرسی پر بیٹھ کر بھی گزر جائے گی۔"

"تم...." عریشہ نے جھنجلا کر کچھ کہنا چاہا۔ ابرار نے سنجیدگی سے بات قطع کی۔
"عریشہ بی بی! زندگی کی علامت آبِ رواں ہے..... ایک جگہ ٹھہرا متعفن گدلا پانی نہیں۔ لوگ بھی آبِ رواں کی روانی دیکھتے ہیں۔ ٹھہرے پانیوں کا تعفن سونگھنے نہیں بیٹھ جاتے۔ اب آپ کو طے کرنا ہے کہ آپ خود کو کس مقام پر رکھتی ہیں۔"
عریشہ کچھ لمحے بول ہی نہیں سکی۔ وہ اس کے سامنے پڑی کرسی کی پشت پر دونوں ہاتھ جما کر جھکا۔
"ابھی تک ثوبان کو بھولی نہیں؟"
ایک غیر متوقع سوال۔ عریشہ تڑپ کر رہ گئی۔
"میں اسے اپنی نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتی۔"
"ویری گڈ....." اس نے کرسی پر ہاتھ مارا۔
"تو پھر یوں جوگ لے کر اس کی تسکین کا سامان کیوں بنا رہی ہو؟ اس نے تمہیں چھٹ کیا.... تمہاری محبت کا مذاق بنایا۔ گھر والوں نے تمہارے کردار پر کیچڑ اچھالا اور تم منہ چھپا کر بیٹھ گئیں۔ کم آن عریشہ! بریو بنو۔ ثابت کرد کہ تم اتنی کمزور نہیں ہو کہ لوگ یوں تمہیں رگید کر گزر جائیں۔ اس خود ترسی سے نکلو.... خود کو اس مقام تک لے جاؤ کہ یہ لوگ تمہیں کھونے پر کفِ افسوس ملیں۔ اس طرح ہار کر بیٹھ جانے سے کچھ نہیں ہونے والا.... سوائے اس کے کہ لوگ تم پر ہنسیں گے، تمہاری کمزوریوں کو اچھالیں گے.... اور عریشہ! تم کمزور نہیں ہو۔" وہ مدھم لہجے میں سمجھاتا چلا گیا۔
عریشہ نے کچھ کہنا چاہا مگر لفظ لبوں پر جیسے منجمد ہو گئے۔
"سوری! میں شاید کچھ زیادہ بول گیا.... لیکن میری باتوں پر غور ضرور کرنا.... میں خالہ سے مل لوں۔" وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔
عریشہ نے دھندلائی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا۔
"کیا واقعی کچھ لوگوں کے چند لفظوں میں اتنی تاثیر ہوتی ہے کہ وہ حوصلہ ہارے لوگوں کو پھر سے کھڑا کر دیں۔"
عریشہ کو واقعی لگا کہ وہ اسے دھیرے سے کھڑا کر گیا ہے۔



ثوبان نے اپنے سامنے بیٹھی سنیعہ کو پرشوق نگاہوں سے دیکھا۔ وہ پہلے سے زیادہ خوب صورت اور چارمنگ ہو گئی تھی۔ ریسٹورنٹ کی نیم تاریک فضا میں وہ ہیرے کی طرح دمک رہی تھی۔
"اور سناؤ! کیا ہو تا رہا؟" سنیعہ نے بے حد نزاکت سے اپنے لب ٹشو سے صاف کیے۔
"وہی روٹین ورک....." ثوبان نے جوس کا گھونٹ بھرا۔
"شادی کر لی....؟ وہ تمہاری کزن.... کیا نام تھا؟"
"عریشہ....." ثوبان نے مدھم لہجے میں بتایا۔
"ہاں! عریشہ.... کیسی ہے؟ اب تو بچے وچے بن گئی ہو گی...."
"پتا نہیں....." ثوبان نے بے زاری سے جواب دیا۔
"کیا مطلب' پتا نہیں؟ وہ تم لوگوں کے ساتھ ہی تو رہتی تھی۔" سنیعہ نے حیرت سے پوچھا۔
"اب نہیں رہتی۔" ثوبان نے مختصراً کہا۔ وہ جلد از جلد اس موضوع سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔
"کیا مطلب؟" وہ الجھ گئی۔
"سنیعہ، ہم یہاں عریشہ کو ڈسکس کرنے بیٹھے ہیں؟" وہ بے حد اکتاہٹ سے بولا۔

وہ اس سے کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ کیسے اس نے پل پل سنیعہ کے لوٹنے کا انتظار کیا تھا۔۔۔۔ اور یہ کہ وہ اس نیلے ٹاپ اور سفید ٹراؤزر میں کتنی ینگ اور خوب صورت لگ رہی ہے۔۔۔۔ حالانکہ سنیعہ کو خود بھی اس بات کا بخوبی احساس تھا۔

سنیعہ نے بغور ثوبان کو دیکھا اور مسکرا دی۔

"آف کورس! ناٹ۔۔۔۔"

"تم نے اتنا عرصہ کیوں لگا دیا۔۔۔۔ جبکہ گئیں تو صرف دو ماہ کے لیے تھیں۔"

"وہاں سے واپسی کا دل کہاں چاہتا ہے۔ اب بھی سمجھو! یہاں کے کچھ ادھورے کام وائنڈ اپ کرنے آئی ہوں۔" سنیعہ نے مینیو کارڈ اٹھاتے لاپرواہی سے کہا۔

ثوبان نے اسے رشک سے دیکھا۔ وہ جس دن سے پاکستان آئی تھی۔ ثوبان اس سے ملنے کے لیے مسلسل رابطہ کررہا تھا۔ بس سنیعہ کے پاس ہی وقت نہیں تھا۔ آج بھی بڑی مشکلوں سے لنچ کے لیے آمادہ ہوئی تھی۔ ثوبان آج دل لگا کر تیار ہوا تھا۔ خوشی سے قدم زمین پر نہیں ٹھہر رہے تھے۔ آج وہ اپنی زندگی کا بہت اہم فیصلہ کرنے جارہا تھا۔ ایسا فیصلہ جس کے بعد وہ لمحوں میں آسمان چھونے کو تیار تھا۔

"بس اماں! دیکھنا اب تیرے بیٹے کے دن پھرنے والے ہیں۔" اس نے خود پر ڈھیر سارا پرفیوم چھڑکتے ہوئے ماں سے کہا تھا۔ اس کے لہجے میں ایسی سرشاری تھی کہ نعمان بھی ٹھٹک کر رک گیا اور طنز سے کہنے لگا۔

"کیوں تمہاری لاٹری نکلنے والی ہے؟"

"یہی سمجھ لیں۔۔۔۔" ثوبان نے قہقہہ لگایا' پھر مصنوعی حیرت سے نعمان کو دیکھا۔

"مگر بھائی جان! آپ یہاں کھڑے کیا کررہے ہیں؟ جائیں! جاکر عریشہ کی منتیں کریں۔ ورنہ ایسا نہ ہو جس دن میں بیس لاکھ کی گاڑی میں بیٹھوں۔۔۔۔ آپ سڑک پر آجائیں۔" نعمان اس کا گریبان پکڑنے کو تیار تھا مگر حمیدہ بیچ میں آگئیں۔

سنیعہ نے مختصر سا آرڈر دیا۔

"بس۔۔۔؟" ثوبان نے حیرت سے پوچھا۔۔۔۔ ورنہ وہ ہمیشہ خوامخواہ ڈشز منگواتی جاتی خواہ بعد میں چکھنے کی نوبت بھی نہ آئے۔

"ہاں بھئی! تمہاری جیب کا خیال بھی تو کرنا ہے۔۔۔۔ آخر یہ لنچ تمہاری طرف سے ہے۔" وہ ہنسی۔

ثوبان کو ایک ہی پل میں اپنی اوقات یاد آگئی۔ وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔

"تم چینج ہو گئے ہو یا مجھے لگ رہا ہے؟" وہ اب فرصت سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

"نہیں تو' ویسے کا ویسا ہوں۔"

"اب تمہیں شادی کرلینی چاہیے۔۔۔۔ کس بات کا انتظار ہے؟ وہ اپنی انگلی میں پڑی انگوٹھی گھمانے لگی۔

"تمہارا۔۔۔۔" ثوبان نے اس پل کو گزرنے نہیں دیا۔ فوراً" پکڑ لیا۔

سنیعہ اس کے انداز پر ٹھٹکی' پھر لاپروائی سے کندھے اچکا کر بولی۔

"تو جلدی کرو۔ میں تو یہاں صرف ایک ماہ کے لیے ہوں۔ اس کے بعد جاذب کے ساتھ کینیڈا شفٹ ہو جاؤں گی۔"

"جاذب؟" ثوبان نے چونک کر پوچھا۔

"مائی فیانسی۔۔۔۔!" سنیعہ نے اطمینان اور سکون سے اس کے سر پر بم پھوڑا۔

وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔

"ہم نے امریکا میں منگنی کرلی تھی۔"
"لیکن تم نے..... تم نے تو مجھے....." الفاظ حلق میں پھنس گئے۔
"وہ میرا جذباتی پن تھا۔" منیعہ نے ازلی اطمینان سے بات کا آغاز کیا۔ "لیکن وہاں اپنی کزنز سے مل کر احساس ہوا۔ لائف پارٹنر ایسا ہونا چاہیے۔ کہ لوگ آپ پر رشک کریں ناکہ ترس کھائیں۔ انسان کی حیثیت شادی کے بعد کچھ اور بلند ہو..... آپ اپنے اسٹیپ سے کئی اسٹیپ اوپر چلے جائیں..... یہ نہیں کہ خود نیچے اتر نا پڑے..... اور ثوبان! تم بالکل ٹھیک تھے۔ تمہارے لیے وہی لڑکی مناسب ہے..... عریشہ ساری زندگی تم سے محبت بھی کرے گی اور خدمت بھی....." اس نے شرارتی انداز میں لفظ خدمت ادا کیا۔ "تم دونوں ایک جیسے ہو۔ تمہارا اسٹیٹس' لائف اسٹائل میرے ساتھ کبھی میچ نہیں کرپاتے۔ ویسے بھی تم نے انکار کر دیا تھا تو مجھے کہیں تو شادی کرنا ہی تھی۔"
وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے اپنے بال ٹھیک کرنے لگی..... اس کی انگلی میں ڈائمنڈ رنگ دمک رہی تھی۔ لیکن ثوبان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ کچھ لمحوں پہلے وہ آسمان پر تھا اور اب قدموں تلے زمین بھی نہ تھی۔
ویٹر کھانا چننے لگا۔
ثوبان نے اپنی بچی کچی ہمت مجتمع کی اور خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔
منیعہ اس کی حرکت کو اپنی توہین سمجھتی اگر ثوبان کی کیفیت سمجھ نہ رہی ہوتی۔
اس نے اطمینان سے نیپکن بچھایا اور کھانا کھانے لگی۔



"مجھے پہلے ہی پتا تھا..... یہ لڑکی کوئی نہ کوئی گل کھلائے گی..... اس کی حرکتیں ہی ایسی تھیں اماں! بس تم نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔" بانو کی پاٹ دار آواز پورے صحن میں گونج رہی تھی۔
"ابھی تک تو کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ پر تو ایسا کر لاؤڈ اسپیکر لے کر پورے محلے میں نشر کر آ..... آہستہ آواز میں بات نہیں کر سکتی؟" حمیدہ نے جل بھن کر کہا۔
"منگنی ٹوٹی ہے۔ خبر تو پھیلے گی۔ ایسی باتیں چھپی تھوڑی رہتی ہیں۔ یوں' یوں....." چٹکی بجاتے ہوئے "پھیلتی ہے۔"
لگ ہی نہیں رہا تھا کہ ان کی بیٹی ان کا دکھ بانٹنے آئی ہے۔ وہ تو کسی کٹنی سی محلے دارنی کی طرح چسکے لے رہی تھی۔ حمیدہ بد مزا ہو گئیں۔
"کیا کروں؟ سمجھ میں نہیں آتا اسے کہاں دفع کروں..... ادھر نعمان کہتا ہے۔ ہفتے کے اندر اندر رخصت کرو۔ ورنہ گلا گھونٹ کر مار دوں گا۔" حمیدہ سچ مچ پریشان تھیں۔
"تو اسی کو بلا لو..... ساتھ میں دفع کرو..... ایویں کیوں پریشان ہوتی ہو اماں..... جب لڑکا لڑکی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔" بانو نے مزے سے مشورہ دیا۔
"نعمان نے اسے نہ دیکھا ہوتا تو بہانے سے بلوا لیتی۔ اب سامنے آیا تو نعمان نے دونوں کے ٹکڑے کر دینے ہیں۔"
"ہے کہاں؟" بانو نے متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔
"دکان پر ہو گا۔"
"مریم کا پوچھ رہی ہوں۔"

"کمرے میں ہی ہوگی۔"
"ویسے ایک بات کہوں۔۔۔" بانو نے رک کر ماں کو دیکھا۔
"تب سے باتیں ہی کیے جارہی ہے۔ آگے بول۔۔۔" حمیدہ بے زار ہوئیں۔
"اکرم کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی۔۔۔" بانو نے اپنے دیور کا نام لیا۔
"نہیں۔" حمیدہ جو ڈھیلی ڈھالی بیٹھی تھیں فوراً "چوکنا ہوئیں۔" اب وہ مان جائے گا؟"
"کیوں نہیں مانے گا۔لالچ ہی ایسا دوں گی۔"
"کیسا لالچ؟ ہمارے پاس کون سی زمین جائیداد ہے، جو مریم کے نام لگادوں گی۔"
"سیدھی سی بات ہے۔ مریم کا رشتہ اب کہیں اور نہیں ہونے والا۔ جنھوں نے منگنی توڑی ہے' وہ چپ نہیں رہیں گے۔ ہر جگہ منگنی ٹوٹنے کی وجہ دو سے ضرب لگا کریں گے۔۔۔ اور ایسی باتیں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں۔بدنامی تو ہوگی۔ ان حالات میں اکرم سے اچھا رشتہ مریم کے لیے نہیں ملے گا۔ بس اتنا کرو کہ نعمان کے لیے میری نند کا رشتہ لے لو۔" حمیدہ حق دق رہ گئیں۔
"تو بڑی چالاک ہے بانو۔۔۔"
"میری نند اتنی بھی بری نہیں۔ ایف اے پاس ہے۔ سلائی کڑھائی میں ماہر ہے اور تجھے کیا چاہیے اماں۔ دونوں ایک گھر میں نمٹ جائیں گے۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔
"لیکن اگر اس کے ہوتے سوتے نے پھر فون کردیا تو۔۔۔؟" حمیدہ متذبذب تھیں۔
"اماں! تو اکرم کو کیا سمجھتی ہے۔ سارا محلّہ اسے اکرم بد۔۔۔" بانو نے "بدمعاش" کہتے کہتے زبان دانتوں تلے دبالی۔ "فون کرنے والے کی پچی موڑ دے گا۔۔۔ میں پہلے ہی اس کے کان میں یہ بات ڈال دوں گی کہ کوئی آوارہ لفنگا ہماری مریم کو تنگ کررہا ہے۔۔۔ اسی لیے تو جلدی جلدی شادی کرنا پڑی۔"
"بانو! تو سچ مچ بڑی چالاک ہے۔" حمیدہ کانوں کان راضی ہوگئی۔
"اماں! آخر تیری بیٹی ہوں۔" بانو نے خود ہی اپنے کندھے پر تھپکی دی۔
"پر اماں! مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی۔ مریم کا اس لڑکے کے ساتھ رابطہ کیسے ہورہا ہے؟"
"لو۔۔۔ رابطہ کیسے ہوگا؟ عزت کے ڈر سے اس کی نوکری چھڑا کر گھر بٹھالیا۔ سارا دن کمرے میں بند رہتی ہے۔"
"نہ اماں! ایسے کام بغیر رابطوں کے نہیں ہوتے۔" بانو نے پرسوچ انداز میں سرہلایا۔ "کوئی نہ کوئی ذریعہ تو ہے۔"
"کیا ذریعہ ہوگا؟ عریشہ ہوتی تو میں سمجھتی اس کے ذریعے رابطہ ہے۔وہ بھی دفع ہوئی۔ ابرار بھی چلا گیا۔۔۔ یہاں نہ کوئی آئے' نہ جائے۔۔۔ میں اور تمہارا باپ سارا دن گھر پر ہی ہوتے ہیں۔"
"اچھا۔۔۔" بانو سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔
"اب تو نے واپس جانا ہے؟" حمیدہ نے پوچھا۔
"نہیں! رات رکوں گی۔"
"بچے ساتھ نہیں آئے۔۔۔؟"
"رہ لیں گے دادی کے پاس۔۔۔ کون سا چھوٹے ہیں۔" بانو نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔
"اچھا۔۔۔ میں ہانڈی چڑھادوں۔"
"ہاں اور اماں! نعمان سے بھی بات کرلینا۔ یہ نہ ہو کہ عین وقت پر مکر جائے۔ یہ روز روز کے تماشے اچھے نہیں۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں کرلوں گی۔"

تب ہی ثوبان اندر آیا۔ اور ان کی طرف دیکھے بغیر سیدھا سیڑھیاں چڑھ گیا۔

"نہ سلام نہ دعا۔۔۔ اس کا بوتھا کیوں سوجا ہوا ہے۔" بانو نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"اللہ جانے! آگیا تو بڑا خوش باش تھا۔" حمیدہ بڑبڑائیں۔



فاطمہ، محسن اور نبیلہ کے سامنے ناشتے کے لوازمات چن رہی تھی۔

"عریشہ کو بھی بلا لیا کرو۔۔۔۔"

"بہت زور دیتی ہوں، مگر وہ آتی ہی نہیں ہے۔۔۔۔ اسی لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔" نبیلہ نے بتایا۔

"میں جب سے واپس آیا ہوں۔۔۔۔ اسے بہت گم صم اور اداس دیکھ رہا ہوں۔ یونیورسٹی بھی نہیں جاتی۔" محسن نے متفکر انداز میں کہا تو فاطمہ نے گھبرا کر نبیلہ کو دیکھا۔

"کبھی کبھی ڈپریشن میں آجاتی ہے۔۔۔۔ تو یوں ہی ہر چیز سے کٹ جاتی ہے۔" انہوں نے نارمل انداز میں بتایا۔

"یہ تو اچھی بات نہیں۔۔۔۔ اسے کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھائیں۔"

"دھیرے دھیرے ٹھیک ہو جائے گی۔ اسے تھوڑا وقت دو۔ سنبھل جائے گی۔"

"بہت برا سلوک کیا ہے، ماموں لوگوں نے عریشہ کے ساتھ۔۔۔۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے۔" اس کے دبے دبے لہجے میں شدید غصہ تھا۔

فاطمہ نے سر جھکا لیا۔

"بس! جو ہو گیا۔ اسے بار بار دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔" نبیلہ نے ہاتھ اٹھا کر محسن کو مزید کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔

"جی! آپ کے تو بھائی بھاوج ہیں۔ آپ کیوں کہنے دیں گی۔"

"جو غلط ہے، وہ غلط ہے، لیکن ناشتے کے وقت اس ٹاپک کو چھیڑنا ضروری ہے؟"

نبیلہ کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری در آئی، جسے محسوس کر کے محسن چپ کر گیا۔

"فاطمہ! ڈھنگ سے ناشتا کرو۔"

نبیلہ کے کہنے پر محسن نے چونک کر فاطمہ کو دیکھا۔ وہ اب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی تھی۔ اسے بھی احساس ہوا کہ اسے احتیاط سے کام لینا چاہیے۔۔۔۔ آخر اس سب میں فاطمہ کا کیا قصور۔

"بس! عریشہ پر بہت ترس آتا ہے۔۔۔۔ اتنی سی عمر میں اتنے سارے دکھ دیکھ لیے، اس لیے کبھی کبھار جذباتی ہو جاتا ہوں۔" یہ معذرت خواہانہ انداز یقیناً فاطمہ کے لیے تھا۔

فاطمہ نے ہلکی سی نظر اٹھا کر محسن کو دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔ لیکن دروازے میں کھڑی عریشہ ابھی محسن کے جملے پر اٹکی تھی۔

"تو کیا واقعی وہ اب اسی قابل ہے کہ لوگ اس پر ترس کھائیں؟"

وہ خاموشی سے پلٹ گئی۔

"لیں! نعمان بھی آگیا۔۔۔۔ اماں! اس سے بات کرلو تو میں آج ہی گھر بات کرلیتی ہوں۔" بیرونی دروازے سے اندر آتے نعمان کو دیکھ کر بانو نے سرگوشی میں کہا۔

"کیسی ہو آپا۔۔۔۔" نعمان قریب آگیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"
"اماں! فون کر دیتیں۔ میں بچوں کے لیے کچھ پھل ول لے آتا۔"
"بچے تو ساتھ آئے نہیں۔ رات ادھر ہی ہے جو مرضی لے آنا۔" حمیدہ نے کہا۔
بانو بہانے سے اٹھ کر مریم کے کمرے میں آ گئی۔ مریم نہانے گئی تھی۔ بانو نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی متجسس طبیعت نے اسے بیٹھنے نہیں دیا۔ تب ہی وہ مریم کی الماری تلپٹ کرنے لگی۔ ایک ایک کپڑا جھاڑ جھاڑ کے دیکھا ..... پھر نیچے بیٹھ کر جوتوں والا خانہ بھی کھول لیا اور جوتے کے ڈبے میں اسے گوہر مقصود مل گیا۔
"یہ کوئی بات ہے کرنے والی۔" نعمان جھنجلا گیا۔
"میں نے تجھے ساری بات کھول کر بتا دی ہے..... آگے اپنی مرضی دیکھ لے..... میرا تجھ پر کوئی زور نہیں، پر کیا کروں؟ پیٹ کی جنی ہے..... آخر کدھر دھکا دوں۔"
"اور مجھے قربانی کا بکرا بنا دیں.....؟" وہ تلخی سے گویا ہوا۔
"میں نے کہا نا..... جو بات تھی، تجھے بتا دی..... آگے تو مختار ہے۔" حمیدہ اولاد کے ہاتھوں بے بس ہو چکی تھیں

"کیا تھا اماں! جو تو میری شادی عائشہ سے ہو جانے دیتی۔" دل میں تیر کی طرح گڑا شکوہ زبان پر آ ہی گیا۔ حمیدہ بری طرح چونکیں۔
"میں..... میں نے کیا کیا ہے؟"
"تمہیں اچھی طرح پتا ہے اماں! ساری زندگی تو نے ہر اچھی چیز ثوبان کو دی اور میں نے خوشی خوشی دے بھی دی ..... بس! ایک میرے دل کی خوشی مجھے دے دیتیں..... میں ساری زندگی احسان مند رہتا۔" وہ افسوس اور تلخی سے کہتا چلا گیا۔
"میں نے کچھ نہیں کیا..... پھر تو نے کون سا مجھے بتایا تھا کہ تو اس استانی سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ خود ہی تو عریشہ کے پیچھے پڑ گیا تھا۔" حمیدہ بوکھلائیں۔
"ٹھیک کہا، ساری غلطی تو میری ہی تھی۔ بہرحال..... " وہ کھڑا ہوا۔ "یہ بے جوڑ شادی نہیں ہو سکتی۔"
"لیکن مریم....."
"جہنم میں جائے مریم۔ میں نے اس سارے خاندان کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ سارے مسئلے میں نے ہی حل کرنے ہیں؟ وہ نواب کا بچہ بھی تو ہے..... اس کی کرو۔" وہ بھڑک اٹھا۔ تب ہی اندر شور سا ہوا۔
مریم نہا کر تولیے سے بال رگڑتی غسل خانے سے نکلی تو بانو کے ہاتھ میں موبائل دیکھ کر بوکھلا کر لپکی۔
"آپا! یہ....."
"اچھا..... تو اس یہ سارے صلاح مشورے ہوتے ہیں۔" بانو نے موبائل لہرایا۔
"آپا! یہ مجھے واپس کر دیں۔" اس نے لپک کر پکڑنا چاہا۔ بانو نے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا۔
"تو تو کچھ زیادہ ہی بے حیا ہو گئی ہے..... تیرے جیسی بے شرم لڑکی تو ہمارے پورے خاندان میں نہیں..... کھے ڈال رہی ہے بوڑھے ماں باپ کے سروں پر۔" وہ زور زور سے بولنے لگی۔ مریم کو ڈر تھا، آوازیں باہر گئیں تو نعمان اندر آ جائے گا۔
"آپا! یہ مجھے دے دیں..... اس کے بعد بات کریں گے۔" وہ موبائل چھیننے کی کوشش کرنے لگی۔
"کیوں؟ اب اس کے ساتھ گھر سے بھاگنے کے منصوبے بنانے ہیں؟ بے غیرت! ڈوب کے مر جا۔"
وہی ہوا۔ بانو کی چیخ و پکار پر نعمان اور حمیدہ اندر آ گئے۔

"کیا آفت آگئی ہے۔۔۔۔؟اس گھر میں کوئی بات سکون کے ساتھ نہیں ہو سکتی؟"نعمان چلایا۔
"نعمان! یہ دیکھ اس کمینی کے کرتوت۔ اس موبائل پر رابطے رکھے ہوئے ہیں اور میری بھولی ماں کہتی ہے' رابطہ کیسے ہو سکتا ہے۔"
بانو نے لپک کر موبائل نعمان کو تھمایا۔
مریم اپنی جگہ بت بن گئی۔
نعمان نے پہلے موبائل کو پھر مریم کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا۔
دوسرے لمحے موبائل پوری قوت سے مریم کے سر کے عین پاس دیوار سے ٹکرایا۔
مریم نے آنکھیں پورے زور سے میچ لیں۔
اسے پورا یقین تھا یہ موبائل اس کے سر پر لگے گا۔
موبائل کے ٹکڑے مریم کے آس پاس بکھر گئے۔
نعمان لپک کر اس کا گلا دبانے کو تھا مگر حمیدہ اور بانو نے اسے جکڑ لیا۔
"ماردوں گا اسے۔ زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"
"اسے مار کے اپنی زندگی کیوں تباہ کرتے ہو۔۔۔۔ یہ تو بے غیرت اور بے شرم ہو گئی ہے۔۔۔۔ اس بے حیا کے لیے جیل کی ہوا کھاؤ گے؟" بانو نے اس کا بازو پوری قوت سے دبوچ رکھا تھا۔
"تو کیا زندہ چھوڑ دوں کہ یہ گلیوں میں اپنے عاشق کے ساتھ ہماری عزت رولتی رہے؟"
"نکاح پڑھوا کے دفع کر۔ اس کا یہی علاج ہے۔۔۔۔"
نعمان رک کر کچھ لمحے تھرتھر کانپتی مریم کو خوں خوار نظروں سے دیکھتا رہا۔
"ٹھیک ہے! جمعے کو اس کا نکاح ہے۔۔۔۔ بس دو چار بندے آجائیں۔ مجھے تم لوگوں کی ہر شرط منظور ہے۔"
وہ بانو سے بازو چھڑا کر باہر نکل گیا۔
مریم جہاں کھڑی تھی' وہیں بیٹھ گئی۔ اس کا پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔
"بس! ہو گئے ارمان پورے۔۔۔۔" بانو نے کھا جانے والی نظروں سے مریم کو دیکھا۔ "تجھ جیسی لڑکیاں پیدا ہی اس لیے ہوتی ہیں کہ ماں باپ کے سروں پر کھیہ ڈال سکیں۔۔۔۔ اماں! ہم بھی تو تھے ان ہی گلی محلوں میں کھیل کود کر جوان ہوئے۔۔۔۔ عشق عاشقی کے یہ کھیل ہمیں تو نہ سوجھے۔ یہ نرالی پیدا ہوئی تھی۔" بانو بھی گرج برس کر چلی گئی۔
مریم نے دھندلائی آنکھوں سے ماں کو دیکھا۔۔۔۔ اور بھاگ کر حمیدہ کے پیر پکڑ لیے۔
"اماں! میں مر جاؤں گی۔۔۔۔ ایسا مت کرو۔۔۔۔ میں فہد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔"
"زندہ تو تو ویسے بھی نہیں بچے گی مریم۔" حمیدہ نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ "عافیت اسی میں ہے کہ خاموشی سے نعمان کی بات مان لے۔"
مریم نے ان کے پیر چھوڑ دیے۔
"کتنے عجیب لوگ ہو۔۔۔۔ عریشہ کو اس کی محبت دلانے کے لیے خود اسی کے منہ سے انکار کہلوا دیا۔ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ثوبان کے کمرے میں جاتی تھی۔ تم لوگوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے اپنی ساری رقم ثوبان پر لٹا دی۔ تم لوگ خوش ہو کر تالیاں بجاتے رہے۔ صرف اس لیے کہ وہ یہ سب آپ کے بیٹے کے لیے کر رہی تھی اور عریشہ آپ کی نہیں' عادلہ کی بیٹی تھی۔۔۔۔ اسی لیے سب نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔۔۔۔ اور میں یہ سب کسی اور کے لیے کر رہی ہوں تو قابل سزا ہوں؟ کتنا دوغلا پن ہے آپ لوگوں میں۔۔۔۔"
"تو واقعی پاگل ہو گئی ہے۔" حمیدہ کو یہ سچی باتیں ہضم نہیں ہوئی تھیں۔ تب ہی غصے میں بکتی جھکتی باہر نکل

گئیں۔
"کاش! میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں......"



"کل سے کمرے میں بند ہے۔ باہر ہی نہیں نکلا..... پتا نہیں کیا ہوا ہے۔ گیا تو بڑا خوش تھا۔ دفتر بھی نہیں گیا۔"
حمیدہ ابھی مریم کی فکر سے نکلی نہیں تھیں کہ ثوبان کی فکر لاحق ہوئی۔
"میرے سر پر کھڑی ہو کر ٹر ٹر نہ کر! جس کا جو دل چاہتا ہے کرے۔ میں نہ پہلے کسی کھاتے میں تھا نہ اب ہوں۔"
برکت حسین نے بے زاری سے لتاڑا تو وہ دل مسوس کر اٹھ گئیں..... گھر میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جس سے وہ دل کا حال کہہ سکتیں۔ فاطمہ نے بھی آنا چھوڑ رکھا تھا۔
بھاری بھر کم وجود کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنا آسان نہ تھا..... مگر وہ ہمت کر کے اوپر تک آ گئیں۔ ثوبان اوندھا لیٹا تھا۔
"ثوبان! ابھی تک سویا ہے؟"
ثوبان کروٹ بدل کر سیدھا ہوا تو دل دھک سے رہ گیا۔ اس کی سرخ آنکھیں رت جگوں کی آماجگاہ تھیں۔ بکھرے بال، بڑھی شیو، اس نے آسمان چھونے کی خواہش میں زمین سے پاؤں بھی اٹھا لیے تھے۔ منہ کے بل تو گرنا ہی تھا۔
"یہ تجھے کیا ہوا ہے..... بخار ہے؟"
"نہیں! ٹھیک ہوں۔ آپ اوپر کیوں آئی ہیں؟" ثوبان کے لہجے میں حد درجہ بے زاری تھی۔
"تجھے ہی دیکھنے آئی تھی..... ورنہ مجھ سے کہاں سیڑھیاں چڑھی جاتی ہیں۔ کل سے نیچے ہی نہیں اترا..... نہ کھانا، نہ ناشتا....."
"مر تو نہیں گیا تھا..... آ ہی جاتا نیچے۔"
"اللہ نہ کرے، کیسی عجیب بات کر رہا ہے۔" حمیدہ نے دہل کر کلیجے پر ہاتھ رکھا۔
"اماں! جاؤ نیچے۔ میرا دماغ نہ کھاؤ۔"
"تو تو بڑا خوشی خوشی گیا تھا اس لڑکی سے بات کرنے..... کیا ہوا؟" حمیدہ بھی کہاں ہمت ہارنے والی تھیں، جب تک بات کی تہہ تک نہ پہنچ جاتیں۔
"کیا ہونا تھا۔ اس منحوس گھر میں پہلے کچھ سیدھا ہوا ہے جو اب ہوتا۔" وہ پھٹ پڑا۔ "کیا کیا ہمارے باپ نے ہمارے لیے؟ ساری عمر پلنگ پر بیٹھ کر جلیبیاں کھا کر گزار دی۔ کیا ہے ہمارے پاس؟ یہ دو ٹکے کا گھر..... وہ بھی وہاں، جہاں اس کی گاڑی بھی نہیں آ سکتی..... کیسے ہاں کر دیتی وہ..... ہماری تو ساری زندگی سسک سسک کر گزر گئی اور آگے بھی اسی طرح گزرے گی..... کیڑے مکوڑے ہیں ہم..... کیڑے مکوڑوں جیسی زندگی۔"
"کبھی رب کا شکر بھی ادا کر لیا کر۔" حسب فطرت حمیدہ کو تاؤ آ گیا۔
"سکھایا تھا؟" وہ مڑ کر ماں کو لال لال آنکھوں سے گھورنے لگا۔ "کبھی سکھایا تھا ہمیں شکر کرنا..... ؟ میں نے تو ساری زندگی اس گھر میں ہر کسی کو روتے ہی دیکھا۔ پیٹ بھرا ہوتا تھا، تب بھی وہی واویلا کہ ہائے! ہم تو بھوکے مر گئے۔"
"اس لڑکی نے نہ کر دی تو تپ ہم پر کیوں نکال رہا ہے۔ تجھے پڑھایا لکھایا..... نعمان کے منہ میں نوالہ ڈالنے سے پہلے تیرے منہ میں ڈالا۔ اچھی سے اچھی چیز تیرے لیے رکھی..... اب یہ صلہ دے گا ہمیں؟"

حمیدہ کو سچ مچ صدمہ ہوا۔ اپنی ساری اولادوں میں سے وہی سب سے پیارا تھا..... اس کی خاطر ساری اولاد سے نا انصافی کر جاتیں۔ آج وہی طعنے دے رہا تھا۔
"تو کیا نرالا کر دیا..... سارے ماں باپ کرتے ہیں۔"
اب کچھ بھی کہنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ کھڑی ہو گئیں۔
"ٹھیک کیا..... سارے ہی کرتے ہیں۔ پر ساری اولادیں وہ نہیں کرتیں جو ہماری اولاد کر رہی ہے۔"
"اپنا بویا ہی سامنے آتا ہے اماں!" وہ بڑبڑایا۔
"پڑا رہ اپنے حجرے میں..... پڑا رہ..... پر کسی لڑکی کے پیچھے زندگی نہیں برباد ہوتی..... تیری نوکری ہے اور....."
"وہ نوکری بھی تو اسی کی دین تھی۔ چھوڑ آیا ہوں۔"
"تو نے نوکری بھی چھوڑ دی....." حمیدہ کو تو چکر ہی آ گئے۔
"ہاں....." اس نے باتھ روم میں جا کر دروازہ دھاڑ سے بند کر دیا۔
حمیدہ بے دم سی ہو کر وہیں بیٹھ گئیں۔
"یا اللہ! یہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے؟"



مریم نے کھڑکی کا ذرا سا پٹ کھول کر جھانکا۔
نعمان نہانے کی تیاری میں تھا۔ اس نے اپنا کرتا اتار کر تار پر ڈالا اور تولیہ اتار کر باتھ روم میں گھس گیا۔ مریم کا دل زور سے دھڑکا۔ اس کے پاس یہی پانچ دس منٹ تھے۔ وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر آئی۔ باورچی خانہ سے مصالحہ بھوننے کی خوشبو آ رہی تھی۔ وہ دبے پاؤں تار تک آئی۔ نعمان کا کرتا اٹھا کر اس کی جیبیں ٹٹولنے لگی۔ اس کے ہاتھ ہی نہیں، پورا وجود کانپ رہا تھا۔
کوئی بھی آ جاتا تو یہ آخری رستہ بھی بند ہو جاتا تھا۔
تب ہی گوہر مقصود ہاتھ آ لگا۔
اس نے کرتا تار پر پھینکا اور تیزی سے کمرے میں آ گھسی۔
کانپتے لرزتے ہاتھوں سے نعمان کے سیل پر فہد کا نمبر ملایا۔
یہ نمبر تو اس کی روح پر لکھا تھا۔
دوسری بیل پر کال ریسیو کر لی گئی۔
"ہیلو....."
"فہد..... میں مریم بات کر رہی ہوں۔" وہ تیزی سے مگر سرگوشی میں بولی۔
"مریم! کہاں غائب ہو؟ تمہارا نمبر کیوں بند ہے؟"
"میرا موبائل ان لوگوں نے توڑ دیا ہے۔"
"تو گھر والوں کو پتا چل گیا کہ ہم....."
"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے فہد! گھر والوں نے میری شادی طے کر دی ہے جمعہ کو نکاح ہے۔"
"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"
"پلیز کچھ کر لو..... میرے پاس تم سے رابطے کا یہی آخری موقع ہے۔" وہ رو پڑی۔
"تو ٹھیک ہے! تم کسی طرح گھر سے نکل آؤ..... آگے میں سنبھال لوں گا..... اگر گھر والے سیدھے طریقے سے ری بات نہیں مانتے تو یہی سہی۔ اب ہمیں یہ قدم اٹھانا ہی ہو گا۔"

"میں تیار ہوں۔" مریم کے پاس سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔
"تو پھر پرسوں شام کو چار بجے کسی بھی طرح نکل آنا۔ میں تمہیں اس پارک میں اسی جگہ ملوں گا۔"
"ٹھیک ہے! اب بند کرتی ہوں۔ کسی کو پتا نہ چل جائے۔"
"آئی لو یو۔"
مریم کے پاس جواب دینے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے فون تیزی سے بند کر کے نمبر ڈیلیٹ کر دیا۔ موبائل واپس کرتے میں ڈال کر واپس آ کر پلنگ پر گر گئی۔
اسے لگا' وہ بہت لمبا سفر طے کر چکی ہے۔ حالانکہ اسے ابھی بہت لمبا سفر طے کرنا تھا۔



عریشہ کاریڈور میں کھڑی برستے مینہ میں بھیگتے سبز زیتون ڈھونڈ رہی تھی۔ بارش اتنی شدید تھی کہ پانی کی چادر لان کا سارا منظر چھپا لیتی۔ عقب میں ہلکی ہلکی باتوں کی آواز کے ساتھ برتنوں کی کھنکھناہٹ بھی شامل ہو گئی۔ گویا فاطمہ سب کے لیے چائے لے آئی تھی۔
"تو تمہارا طویل سفر تمام ہونے کو ہے...." نبیلہ نے پوچھا۔
"ان شاء اللہ بہت جلد...." ابرار کی دھیمی آواز اور مضبوط لہجہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا۔
"ماں کو کب لاؤ گے؟" محسن نے دریافت کیا۔
"بہت بے تاب ہوں.... بس پہلے ایک اچھا سا گھر ڈھونڈ کر سیٹ کر لوں۔" اس نے مطمئن انداز میں بتایا۔ پھر فاطمہ سے پوچھنے لگا۔
"آپ ابھی تک یہیں ہیں؟"
"کیا مطلب...." چائے بناتی فاطمہ نے الجھ کر دیکھا۔
"برکت ماموں ملے تھے۔ بتا رہے تھے' جمعے کو مریم کا نکاح ہے۔"
فاطمہ کی نگاہ نبیلہ سے ٹکرائی۔
"ہاں.... بہت سادگی سے کر رہے ہیں.... محسن! کل فاطمہ کو چھوڑ آنا...." نبیلہ نے بات سنبھالی۔
"اور آپ....؟" محسن نے پوچھا۔
"میں عین نکاح کے وقت جاؤں گی۔"
فاطمہ نے مشکور نگاہوں سے نبیلہ کو دیکھا۔ یہ تو وہ بھی جانتی تھی کہ نبیلہ کا یوں جانا محض دنیا کے دکھاوے کے لیے ہے' ورنہ وہ کبھی اس گھر میں قدم بھی نہیں رکھنا چاہتیں۔
"تم اب بھی برکت بھائی سے ملتے ہو؟" نبیلہ نے پوچھا۔
"سر راہ مل جائیں تو رک جاتا ہوں۔ میں نے انصاف خدا پر چھوڑ رکھا ہے۔" ابرار نے مضبوط لہجے میں کہا۔
نبیلہ نے ستائشی نگاہ سے اسے دیکھا۔
"اسی لیے اتنے پرسکون ہو۔"
محسن نے الجھ کر ابرار اور نبیلہ کو دیکھا۔
فاطمہ نے عریشہ کے لیے چائے نکالی تھی۔ ابرار نے بارش کے پس منظر میں کھڑی عریشہ کو دیکھا۔ وہ اتنی گم تھی کہ احساس بھی نہ ہوا۔ بارش اسے بھگو رہی تھی۔
ابرار نے لاشعوری طور پر اس کا کپ اٹھایا اور اس کے قریب چلا آیا۔
فاطمہ نے ٹھٹک کر محسن کو دیکھا۔ محسن نے نبیلہ کو۔

نبیلہ دھیرے سے مسکرا دیں۔
"چائے....."
عریشہ چونک کر مڑی۔ "میں لے لیتی۔"
"کوئی بات نہیں میں لے آیا ہوں۔" اس نے نرم لہجے میں کہا تو عریشہ نے کپ پکڑ لیا.... اس کے ٹھنڈے ہاتھوں کو چائے کی گرمائش سکون دینے لگی۔
"مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی زندگی کی ترجیحات طے کرلی ہیں۔"
"پتا نہیں! شاید یہ خود کو مصروف رکھنے کا بہانہ ہے۔"
"جو بھی ہے اچھا ہے.... ہمیں زندگی اس لیے نہیں ملی کہ دوسروں کی خاطر ضائع کی جائے یا ماضی کی نداموں کی نذر کردی جائے۔"
"تمہیں وعظ کرنے کا کچھ زیادہ ہی شوق ہے۔" عریشہ کا لہجہ بہت زیادہ تلخ نہیں تھا۔ پھر بھی وہ برا مان گیا۔
"میں ہر کسی کو نصیحتیں نہیں کرتا۔" وہ جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔
عریشہ نے ذرا سا رخ موڑ کر دیکھا.... سب لوگ باتوں میں مصروف تھے اور وہ آسانی سے ان میں شامل ہو گیا تھا۔
وہ خاموشی سے شاخوں میں چھپے سبز زیتون تلاشنے لگی۔



بانو نے حمیدہ کو صاف منع کر دیا تھا کہ "گھر سے نکلنے کی ضرورت نہیں.... مجھے پیسے دے دینا۔ جو کچھ خریدنا ہوا۔ خود ہی خرید لوں گی.... تم بس گھر میں رہ کر اس پر نظر رکھو۔" سو وہ ہمہ وقت گھر میں موجود رہتی.... مریم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان حالات میں وہ گھر سے کیسے نکل پائے گی۔ حمیدہ کو نہانا بھی ہوتا تو چپکے سے دروازے کی چٹخنی باہر سے چڑھا دیتی۔ اس نے اپنے چھوٹے سے بیگ میں دو جوڑے اور چند سو روپے جو اس کے پاس رکھے تھے۔ سنبھال کر رکھ لیے۔ اب اسے ایک ذرا سے موقع کی تلاش تھی۔ گھڑی کی سوئیاں چار پر جا رکیں۔ مریم نے بے چین ہو کر کمرے سے باہر جھانکا.... حمیدہ بہت بے دلی سے ایک دوپٹے پر کرن ٹانک رہی تھیں۔
"اب کیا کروں؟ اماں کو کیسے یہاں سے ہٹاؤں؟" اس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے سوچا۔ اس کا ذہن پھرکی کی طرح گھوم رہا تھا۔ یہی ایک گھنٹہ تھا۔ پھر تو برکت حسین نے بھی مسجد سے واپس آکر بیٹھک سنبھال لینی تھی۔ تب نکلنا بالکل ہی ناممکن تھا۔ تب ہی دماغ میں اک جھماکا ہوا۔
تھوڑی دیر میں اس کی کراہیں کمرے میں گونجنے لگیں۔
"کیا ہوا؟" حمیدہ دروازے میں آکھڑی ہوئیں۔
"اماں! پیٹ میں بہت درد ہے۔" وہ پلنگ پر دہری ہو کر ایک ہاتھ سے پیٹ دبائے کراہ رہی تھی۔
"ایسے کیسے اچانک درد ہونے لگا؟" حمیدہ نے ناگواری سے پوچھا۔
"صبح سے ہی تھا۔"
"آنے دے تیرے باپ کو.... گولی منگوا دیتی ہوں۔"
"مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔"
"نہیں ہو رہا تو نہ ہو۔" وہ بے رخی سے بولیں۔
"اماں! میں مر جاؤں گی۔ مجھے بہت درد ہے۔" مریم رو پڑی۔ حمیدہ کتنی بھی سنگدل ہو، تھی تو ماں۔
"اچھا! تیرے لیے پودینے اور سونف والی چائے بنا دیتی ہوں۔"

"اماں! اس سے کیا ہوگا۔ ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا تو یہ ساتھ والوں کی ثریا سے درد کی گولی ہی لادیں۔"

مریم نے پیٹ میں مکیاں مارتے ہوئے کہا۔۔۔۔ حمیدہ سوچ میں پڑ گئیں۔ ثریا کا گھر کون سا دور تھا۔ یہ درواز
سے دروازہ ملا تھا۔۔۔۔ وہ ایک ہی منٹ میں جا کر واپس بھی آجاتیں۔۔۔۔ یہ سارے محلے کو پتا تھا کہ ثریا کے گھر
معمولی درد و بخار کی دوا موجود ہوتی تھی۔

"اچھا! میں لاتی ہوں۔"

"آپ لے کر آئیں۔۔۔۔ میں باتھ روم میں ہوں۔" وہ کراہتی ہوئی اٹھی اور حمیدہ کی نظروں کے سامنے باتھ ر
میں چلی گئی تو حمیدہ مطمئن ہوتی باہر نکلیں۔

مریم نے صرف باتھ روم کا نل کھولا۔۔۔۔ جیسے ہی بیرونی دروازے پر کھٹکا ہوا۔ وہ لپک کر کمرے میں گئی۔ چ
اوڑھ کر بیگ بغل میں دبائے باہر نکلنے میں اسے صرف چند لمحے لگے تھے۔۔۔۔ حمیدہ کے سلام دعا کے بعد گولی لے
آنے کے عرصے میں وہ گلی عبور کر کے مین سڑک پر پہنچ گئی تھی۔

حمیدہ نے باتھ روم کے بند دروازے کے دوسری طرف گرتے پانی کی آواز سنی۔

"یہ گولی رکھ رہی ہوں۔ نکل کر کھا لینا۔ میں چائے بناتی ہوں۔" حمیدہ نے بلند آواز میں کہا اور گولی رکھ کر
باورچی خانہ میں چلی گئیں۔ ایک کپ چائے بنا کر کمرے میں آئیں تو مریم ابھی تک باتھ روم میں تھی۔ حمیدہ
کپ رکھ کر تھوڑی دیر انتظار کیا۔۔۔۔ پھر تشویش کے ساتھ جا کر دروازہ دھڑدھڑایا۔ دوسری طرف صرف گرتے
کی آواز تھی۔

"میں نے کہا سو گئی ہے یا مر گئی ہے؟"

حمیدہ کے ہاتھ کے زور سے دروازہ کھلتا چلا گیا۔

حمیدہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

خالی باتھ روم میں نل پورا کھلا تھا۔۔۔۔ ٹب بھر کے پانی تواتر سے نیچے بہہ رہا تھا۔

"مریم۔۔۔۔" حمیدہ نے پاگلوں کی طرح اسے پورے گھر میں ڈھونڈا۔۔۔۔ جیسے وہ کوئی چھوٹی سی بچی ہے۔ جو شرار
کر کے پلنگ کے نیچے جا چھپی ہو۔۔۔۔ پلنگ کے نیچے بھی دیکھ لیا۔ اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ گھسٹتے ہوئے
میں دیکھا۔

پوری گلی سنسان تھی۔

حمیدہ کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔

وہ صحن میں کھڑی ہو کر دھاڑیں مار مار رونے لگیں۔

"کیا ہو گیا حمیدہ! تجھے؟ پاگل ہو گئی۔۔۔۔" برکت حسین نے نماز والی ٹوپی اتار کر ہاتھ میں لیتے ہوئے حیرت
گھبراہٹ سے پوچھا۔

حمیدہ اپنا سر پیٹنے لگیں۔

"تیرا دماغ ٹھیک ہے؟ کون مر گیا ہے؟"

"مریم مر گئی ہے۔۔۔۔"

"کیا؟" برکت حسین نے نا سمجھی سے حمیدہ کو دیکھا۔

"حمیدہ مر گئی ہے۔۔۔۔ برکت حسین مر گیا ہے۔ ہم سارے مر گئے ہیں۔۔۔۔ برکت حسین! مریم ہم سب کو ما
ہے۔"

برکت حسین کے ہاتھ سے ٹوپی چھوٹ کر نیچے گری۔ انہیں ایک ہی پل میں معاملے کی سنگینی کا احساس ہ

تھا۔ان کی رنگت خطرناک حد تک زرد پڑ گئی۔
پھر وہ پورے قد سے گرے تھے۔حمیدہ کے لبوں سے چیخیں نکل گئیں۔



فہد بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔
عاصم اندر آیا۔وہ اس کا بہترین دوست تھا۔اس کی گاڑی فہد کو استعمال کرنی تھی اور اسی کے گھر میں ایک دو دن ٹھہرنا تھا۔
"یار!تو نے کتنی دیر لگا دی ہے.....وقت دیکھا ہے؟گاڑی لائے ہو؟"فہد خود بھی گھبرایا ہوا تھا سو ایک ہی سانس میں سوال پر سوال کرتا رہا۔
"ہاں!لایا ہوں۔"عاصم صوفے پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گیا۔
"تو بیٹھ کیوں رہا ہے.....ہمارے پاس بالکل ٹائم نہیں ہے۔"
"فہد!میری بات سن۔میں نے بہت غور کیا ہے اور مجھے لگتا ہے کہ تم دونوں یہ ٹھیک نہیں کر رہے۔"عاصم نے سنجیدگی سے کہا تو متحیر سا فہد اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
"کیا ٹھیک نہیں کر رہے؟ہم دونوں نے اپنے اپنے گھر والوں کو منانے کی پوری کوشش کی.....مگر وہ نہیں مانے۔ہمارے پاس اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔"
"ٹھیک ہے تم لوگوں نے کوشش کی۔گھر والے نہیں مانے تو سمجھو!وہ تمہارے نصیب میں ہی نہیں تھیں۔مگر اس طرح گھر سے بھاگنا'یہ غلط ہے۔"
فہد کی مٹھی بھینچ گئی۔اس کا دل چاہا'وہ مکا عاصم کے منہ پر دے مارے۔
"اب جبکہ وہ گھر سے نکل گئی ہوگی۔اب تجھے لگ رہا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔تو مجھے پہلے بتاتا'میں کوئی اور بندوبست کر لیتا۔"
"فہد!میں پورے خلوص سے تمہاری مدد کرنے جا رہا تھا۔مگر عین وقت پر میرا حوصلہ پست ہو گیا۔"عاصم نے بے بسی سے کہا۔"ذرا سوچ!اس کے بھائی چپ تو نہیں بیٹھیں گے۔سب سے پہلے میری گاڑی ٹریس ہوگی.....ارے ٹھنڈے دماغ سے غور کرو۔تمہارا گھر ہے'ماں اور بہنیں ہیں۔کل کو پولیس انہیں گھسیٹتے ہوئے لے جائے گی تو کیا کرے گا؟اپنی محبت پانے کے لیے تو اپنی ماں بہنوں کو تھانے کچہری کا منہ دکھائے گا.....؟کل کو تیری بہنوں کی شادیاں ہونی ہیں۔لوگ کیسے ایسے شخص کی بہن سے رشتہ جوڑیں گے جو کسی کی بہن کو بھگا لے گیا ہو؟بات صرف تمہاری زندگیوں کی تو نہیں ہے.....تم دونوں سے وابستہ اور لوگ اور رشتے بھی ہیں فہد۔"
فہد ساکت سا عاصم کا منہ دیکھنے لگا۔
عاصم نے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر ٹکائے۔
"میں نہ تمہارا دشمن ہوں نہ مریم کا۔جوش میں آ کر تمہارا ساتھ دینے کو تیار بھی ہو گیا تھا.....مگر اب احساس ہو رہا ہے کہ میں غلط تھا.....میرا گھر ہے'گھر والے ہیں۔میری جاب ہے.....میں اس سب کو رسک میں نہیں ڈال سکتا۔ایسی باتیں کبھی بھی چھپی نہیں رہتیں۔سامنے آجاتی ہیں۔جوش سے نہیں'ہوش سے کام لے یار۔"
فہد ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھنے لگا۔
"آج تیرے گھر والے اور کل کو تیری اولاد مشکلات کا سامنا کرے گی۔گھر سے بھاگی عورت کی اولاد معاشرے میں بھی سر اٹھا کر نہیں جی سکتی۔"
"میں اس سے محبت کرتا ہوں عاصم!"فہد کا لہجہ بے بس سا تھا۔

"اس محبت کی خاطر دربدر کی ٹھوکریں کھالے گا؟ اپنے گھر والوں کو مصیبت میں ڈال سکے گا۔۔۔؟ تھانے کچہری کے چکر لگالے گا؟ خود کو اچھی طرح جج کرلے۔"

فہد نے سر جھکالیا۔

"وہ وہاں میرا انتظار کررہی ہوگی۔۔۔"

"کچھ دیر انتظار کرے گی۔۔۔ پھر مایوس ہوکر چلی جائے گی۔"

"اور اس کے گھر والے؟" اس نے سر اٹھایا۔

"تھوڑی دیر مار پیٹ اس خواری سے بہتر ہے جو تم دونوں اٹھانے جارہے تھے۔" عاصم نے اطمینان سے کہا۔ وہ گویا گھر سے فیصلہ کرکے نکلا تھا کہ فہد کو اس کے ارادے سے ہر صورت روک کے رہے گا۔

فہد کا وجود بھنور میں پھنسی کشتی کی طرح ہچکولے کھانے لگا۔



مریم نے بے قراری سے پارک کے داخلی راستے کی طرف دیکھا۔

سارے رستے سنسان تھے۔

کل کی بارش کا پانی ابھی بھی ان راستوں پر جمع تھا۔

مریم کے پاس گھڑی نہیں تھی کہ وقت کا اندازہ کرسکتی تھی۔ مگر گہری ہوتی شام اسے تشویش میں مبتلا کررہی تھی۔ اس کے پاس فون بھی نہ تھا کہ فہد کے ساتھ رابطہ کرسکتی۔

"اس وقت گھر میں کیا ہورہا ہوگا؟" اس تصور کے ساتھ ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

موسم خوشگوار تھا مگر اسے پسینے آرہے تھے۔

"اگر وہ نہ آیا تو۔۔۔" اس کے ہاتھ پاؤں سن ہونے لگے۔ ایک بار تو جی میں آئی' واپس پلٹ جائے مگر واپسی کا مطلب تھا فہد سے ہمیشہ ہمیشہ کی جدائی۔

"نہیں! وہ آجائے گا۔ کہیں پھنس گیا ہوگا۔" اس نے پسینے سے بھیگتی ہتھیلیاں کالی چادر سے رگڑتے ہوئے خود کو تسلی دی۔ شام کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔ اس کے اوپر سے پرندوں کی قطاریں گھروں کو لوٹنے لگیں۔ وہ شام ڈھلے گھونسلا چھوڑنے والے پرندے کی طرح متوحش اور ڈری ہوئی تھی۔ تب ہی کوئی آہستگی سے بنچ کے دوسرے کنارے پر آبیٹھا۔

مریم نے چونک کر بڑی آس کے ساتھ گردن گھمائی۔ پھر تیزی سے چادر کھینچ کر پلو لبوں میں دبالیا۔

"آئی ایم سوری مس! لیکن کیا میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں۔۔۔" وہ جو کوئی بھی تھا' بہت شائستہ لب و لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

مریم بغیر جواب دیے تیزی سے کھڑی ہوگئی۔

"میں بہت دیر سے آپ کو یہاں پریشان بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔" وہ بھی کھڑا ہوگیا۔۔۔ ملگجے اندھیرے میں دور بتیاں جلنے لگیں۔ مریم کے قدموں تلے زمین کھسک گئی۔

"فہد نہیں آیا تھا۔۔۔ فہد نے اسے دھوکا دیا تھا۔" بڑھتی ظلمت چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔

وہ ڈولتے قدموں سے پارک کے گیٹ کی طرف بڑھنے لگی۔

"بات سنیں! میں کوئی ایسا ویسا انسان نہیں ہوں۔ دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی یہاں سے جاچکا ہوتا۔ مگر اکیلی لڑکی کو اس طرح سنسان پارک میں چھوڑنا میری غیرت نے گوارہ نہیں کیا۔ مجھے نہیں پتا' آپ کون ہیں۔ مصیبت کی ماری ہیں یا محبت کی مگر میں خلوص نیت سے آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں سسٹر۔۔۔"

مریم ایک جھٹکے سے رکی۔
"آپ کے پاس موبائل ہے....."
"جی ہے.... آپ کو کال کرنی ہے؟"
"ظاہر ہے! اسی لیے مانگ رہی ہوں۔" وہ جھنجھلائی۔
"سوری...." اس نے شرمندہ ہو کر جیب سے موبائل نکال کر دیا۔ مریم فہد کا نمبر ملاتے ہوئے ذرا فاصلے پر جا کھڑی ہوئی۔
اس کا ہاتھ اور دل پتے کی طرح لرز رہا تھا۔
"اگر فہد نے کال ریسیو نہ کی تو...."



فہد کا موبائل بج اٹھا۔ فہد نے سر اٹھا کر دیکھا.... عاصم اس کا موبائل اٹھا رہا تھا۔
"کس کا فون ہے۔"
"پتا نہیں! کوئی نام نہیں، صرف نمبر ہے۔" عاصم نے فون اس کی طرف بڑھایا۔
فہد نے دیکھا وہ کوئی نامعلوم نمبر تھا۔ اس نے کال کاٹ دی۔
مریم کا دل دھک سے رہ گیا۔
کال ریسیو نہیں ہوئی تھی۔ اس کے پیروں تلے سے جان نکل گئی۔ وہ جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی۔
"آپ ٹھیک تو ہیں؟" اجنبی گھبرا کر قریب چلا آیا۔
مریم نے بے دردی سے آنکھوں سے دھندر گڑدی اور کپکپاتی انگلیوں سے میسج لکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر کبھی انگلیاں گڑبڑ کر دیتیں اور کبھی آنکھوں سے بہتا پانی۔
اجنبی نے نرمی سے موبائل اس کے ہاتھ سے لے لیا۔
"کیا لکھوں...."
"کیا لکھوں...." مریم کا ذہن صاف سلیٹ تھا۔
"مریم۔" پھر اس کے لبوں سے نکلا۔ اجنبی چند لمحے منتظر رہا۔ پھر اس نے "مریم" ٹائپ کر کے اسی نمبر پر سینڈ کر دیا۔ جس پر کال کی گئی تھی۔
"ٹوں.... ٹوں۔" اسی نمبر سے میسج تھا۔
"مریم...." فہد ایک دم سے سیدھا ہو بیٹھا۔ "مریم کا میسج ہے۔"
"رہنے دے! مایوس ہو کر بیٹھ جائے گی۔" عاصم نے بے زاری سے کہا۔ مگر فہد نے کال ملالی تھی۔
اجنبی نے بجتا موبائل مریم کی طرف بڑھایا۔ مریم نے جھپٹ کر موبائل کان سے لگایا۔
"فہد.... فہد تم کہاں ہو۔"
"تم کہاں ہو؟"
"میں وہیں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ اندھیرا ہو گیا ہے۔ تم ابھی تک آئے کیوں نہیں؟" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
"مریم! میری بات سنو۔ میرے ساتھ بہت بڑا مسئلہ ہو گیا ہے۔ میں نہیں آپاؤں گا۔ تم.... تم گھر واپس چلی جاؤ۔"

مریم کو لگا زمین و آسمان گھوم گئے ہیں۔

"واپس چلی جاؤں..... ؟میں کیسے واپس چلی جاؤں؟ اندھیرا ہو رہا ہے۔ گھر میں سب کو پتا بھی چل چکا ہو گا۔ میں واپس کیسے جا سکتی ہوں؟ وہ لوگ مجھے جان سے مار دیں گے۔"

"کچھ نہیں ہو گا..... اس وقت گھر سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی نہیں ہے۔ تم بس واپس چلی جاؤ..... میں اس وقت زیادہ بات نہیں کر سکتا۔ موبائل کی بیٹری لو ہو رہی ہے۔"

"فہد! میری بات سنو..... تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو۔ میں تو ساری کشتیاں جلا کر نکلی ہوں۔ واپس کیسے جاؤں؟ میں تو....."

دوسری طرف رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔

مریم نے دیوانہ وار وہ نمبر پریس کیا مگر موبائل آف ہو چکا تھا۔

"بس کریں؟ میرا خیال ہے کہ اس نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔" وہ ایک ہی پل میں "آپ" سے "تم" پر آیا..... گویا اس کی عزت کا گریڈ فی الفور گھٹ گیا تھا..... کیونکہ وہ گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی تھی۔

"چلو! میں تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔"

"کون سا گھر؟ جسے وہ اپنی مرضی اور خوشی سے چھوڑ آئی تھی..... اب وہ گھر جائے بھی تو کس منہ سے..... اور اگر چلی جائے تو وہ لوگ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔"

اسے جھرجھری آ گئی۔

"دیکھو! اندھیرا بڑھ رہا ہے۔ اگر کوئی پولیس والا نکل آیا تو ہم دونوں دھر لیے جائیں گے۔" وہ جھنجلایا۔ پولیس کے نام پر وہ تھرا اٹھی۔

"میں ٹیکسی روکتا ہوں....." وہ مریم کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر تیزی سے بیرونی رستے کی طرف بڑھا..... مریم نے سر اٹھا کر دیکھا..... آسمان تاریک تھا اور لمبے لمبے درخت دیوہیکل صورت اختیار کر رہے تھے..... پرندوں کی آوازیں سو گئی تھیں اور اتنی گہری خاموشی تھی کہ روح کو گھائل کرتی تھی۔

"کیا اس رات کی کبھی سحر ہو گی۔" مریم نے گردن گھما کر دیکھا..... وہ شخص مُڑ مُڑ کر اسے دیکھتے موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا..... مریم کی دم توڑتی حسیات جاگ اٹھیں۔

وہ کون تھا۔

اتنی دل جمعی سے اس کی مدد پر آمادہ کیوں تھا؟

مریم نے اپنی بکھری توانائیوں کو مجتمع کیا اور لڑکھڑاتے قدموں سے دوسرے رستے کی طرف بڑھ گئی..... باہر نکلنے سے پہلے پلٹ کر دیکھا۔

دو سائے اسے دیوانہ وار ڈھونڈ رہے تھے۔

مریم کے ہاتھ سے چھوٹا سا بیگ گر گیا۔ وہ وحشی ہرنی کی طرح دوڑتی چلی گئی۔

سنسان سڑک پر دو سائے بہت دور مگر تیزی سے اس کے پیچھے لپکتے آ رہے تھے۔ یہاں کوئی گھر بھی نہ تھا' جہاں وہ پناہ لے لیتی۔ صرف دو رویہ اونچے لمبے درخت تاریکی اوڑھے بے حسی سے بے بس ہوتی چڑیا اور اس کے تعاقب میں جھپٹتے دو بازوں کو دیکھ رہے تھے۔

دور سے کسی ٹیکسی کی لائٹس جھلملائیں۔

ہمت ہارنے سے ذرا پہلے مریم سڑک کے درمیان آ گئی۔ ٹیکسی کے ٹائر چیختے چلاتے عین اس کے سر پر رکے۔

"کیا مصیبت ہے بی بی تم کو..... یہ ٹیکسی روکنے کا کون سا....."

مریم اس کے جملے کے درمیان ہی پچھلا دروازہ کھول کر اندر گھس گئی۔

"جلدی چلو بھائی..... خدا کے لیے مجھے یہاں سے دور لے جاؤ..... وہ لوگ مجھے پکڑلیں گے۔"
"اس.....! نہ بی بی نہ..... ہم کو پرائے پھڈے میں ٹانگ نہیں اڑانی۔ تم فورا" نیچے اترو..... میں نے اپنی ٹیکسی کو آگ نہیں لگوانی۔" ڈرائیور ڈر گیا۔
"خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔" وہ بلبلائی۔
"لڑکی..... تم مجھ پر رحم کر..... میری ٹیکسی سے اتر جا۔" ڈرائیور نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔
"تمہیں اللہ رسول کا واسطہ! تمہاری بہنوں کی قسم' میری عزت بچالو۔"
ڈرائیور نے تذبذب سے سامنے آتے لوگوں کو دیکھا۔ عقب میں وہ بلک رہی تھی منتیں کررہی تھی۔
مریم کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔
وہ لوگ عین سر پر آگئے تھے۔ وہ ان کی آوازیں سن سکتی تھی۔
"حرامزادی! ہم سب سے بچ کر کہاں جائے گی۔"
ٹیکسی کی دونوں سائیڈوں پر دو عفریت کھڑے تھے۔
مریم نے چیختے ہوئے گھٹنوں میں چہرہ چھپالیا۔
تب ہی رحم اک معجزے کی طرح اس غریب ڈرائیور کے دل پر اترا۔ ٹیکسی ایک جھٹکے سے بڑھی اور گولی کی طرح نکلتی چلی گئی۔
وہ لوگ ٹیکسی پر ہاتھ مارتے رہ گئے۔
"بات سنو لڑکی! ہوش ووش میں ہو؟" ڈرائیور نے مین روڈ پر آکر لب کھولے..... جوابا" وہ اونچی آواز میں رونے لگی۔
"اب سیدھی طرح اپنے گھر کا پتا بتادے..... ورنہ میں یہیں اتار کر چلا جاؤں گا۔" مریم نے اک روانی میں وہی پتا دیا تھا جہاں سے وہ بھاگی تھی۔
چند لمحوں میں احساس ہو گیا تھا..... اس کے لیے اپنے گھر سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی نہیں۔
"شکر ہے! زیادہ دور نہیں جانا پڑے گا۔ آج کا دن ہی خراب ہے۔ صبح سے ایک سواری نہیں ملی اور جو ملی بھی تو ....."
مریم نے کھڑکی کے شیشے پر گال ٹکادیا۔
"کیا ہوگا "گالیاں دیں گے' ماریں پیٹیں گے "گلا دبادیں گے۔"
وہ جن ہولناک لمحوں سے باہر نکلی تھی اس کے بعد اب کچھ بھی ڈرانے والا نہیں تھا۔
گلی سنسان نہیں تھی۔
وہاں روشنی تھی اور لوگ بھی۔
ڈرائیور کو اچھی طرح اندازہ تھا اسے کرایہ نہیں ملے گا..... سو گلی کے موڑ پر اتار کر چلا گیا۔
اپنی گلی دیکھ کر مریم گویا جی اٹھی۔
مگر یہ گھر کے سامنے ہنگامہ سا کیا تھا۔
کالی چادر میں چہرہ چھپائے وہ گھر کے قریب ہوئی۔
گھر کے اندر سے بین کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔
مریم کے حوصلے پست ہونے لگے۔
مگر اب پلٹتی بھی تو کہاں جاتی۔

آگے زندگی تھی یا موت' پیچھے والی ذلت سے بہتر تھی۔
مگر وہ نہیں جانتی تھی' جب بیٹی گھر سے بھاگتی ہے تو ذلت کا تعویذ گھر کے دروازے میں گاڑ جاتی ہے۔ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے صحن کے وسط میں پڑی میت کو دیکھا اور میت کے گرد بیٹھے لوگوں نے اسے۔
پھر ایک طرف سے نعمان جھپٹا' دوسری طرف سے بانو۔
"مار ڈالا ہمارے باپ کو' اب کیا لینے آئی ہے...... وہیں مر کھپ جاتی۔" اسے وجود پر پڑتی ضربات کا احساس نہیں تھا...... وہ سپید چادر کے نیچے چھپے چہرے کو کھوج رہی تھی۔ تب ہی حمیدہ نے چادر ہٹادی۔
"دیکھ لے...... تیری دی ہوئی ذلت سے باپ کا سیاہ پڑتا چہرہ...... تب ہی تو وہ چہرہ ہی چھپا گیا۔ تو نے ہم سب کو مار دیا مریم۔"
عورتوں نے بانو کو مردوں نے نعمان کو کھینچ لیا۔
مریم باپ کے مردہ پیروں میں گر گئی۔



"خدا کے لیے نبیلہ! اسے یہاں سے لے جانا...... یہاں رہی تو نعمان اسے مار مار کر مار ہی دے گا...... جہاں سامنے آتی ہے' وہیں پیٹنا شروع کر دیتا ہے۔" حمیدہ نے نبیلہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔
نبیلہ نے تاسف سے ٹوٹی بکھری حمیدہ کو دیکھا۔
کل تک جس شوہر کو در خور اعتنا نہ جانا' آج اسی کے جانے پر یوں بیٹھی تھیں گویا زندگی میں کچھ بھی باقی نہ رہا ہو...... مریم نے انہیں پوری طرح توڑ کر رکھ دیا تھا۔
"فاطمہ! مریم کی تیاری کردو' ہمارے ساتھ جارہی ہے۔" انہوں نے ایک طویل سانس لے کر فیصلہ سنایا۔
محسن نے ذرا ناگواری سے سب کو دیکھا۔ شاید وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ مگر خاموشی سے باہر نکل گیا۔
مریم نہیں گویا اک بے جان بت تھا جو ان کے ساتھ آیا تھا۔



"یہ کھانا کھالینا......" فاطمہ نے بہت بے زاری سے ٹرے اس کے سامنے رکھی۔
مریم نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر ٹرے کو دیکھا۔
"اور میں تمہاری ملازمہ نہیں ہوں...... جو تین ٹائم کھانا لا کر سامنے رکھوں۔ ہاتھ پاؤں سلامت ہیں اٹھ کے لے لیا کرو۔" کیسا اجنبی اور روکھا سا انداز تھا۔ ان چند گھنٹوں نے اس کی پوری زندگی الٹ کر رکھ دی تھی۔
"فاطمہ آپی......"
"مت کہو مجھے آپی۔" وہ غرائی۔
"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" مریم تنہا کمرے میں بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی۔ عریشہ تک اس کے پاس نہ آتی۔
"نہیں بہت خوش ہوں...... تم نے اتنا بڑا کارنامہ کیا ہے کہ مجھے تو تمہیں پھولوں کے ہار پہنانے چاہئیں۔ پہلے گھر والوں کے کرتوتوں نے مجھے ہر کسی کے سامنے شرمندہ کیے رکھا اور اب تم نے...... تم نے تو مجھے کسی کے سامنے نظر اٹھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا...... تم نے اپنی زندگی تو تباہ کی ہی تھی' میری زندگی بھی اجیرن کر دی ہے...... میرا کیا قصور ہے' میں کس بات کی سزا بھگت رہی ہوں؟ شرم آتی ہے مجھے یہ سوچ کر کہ میں اس گھر میں پیدا ہوئی' جہاں کا ہر بندہ اپنی غرض کا غلام ہے۔ نفرت ہے مجھے تم سب سے...... میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی جس نے میرے باپ کو مار ڈالا۔"

مریم کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ فاطمہ ہسٹریک ہو رہی تھی۔ اس کی بلند ہوتی آواز پر محسن اور نبیلہ آ گئے۔

"فاطمہ آپی...." مریم نے اٹھ کر اسے پکڑنا چاہا۔

"دور رہو مجھ سے ...." فاطمہ نے اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا۔ مریم بیڈ پر گری اور وہیں سسکنے لگی.... محسن فاطمہ کو سنبھال کر باہر چلا گیا۔ نبیلہ نے تاسف سے مریم کو دیکھا۔

"اب رونے کا فائدہ مریم.... گھر سے قدم نکالنے سے پہلے ایک بار تو سوچا ہوتا۔"



"کیا ہو گیا ہے فاطمہ! خود کو سنبھالو۔ اپنی حالت دیکھو.... اس حالت میں اتنی ٹینشن نہ تمہارے لیے ٹھیک ہے نہ بچے کے لیے۔" محسن نے پانی کا گلاس فاطمہ کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے رسان سے سمجھایا۔

"میں کیا کروں محسن! میں جب بھی مریم کو دیکھتی ہوں۔ میری نظروں کے سامنے ابا کی بند آنکھیں آ جاتی ہیں۔"

"لیکن اس طرح کرنے سے وہ واپس تو نہیں آ جائیں گے۔"

"آپ سوچ نہیں سکتے محسن! کہ میں اپنے گھر والوں کی وجہ سے کتنی شرمندہ ہوں۔"

"تم کیوں شرمندہ ہوتی ہو؟"

"کاش! آپ نے مجھ سے شادی نہ کی ہوتی تو ساری ٹینشن سے دور رہتے۔ پہلے گھر والوں کی حرکتوں کی وجہ سے عریشہ اور اب اپنے کرتوتوں کی وجہ سے مریم...."

"ہم تب بھی یہی کر رہے ہوتے فاطمہ!" نبیلہ نے کمرے میں آ کر رسان سے کہا.... محسن نے اٹھ کر ماں کو جگہ دی۔

"کیونکہ وہ کوئی غیر نہیں، میرے بھائی کا گھر ہے.... میں خود کو اس گھر کے مسائل سے دور نہیں رکھ سکتی۔"

"پھپھو! یہ تو آپ کا ظرف ہے.... ورنہ کون اتنا کرتا ہے، خواہ اپنے ہی کیوں نہ ہوں.... وہ بھی اتنی بدنامی اور ذلت...."

"یہ مکافاتِ عمل ہے فاطمہ.... کانٹے بو کر یہ توقع رکھنا کہ پھول کھلیں گے، بے وقوفی ہی ہو گی.... بھابھی نے ہمیشہ دوسروں کے رستے میں کانٹے بچھائے تھے۔ خود لہولہان کیسے نہ ہوتیں۔ لیکن اس سب کے لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے.... کیونکہ تم بہت پیاری بیٹی بھی ہو اور بہو بھی۔" انہوں نے شفقت سے فاطمہ کے سر پر ہاتھ رکھا....

"میں مریم کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ بہت بدنامی ہو گئی ہے۔ اب اس کا کیا بنے گا۔"

نبیلہ ہلکا سا مسکرائیں.... بہن تھی۔ تمام تر ناراضی اور نفرت کے باوجود فکر اپنی جگہ موجود تھی۔

"ان شاء اللہ! کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر بھی زندگی کے سارے دروازے بند نہیں کرتا.... کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی روزن کھلا ہی ہوتا ہے۔ میں اسی لیے مریم کو یہاں لے آئی تھی.... اللہ بہتر کرے گا۔"

"امی! اس سے کہیں، پلیز ٹینشن مت لیا کرے۔" محسن نے کہا۔

"ہاں بالکل.... مجھے اپنا پوتی پوتا بالکل صحت مند چاہیے تمہارے سمیت.... میں ملازمہ سے کہتی ہوں تمہارے لیے فریش جوس نکال دے۔"

وہ کہہ کر چلی گئیں۔

"اب ہو گئی تسلی...." محسن نے شرارت سے کہا تو فاطمہ مسکرا دی۔ اس کے دل میں نبیلہ کی قدر کچھ اور بڑھ

گئی تھی۔ ورنہ کوئی اور ساس ہوتی تو طعنے مار مار کر جان ہی نکال دیتی۔



عریشہ گیٹ سے اندر آئی تو لان میں گم صم بیٹھی مریم پر نظر پڑی۔ وہ ماحول سے بالکل بیگانہ ہو کر بیٹھی تھی۔ عریشہ کو اس میں اپنا آپ دکھائی دیا۔ دونوں نے محبت کے نام پر بہت بری چوٹ کھائی تھی۔

"مریم!" وہ اس کے قریب آ گئی۔ عریشہ کی آواز پر مریم بری طرح چونکی۔

"کیا سوچ رہی ہو....."

"کچھ سوچنے کے لیے بچا ہی کیا ہے..... بس پچھتاوے ہیں۔ جنہیں روز بیٹھ کر گننا شروع کر دیتی ہوں۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوتا..... پچھتاووں کی آگ کبھی نہیں بجھتی..... خواہ اسے دل میں دفن کر دو۔ یہ تب بھی سلگتی رہتی ہے۔"

"ابا زندہ ہوتے تو میں پیر پکڑ کر معافی مانگ لیتی۔" وہ سسکی۔

عریشہ دھک سے رہ گئی۔

یہی تو وہ سوچا کرتی تھی۔ "ماں زندہ ہوتیں تو معافی مانگ لیتی۔"

"اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا عرشی؟ محبت کی اتنی بڑی سزا..... نبھانا نہیں تھا تو مجھے اس مقام تک کیوں لایا.....؟ مجھے کیوں بدنامی کے اندھے کنوئیں میں دھکیل گیا؟ وہ ایک بار میرے سامنے آ جائے میں اس کا گریبان پکڑ کر پوچھوں تو....." وہ بلکنے لگی۔ عریشہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"ان سوالوں کے جواب تو میں بھی ڈھونڈتی ہوں مریم۔ مجھے ملیں تو تمہیں بتاؤں؟" عریشہ کے لب کپکپائے۔

مریم نے دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

دونوں کے چہرے پر ایک ہی دکھ رقم تھا۔

دونوں کی آنکھوں میں ایک سے پچھتاوے تھے۔

عریشہ نے چاہا کہ وہ نہ روئے..... مگر مریم اٹھ کر اس کے گلے لگ گئی۔

ہم پرندے ہیں یہ مقتول ہوائیں پھر بھی
آ کسی روز کسی دکھ پر اکٹھے روئیں



حمیدہ بیٹھک کے پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ وہی پلنگ جو کبھی برکت حسین کے وجود سے آباد ہوتا تھا۔ جن کی گونجدار آواز پورے گھر میں سنائی دیتی..... آج اسی گھر کے در و دیوار میں روح کو چیرنے والی خاموشی سرایت کر گئی تھی۔ وہ جب گھر کے سناٹے سے تنگ آ جاتیں تو یہیں آ کر گھنٹوں بیٹھی رہتیں۔ ثوبان اور نعمان گھر پر ہی نہ ہوتے۔ ثوبان نئی ملازمت کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ نعمان سنا تھا اب دکان پر بھی نہیں بیٹھتا۔ کسی کو فکر ہی نہ تھی کہ گھر میں کوئی راشن ہے یا نہیں ہے۔ حمیدہ کس حال میں ہیں۔ ہر کوئی بس منہ چھپائے پھرتا تھا۔

حمیدہ بیٹھک میں آ کر گلی والی کھڑکی کھول کر سنسان گلی کو تکتی رہتیں۔ کبھی دماغ کی رو بھٹک سی جاتی۔ یوں لگتا ابھی ابھی دن رکی ہے۔ عریشہ اور مریم کالج سے گھر آ گئی ہیں۔ وہ چولہا جلا کر بلاوجہ روٹیاں بنانے لگتیں..... اور انہیں روٹیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بلی کو ڈالتے ہوئے روتی جاتیں۔ کبھی آتے جاتے نمازیوں میں برکت حسین کو کھوجنے لگتیں۔

کبھی یاد آتا ثوبان اوپر بھوکا بیٹھا ہے۔۔۔۔ تو اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ جاتیں۔۔۔۔ اور خالی کمرے میں دھاڑیں مار مار کر روتیں۔

کبھی بغیر سوچے سمجھے اسٹور کا نمبر ملا کر سودے گنوانے لگتیں۔ حالانکہ دوسری طرف کوئی بھی فون نہ اٹھاتا تھا۔

اس دن نعمان اور ثوبان اتفاقاً اکٹھے ہی گھر آ گئے تھے۔

"خدا کے لیے گھر آ جایا کرو۔ نہیں تو میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"نوکری ڈھونڈ رہا ہوں اماں! گھر بیٹھ کر کیا کروں؟" ثوبان نے جوتا اتار کر دور پھینکا۔

"اور اسے تم گھر کہتی ہو اماں! وحشت ہوتی ہے اس کی دیواروں سے۔" نعمان نے منہ پر پانی کے چھپاکے مارتے ہوئے سختی سے کہا۔

"پھر مجھے بھی کہیں چھوڑ آؤ۔۔۔۔ میں یہاں بیٹھ کر کیا کروں۔۔۔۔ یہ اکیلا پن تو مجھے مار ڈالے گا۔"

"اماں! اب یہ ڈرامے بازیاں مت کریں۔ کچھ کھانے کو ہے تو دے دیں۔" ثوبان نے بے زاری سے کہا۔

"گھر میں کوئی راشن نہیں تھا۔۔۔۔ میں کیا پکاتی۔" ثوبان نے نعمان کو دیکھا۔ برسوں سے گھر میں راشن ڈلوانے کی ذمہ داری اسی پر تھی۔

"تو اسٹور پر کیوں نہیں جاتا؟" حمیدہ نے نعمان سے پوچھا۔

"آپ کیوں نہیں جاتیں، محلے میں اپنی سہیلیوں کے پاس؟" نعمان نے تولیہ تار سے کھینچتے ہوئے بے حد طنزیہ لہجے میں کہا۔

حمیدہ چپ کی چپ رہ گئیں۔

"وہ تو ایک بار کالک مل کر گئی ہے۔۔۔۔ لوگ بار بار ملتے ہیں۔۔۔۔ بہانے بہانے سے سوال کرتے ہیں۔۔۔۔ میرا تو دل کرتا ہے آگ لگا دوں ہر چیز کو۔" وہ بھڑکا۔

"تجھے نوکری نہیں ملی ثوبان؟" حمیدہ نے بات ہی بدل دی۔

"نوکری کوئی حلوائی کی دکان پر پڑے لڈو نہیں ہیں، جو میں جا کر اٹھا لوں۔۔۔۔" وہ غصے سے بولا۔

"تو کہا کس نے تھا پہلی نوکری کو لات مار دیا برداشت نہیں ہوا کہ جس کمپنی کا مالک بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔۔۔۔ وہاں ملازم بن کر کام کرے۔۔۔۔"

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" ثوبان سے نعمان کا طنز برداشت نہیں ہوا۔ "نہ تم میرے اور عریشہ کے درمیان آتے نہ یہ سب ہوتا۔ مگر تمہیں تو دکان اور مکان چاہیے تھا۔ لو اب لے لو۔۔۔۔"

"میرے منہ نہ لگنا ورنہ منہ توڑ دوں گا۔" دونوں اپنی اپنی فرسٹریشن ایک دوسرے پر نکالنے لگے۔

حمیدہ نے دونوں کو لڑتے دیکھا اور جا کر بیٹھک میں بیٹھ گئیں۔

"پاگلوں کی طرح لڑ رہے ہیں دونوں۔۔۔۔ سیاپا تو میرا تھا۔۔۔۔ میں نعمان کی شادی اس استانی سے کرا دیتی تو یہ سب نہ ہوتا۔"

✡ ✡ ✡

"تم واپس اسکول جوائن کر لو۔" نبیلہ نے مریم کو مشورہ دیا۔

"میں۔۔۔۔ میں وہاں کیسے جا سکتی ہوں۔" مریم ڈر گئی۔ محلے میں موجود ساتھی ٹیچرز کی بدولت یہ قصہ بہت دور تک پھیل گیا تھا۔

"اب لوگوں کو فیس تو کرنا ہی پڑے گا۔۔۔۔ یوں بیٹھ کر زندگی تو نہیں گزرے گی۔۔۔۔ ایک بار اچھی خاصی ٹھوکر لگ گئی ہے۔ امید ہے عقل آ ہی گئی ہوگی۔" نہ چاہتے ہوئے ان کے لہجے میں تلخی اتر آئی۔

مریم سر جھکا کر لب چبانے لگی۔
"محسن سے کہتی ہوں۔۔۔ کسی اور اسکول میں تمہارے تبادلے کی کوشش کرے۔ جب تک کسی ڈھنگ کی جگہ رشتہ نہیں ہو جاتا۔۔۔ مصروفیت تو ڈھونڈنی ہو گی۔"
مریم نے چونک کر سر اٹھایا۔۔۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ نبیلہ بول اٹھیں۔
"اب یہ مت کہنا کہ تمہیں شادی نہیں کرنی۔ کیونکہ میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔۔۔ بتایا ہے۔"
مریم نے دوبارہ سے سر جھکا لیا۔



"السلام علیکم۔" ابرار کی زوردار آواز پر ناشتے کی میز پر بیٹھے افراد چونک گئے۔
"گویا میں بہت وقت پر آیا ہوں۔ ابھی ناشتا شروع ہوا ہے۔" گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس گھر میں ابرار کی بے تکلفی خاصی بڑھ گئی تھی۔ ایگزامز کے بعد وہ فارغ تھا اور ایک پرائیویٹ کالج میں پڑھا رہا تھا۔
"خالہ! آپ کو پوتے کی بہت بہت مبارک ہو۔۔۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔ نبیلہ مسکرا دیں۔
"تمہیں بھی۔۔۔ آخر! تم ہی تو اس کے چاچو ہو۔"
رات ہی فاطمہ کے ہاں بیٹا ہوا تھا۔ مریم اور حمیدہ ہسپتال میں اس کے پاس تھیں۔ نبیلہ اور عریشہ کو ناشتا لے کر جانا تھا۔
"ہسپتال کون کون جائے گا؟ محسن بھائی نے گاڑی دے کر بھیجا ہے۔" وہ عریشہ پر اک سرسری نگاہ ڈال کر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ عریشہ نے پوری توجہ انڈے کی طرف مبذول کر لی۔
"سب ہی چلیں گے، پہلے تم ناشتا کر لو۔"
"نیکی اور پوچھ پوچھ۔۔۔ اور عریشہ بی بی! اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟"
"ابھی کچھ سوچا نہیں ہے۔" عریشہ نے آہستگی سے کہا۔
"جلدی سوچیں! وقت تو ریت کی طرح ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔" وہ توس پر مکھن لگانے لگا۔
"میں لیکچرر شپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" عریشہ نے تذبذب سے کہا۔
"فائن! تب اتنا نہ سوچیں، عمل کر لیں۔ میری مدد کی ضرورت ہوئی تو حاضر ہوں۔"
"تم کیا نیکی کے فرشتے ہو؟" عریشہ ہنسی۔
"تمہاری ہنسی اتنی بری تو نہیں، پھر مسکرانے میں اتنا تکلف کیوں کرتی ہو۔" ابرار کے اچانک کہنے پر عریشہ نے سٹپٹا کر نبیلہ کو دیکھا۔
وہ انہماک سے چائے پینے لگیں۔
"میں سامان پیک کر لوں۔" عریشہ اٹھ گئی۔
"یہ کیا بے ہودگی تھی؟" عریشہ کے جانے کے بعد نبیلہ نے گھورا۔
"میں نے تو صرف تعریف کی تھی۔" ابرار نے معصومیت سے کہا۔
"پرائی لڑکیوں کی تعریف کرتے شرم نہیں آتی؟" انہوں نے مصنوعی خفگی سے کہا۔
"مجھے تو وہ کبھی بھی پرائی نہیں لگی۔" ابرار کا لہجہ مدھم ہو گیا۔
نبیلہ نے اسے غور سے دیکھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا سلائس پلیٹ میں رکھ دیا۔
"خالہ! آپ سے کیا پردہ؟ شروع ہی سے ہر بات آپ سے شیئر کرتا آ رہا ہوں۔۔۔ جب بھی لائف پارٹنر کے بارے میں سوچا، ایک اسی کا خیال آتا تھا۔" وہ سادہ مزاج تھا۔ سادگی سے اظہار کر گیا۔

عریشہ کچن کے دروازے میں ہی رک گئی۔
"سب کچھ جانتے بوجھتے۔۔؟" نبیلہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"وہ اتنی اہم باتیں نہیں ہیں کہ میں انہیں یاد رکھوں۔" ابرار نے لاپروائی سے کہہ کر سلائس اٹھالیا۔
"اور اگر عریشہ کو اعتراض ہوا؟؟"
"اسے پورا حق حاصل ہے۔۔۔۔ آپ سے اس لیے شیئر کر رہا ہوں کہ زندگی میں جب بھی اس کے بارے میں کچھ سوچیں، مجھے ضرور ذہن میں رکھیں۔۔۔۔ کیونکہ میرا کام کوشش کرنا ہے۔ باقی میں نصیب پر چھوڑ دیا کرتا ہوں۔"
"اسی لیے اتنے مطمئن اور پر سکون رہتے ہو۔"
"جی! اور ذرا دیکھ لیں، محترمہ کچن میں جا کر سو تو نہیں گئیں۔ وہاں ناشتے کے لیے لوگ بے تاب بیٹھے ہوں گے۔"

"دیکھتی ہوں۔" نبیلہ کہہ کر اٹھ گئیں۔ عریشہ مڑ کر سامان بیگ میں رکھنے لگی۔



مریم کو شک سا تھا کہ وہ اسکول میں تبادلہ ہو کر آنے والی سینئر ٹیچر کو جانتی ہے۔ جانتی نہیں تو کم از کم دیکھا ضرور ہے۔ تب ہی بریک ٹائم میں ان کے پاس جا بیٹھی۔
"جب سے آپ سے ملی ہوں اسی الجھن میں ہوں کہ آپ کو کہاں دیکھا ہے؟"
"ہم لوگ پہلے اسی شہر میں رہتے تھے، اس لیے آتے جاتے ملاقات ہو گئی ہو گی۔ ابا ہیڈ ماسٹر تھے۔۔۔۔ ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد آبائی شہر چلے گئے تھے۔"
"تو واپسی کیسے ہوئی؟"
"ابا کی وفات کے بعد رشتے داروں کی آنکھیں ہی بدل گئیں تو سوچا اگر تنہا اور کرائے کے گھر میں ہی رہنا ہے تو اس شہر میں کیوں نہیں۔ جہاں ساری زندگی گزری ہے۔" اس کی آنکھیں اداس اور مسکراہٹ خوب صورت تھی۔
"شادی نہیں کی؟" مریم جب سے اس اسکول میں آئی تھی، اس نے کسی سے بھی دوستی نہیں کی تھی، مگر اس لڑکی میں ایسی کشش تھی کہ وہ بے اختیار کھنچتی چلی گئی۔
"چھوڑو یار۔۔۔۔ اس ملک میں اچھے رشتوں کا خاصا کال ہے۔" اس نے ہنس کر بات ٹال دی۔
"آپ کا نام کیا ہے؟"
"عائشہ۔۔۔۔"
"میں مریم ہوں۔"
"عائشہ بھی تنہا تھی اور مریم بھی۔۔۔۔ دونوں میں چپکے سے اس دوستی کا آغاز ہو گیا، جس نے آگے چل کر زندگی کی بہت سی گرہیں سلجھائی تھیں۔



"کب آئے گا؟" ماسٹر الیاس کی بیٹھک کی پرانی سی دری پر بیٹھی، پرانے ٹی وی پر نظریں جمائے آنکھیں پتھرانے لگی تھیں۔ جمیلہ نے بے تابی سے پہلو بدلا۔
"بس آنے والا ہے۔" ماسٹرنی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تسلی دی۔

"فخر پاکستان میں آج ہم آپ کی ملاقات کرواتے ہیں۔۔۔۔C.A کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے اور
یورسٹی کا بیس سالہ ریکارڈ توڑنے والے نوجوان ابرار علی سے۔۔۔ جن کا تعلق پنجاب کے ایک چھوٹے سے
وں سے ہے مگر انہوں نے ہمت اور حوصلے سے نامساعد حالات کو نہ صرف اپنے حق میں ہموار کیا بلکہ۔۔۔"

مپیئر نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔

جمیلہ پلکیں جھپکنا بھول گئی۔

ابرار علی اسٹیج کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

"اس ویلے آوارہ کو کوئی کم ہے' جو گھر واپسی کی جلدی ہو۔ صبح صبح دو پراٹھے ڈکار کے بستہ لٹکا کر چلتا بنتا ہے۔۔۔۔ تو شہر بھیج کے بے فکر ہو جاتی ہے کہ پتر کالج جا رہا ہے' اب وہاں نہ جانے کیا کیا گل کھلا رہا ہو گا۔"

ابرار علی کمپیئر سے ہاتھ ملا رہا تھا۔

"اتنا مان بھی اچھا نہیں جمیلہ! جب کوئی دھیلا کما کے تیرے ہاتھ پر رکھے گا تب اچھلنا۔۔۔ ابھی تو کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا۔"

ابرار علی کرسی پر بیٹھ رہا ہے۔

"چل! اب دیکھ لیں گے۔۔۔ چاچے کے بغیر کون سا تیر مارے گا۔ چار دن میں دھکے کھا کر واپس نہ آیا تو میرا نام بھی کبریٰ نہیں۔"

"ایسے ہی نوجوان ہمارے ملک کا سرمایہ ہیں' فخر ہیں۔" کمپیئر کہہ رہا تھا۔

جمیلہ دھواں دھار رونے لگی۔

اس کے بیٹے کی مشکلوں کا سفر تمام ہو گیا تھا۔

اس نے اپنی منزل پا لی تھی۔

"میں اس سب کا کریڈٹ اپنی ماں کو دیتا ہوں' جس کی ہمت اور دعاؤں نے راستے میں چراغ جلائے رکھے۔"

ابرار علی کہہ رہا تھا۔

"بلو۔۔۔ میرا بلو۔۔۔" وہ ہنس رہی تھی' رو رہی تھی۔ ماسٹرنی نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"اب تو آنسو پونچھ لے جمیلہ۔ اب تو تیرے اچھے دن آئے ہیں۔" ماسٹر الیاس نے صافے سے آنکھیں صاف کیں۔



"آئی ایم پراؤڈ آف یو۔۔۔" محسن نے ابرار کو بھینچ لیا۔ ابرار کی آنکھیں نم اور سرخ تھیں۔ کل اسے جوائن کرنا تھا۔۔۔

اور اس نے پوری رات ایک پل کے لیے بھی سجدے سے سر نہیں اٹھایا تھا۔۔۔ یہ سجدہ شکر اس پر واجب تھا۔ جس نے مشکلیں دی تھیں۔۔۔ اسی نے ہمت اور حوصلہ بھی دیا تھا۔ ان مشکلوں سے نکلنے کا رستہ بھی سجھایا تھا۔

"یہ سب آپ لوگوں کے تعاون سے ہوا ہے محسن بھائی!" اس نے خلوص دل سے کہا۔

"نہیں! یہ تمہاری اپنی کاوش ہے ابرار۔"

"اب ماں کو بھی لے آؤ بیٹا۔" نبیلہ نے کہا۔

"جی! اس ویک اینڈ پر جا رہا ہوں۔"

"گھر کا ارینج ہو گیا؟" محسن نے پوچھا۔

"جی! ہو گیا۔۔۔"

"لیکن پہلے تم جمیلہ کو لے کر یہاں آؤ گے۔" نبیلہ نے پابندی لگائی۔
"انہیں یہاں تو لانا ہی ہے۔ کیونکہ اصل بات تو وہی کریں گی۔" نبیلہ مسکرا دیں۔ محسن نے الجھ کر ماں کو دیکھا۔
"اچھا خالہ! محسن بھائی! اب میں چلتا ہوں بہت کام رہتے ہیں۔" ابرار خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔
"یہ کیا کہہ رہا تھا۔ کون سی اصل بات؟"
"عریشہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"
"واقعی؟ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔"
"ابرار جیسے لوگ بہت نایاب ہوتے ہیں محسن! ان کی نگاہیں تو آسمان چھوتی ہیں۔ مگر قدم مضبوطی کے ساتھ زمین پر جمے رہتے ہیں۔ انکساری ان کا وصف اور حوصلے ان کا امتیازی نشان ہوتے ہیں۔"
"ٹھیک کہتی ہیں۔ میں نے اسے ہر کامیابی کے بعد پہلے سے زیادہ جھکتے دیکھا ہے۔"
"پھل دار درخت ہمیشہ زمین کی طرف جھکتا ہے۔ شاید خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے۔" نبیلہ نے کہا تھا۔



"اس کی بہت بری حالت ہے کبراں..... دیکھ کے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اس کی حالت نہیں ہے گھر پر کیس کروانے والی۔ آپریشن ہو گا۔ شہر لے جانا پڑے گا۔" گاؤں کی دائی بیٹھی کہہ رہی تھی۔ اصغر اور کبریٰ سر جھکائے بیٹھے تھے۔
"وہ دن سے بڑی تکلیف میں ہے..... کسی بھینس کی طرح ڈکراتی ہے..... جیسے جان نکل رہی ہو۔" کبریٰ نے تڑپ کر اصغر کو دیکھا۔
"تو کیوں چپ کر کے بیٹھا ہے۔ جا! اسے لے کے آ..... ہائے! میری اکو اک دھی..... کن ظالموں کے پلے پڑ گئی۔" وہ سینہ کوٹنے لگی۔ "وہ مر جائے گی۔"
حوصلہ رکھ کبراں....." جمیلہ نے تسلی دینا چاہی۔
"کیسے حوصلہ کروں؟ میری دھی مر رہی ہے جمیلاں۔"
"بھاء اصغر! ایسے کیوں بیٹھا ہے؟ جا کر بات تو کر..... ان کے پاس کوئی روپے پیسے کی کمی ہے۔ شہر کیوں نہیں لے جا رہے..... نہیں لے جا سکتے ناں! ہم لے جاتے ہیں۔"
"میں گئی تاں، مجھے میری بشریٰ سے نہیں ملنے دیا چوہدرین نے..... کچھ کر لے اصغر..... نیں تے بڑا روتا رہیے گا۔"
"دیکھتا ہوں۔" اصغر صافہ اٹھا کر تھکے تھکے انداز میں اٹھ گیا۔
"وڈ ڈھاڈے لوگ ہیں پر دھی تاں ہماری ہے نا۔"
"اللہ بہتر کرے گا..... کبراں! حوصلہ پھڑ۔" جمیلہ نے سب کچھ بھلا کر اسے ساتھ لگا لیا۔



"اوئے اصغر! میری گل سن لے کن کھول کے۔" چوہدری یاسین نے بڑے کروفر سے حقے کی کش لگاتے ہوئے کہا۔ اصغر اس کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا۔
"بیٹیاں اس طرح نہیں بستیں..... دوسرے تیسرے دن کبھی تو آ جاتا ہے کبھی تیری زنانی۔"
"چوہدری صاحب! اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ اسے میرے ساتھ بھیج دو..... میں شہر کے ہسپتال لے جاؤں گا۔"

"تاں! تجھے یہ زنانیوں والی باتیں کون بتاتا ہے۔ شرم کر شرم..... پہلے ہماری زنانیاں شہر جا کے بچے جنتی رہی
؟ ایک تو پہلے ای اپنی دھی کو کوئی عقل مت نہیں دی۔ اوپر سے یہ نخرے....." وہ گرجے۔

"چوہدری یاسین! رحم کر..... رحم۔" اصغر نے بہت مجبور ہو کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"چل ٹھیک ہے! جا لے جا فر..... پر واپس نہ چھڈن آئیں۔"

"ابا جی....." بشریٰ کا شوہر اندر سے خود بھی شہر لے جانے کا حامی تھا۔ مگر کہنے کی ہمت نہ تھی۔

"ارے! چپ کراوئے..... ہاں بھئی! دس فر..... ٹھیک ہے! ہمارے پتر کو رشتوں کی کمی نہیں ہے..... ادھ
جائے گی 'ادھر میں دوجا ویاہ کردوں گا۔"

چوہدری یاسین نے اصغر کی بولتی ہی بند کردی تھی۔



اصغر کو اندر آتا دیکھ کر کبریٰ لپک کر قریب آئی۔ جمیلہ نے اصغر کے عقب میں دیکھا۔

"لے آیا بشریٰ کو..... کہاں ہے؟" اصغر نے صافہ اتار کر چارپائی پر پھینکا۔ "نہیں آنے دیا چوہدریوں نے
کہتے ہیں پکے پکے ای لے جاؤ..... پتر کا دوجا ویاہ کردیں گے۔" وہ خود بھی ڈھے گیا۔

"ہائے! میں مرگئی..... اے کس طراں ہوسکدا اے۔" کبریٰ نے 'دہل' کلیجے پر ہاتھ رکھا۔

"چھوڑ آیا میں....."

"چھوڑ آیا...؟ کیوں چھوڑ آیا...؟ تو لڑ بھڑ کے اسے لے آتا۔"

"کیسے لے آتا؟ میں کلا (اکیلا)' وہ اتنے سارے... کیسے لے آتا میں۔" اصغر سر پر ہاتھ رکھ کے رونے لگا
" طلاقن کہلانے سے بہتر ہے وہ مرجائے۔"

"اللہ نہ کرے....."

"انہیں پتا ہے 'میرے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے..... میں کلا تھا' میں کلا ہوں..... ہائے ربا!..... مجھے بھی پت
ہوتا..... اج میری باہ پھڑ کے کھڑا ہوتا تو ان کی جرات تھی۔ پر میرا تو کوئی وی نہیں..... میں تے کلا رکھ (اکیلا درخت
وا۔"

"کس نے کہا کہ تیرا کوئی نہیں ہے؟" جمیلہ نے بجلی کی طرح آنکھوں سے پلو ہٹایا۔

"ببلو۔" اصغر نے برستے آنسوؤں میں بھتیجے کو دیکھا' جس کی شان اور اٹھان ہی اور تھی۔ اس کے عقب
کھلے دروازے سے سفید گاڑی جھانک رہی تھی۔

"میں ہوں نا تیرا..... بھتیجا بھی 'بیٹا بھی' بازو بھی۔"

اصغر نے کھڑے ہونے کی کوشش کی 'مگر لڑکھڑا گیا۔ ابرار نے اسے مضبوط بازوؤں میں سنبھال لیا۔

کبریٰ اپنا رونا بھول گئی تھی۔

"آؤ! بشریٰ کو لے کر آتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں' وہ لوگ کیسے نہیں آنے دیتے۔"

کبریٰ روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔ چاچا' چاچی کو چپ کراتے ہوئے اس نے ماں کو دیکھا۔
وہ آنسوؤں میں مسکرا رہی تھی۔ جمیلہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ گویا بیٹے کی اعلا ظرفی کی داد دی تھ



"ببلو! اب میں اس گھر میں رہوں گی؟" جمیلہ نے حیرت و اشتیاق سے گھر کی ایک ایک چیز کو دیکھا۔ حالانکہ ابھی
وہاں بہت ہی تھوڑا سامان تھا۔

"ہاں....." وہ آسودگی سے مسکرایا۔

"دیکھ تو! کیسے چکنے چکنے فرش ہیں۔ میں نے تو یہاں سے ضرور ہی گر جانا ہے۔"
"نہیں گرتیں میں ہوں نا۔" ابرار ہنسا۔
"ہاں! تو تو جیسے سارا دن میرے گوڈے سے لگ کر بیٹھا رہے گا۔" جمیلہ نے ناراضی سے دیکھا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کچن میں لے آیا۔
"ہائے ربا! یہ باورچی خانہ ہے۔" جمیلہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ "کانچ کے برتن' گیس کے چولہے' نہ پتر نہ یہ سارا کچھ میرے بس کی گل نہیں ہے۔"
"حد ہو گئی اماں! تمہاری خاطر تو سارا کچھ کر رہا ہوں۔"
"وے پاگلا! تیری ماں نے ساری حیاتی مٹی لیپ کے چولہا جلایا ہے۔ وہ کیا جانے ان گیس کے چولہوں کو۔"
"اس کا مطلب ہے' سب بے کار گیا۔" ابرار نے مایوسی سے سر ہلایا۔
"بے کار کیوں؟ کسی اچھی سی شہری لڑکی سے شادی کر لے۔ سب کچھ کام میں آجائے گا۔"
"اور اگر اس لڑکی نے کہا کہ میری ساس پینڈو ہے۔ مٹی لیپ کر چولہا جلانے والی..... مجھے اس کے ساتھ نہیں رہنا تو پھر؟" ابرار نے چھیڑا۔
ایک لمحے کو جمیلہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ پھر وہ جلال میں آئی۔
"گت سے پکڑ کر گھر سے باہر نکال دوں گی۔"
"لیکن ایک مسئلہ ہے۔ شہری لڑکیوں کی گت نہیں ہوتی۔" دونوں ایک ساتھ ہنس پڑے۔ جمیلہ نے پیار اور آسودگی سے بیٹے کا چہرہ دیکھا۔
"تو نے اچھا کیا جو اپنے چاچا' چاچی کو معاف کر دیا۔"
"اماں! میں کون ہوتا ہوں معاف کرنے والا۔ بلکہ میں تو ان کا احسان مند ہوں..... وہ مجھے اس طرح نہ دھتکارتے..... گھر سے نہ نکالتے تو شاید میں اس مقام تک کبھی نہ پہنچتا۔"
اس دن وہ لوگ بشریٰ کو لے کر فوراً شہر پہنچے تھے۔ اور بڑی مشکلوں سے بشریٰ اور اس کے بچے کی جان بچی تھی۔ ابرار نے چوہدری صاحب سے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ پولیس کیس ہے..... لیکن کیونکہ اس کی رشتے داری بھی ہے اور بشریٰ کی جان بھی بچ گئی سو وہ یہ قدم نہیں اٹھا رہا..... کیونکہ یہ تو ابرار بھی جانتا تھا کہ ان زمین داروں کے لیے مقدمے بازی کسی کھیل سے زیادہ نہیں ہوتے..... مگر ابرار کی بات چیت اور پوتے کی خوشی نے انہیں خاصا نرم کر دیا تھا۔
اصغر اور کبریٰ اس سے آنکھیں نہیں ملا رہے تھے۔ مگر ابرار نے اپنے کسی رویے سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اس کے اندر کوئی گلہ شکوہ بھی ہے۔ اصغر کو بے تحاشا شرمندگی کے ساتھ ساتھ بے پناہ تقویت کا احساس ہوا تھا۔ "آپ یہاں بیٹھیں میں چائے بناتا ہوں۔" ابرار نے جمیلہ کو کرسی پر بٹھایا۔
"حق ہا..... اب میں کرسی پر بیٹھ کر چائے پیوں گی۔" جمیلہ کو خود ہی شرم آ گئی۔
ابرار کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔



"عائشہ! آپ نے کبھی محبت کی ہے؟" اسٹاف روم میں صرف وہ دونوں تھیں' جب مریم نے کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا۔ عائشہ نے چونک کر کاپی سے نظریں اٹھائیں۔
"بتائیں نا عائشہ!" مریم کے لہجے میں اداسی تھی۔
"محبت تو نہیں کہہ سکتی۔ ہاں! محبت کے احساس کو ضرور چھوا تھا۔"
"پھر.....؟"

"پھر کیا؟ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے گھر والے غالباً" راضی نہیں تھے..... ایک دن امی ان کے گھر تعزیت کے لیے گئیں اور..... " وہ دھیرے دھیرے سب کچھ بتاتی گئی اور مریم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔
"آپ کس جگہ رہتی تھیں؟" مریم نے سنبھل کر پوچھا۔
عائشہ نے جگہ بتائی اور مریم کو یاد آگیا اس نے عائشہ کو کہاں دیکھا تھا..... وہ محلے میں نکلنے کی عادی نہ تھی اور عائشہ بھی اسکول اور گھر کے علاوہ کہیں نہیں جاتی تھی۔ مگر ایک ہی محلے میں رہنے کی وجہ سے کہیں نہ کہیں دیکھا تو تھا۔
"اور تم.....؟" عائشہ نے اپنی بات مکمل کر کے پوچھا۔
"میں نے تو محبت بھی کی اور دھوکا بھی کھالیا۔" وہ تلخی سے بولی۔
"کون تھا وہ؟"
"مجھے چھوڑیں! تو آپ کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ آپ کی امی نے یوں ہی کہہ دیا تھا۔" مریم نے ٹالا۔
"ہاں! عزت بچانے کا یہی طریقہ تھا۔"
"اور آپ نے محبت کی قربانی دے دی؟"
"ظاہر ہے! محبت عزت سے بڑھ کر تو نہیں ہوتی۔" عائشہ نے رسان سے کہا تو مریم نظریں چرا گئی۔
"نجانے وہ کون لڑکیاں ہوتی ہیں..... جو اپنی محبت کی خاطر گھر والوں کو زندہ درگور کر دیتی ہیں۔" مریم کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔
"محبت پر بس کہاں چلتا ہے۔"
"محبت پر نہیں، لیکن بڑھتے قدموں پر تو بس ہونا چاہیے۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ یا تو انسان اپنی محبت کی خاطر لڑے۔ اگر لڑ نہیں سکتا تو ہتھیار ڈال دے۔ نعمان مجھ سے محبت کرتا تھا۔ میرے لیے بہت آسان تھا اس کی محبت کو بغاوت بنا دیتی۔ لیکن میری نظروں کے سامنے میرے بوڑھے ماں باپ کے چہرے تھے۔ زمانے کے طعنے تو ایک طرف..... وہ تو میری طرف اٹھی انگلی دیکھ کر ہی مر جاتے..... سو میں نے پہلے ہی مرحلے پر ہتھیار ڈال دیے۔"
عائشہ کو اندازہ ہی نہ تھا کہ اس کے منہ سے نکلے لفظ مریم کی روح پر کوڑے برسا رہے ہیں اور وہ لب بھینچے اپنے اندر اٹھتی چیخوں کو روکنے کی سعی کر رہی تھی۔ تب ہی بات کرتے کرتے عائشہ کی نگاہ اس پر پڑی۔
"کیا ہوا؟"
"کچھ نہیں۔" مریم کھڑی ہو گئی۔ "آپ جانتی ہیں میں کون ہوں؟"
عائشہ نے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا۔
"میں نعمان کی بہن ہوں۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔
عائشہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔



ابرار گیٹ سے اندر آیا۔ لان میں بیٹھی عریشہ کو دیکھ کر اسی طرف آگیا۔ وہ فرصت سے بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔

"السلام علیکم!" ابرار کی آواز پر اس نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔
"وعلیکم السلام۔"
"کیا ہو رہا ہے؟"
"غالباً" اسے اخبار کہتے ہیں۔"

"یقیناً"۔۔۔۔" وہ سامنے بیٹھ گیا۔ عریشہ کچھ گھبرا سی گئی۔ وہ فوراً اٹھنے لگی۔
"بیٹھ جاؤ عریشہ! مجھے تم سے بات کرنی ہے؟" ابرار نے سنجیدگی سے کہا۔
"کیسی بات؟" وہ ٹھٹکی۔
"کچھ خاص نہیں بس میں چاہتا تھا کہ امی کو لانے سے پہلے تم سے بات کرلوں۔ دراصل میری امی بہت سیدھی سادی ہیں اور مجھے تو وہ شہزادہ سمجھتی ہیں۔ تو انہیں بہت دکھ ہوگا اگر تم نے ان کے سامنے مجھے ریجکٹ کردیا۔ سو میں نے سوچا پہلے خود ہی کنفرم کرلوں کہ۔۔۔۔" اس نے ذرا رک کر کان کھجایا۔
"کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"
عریشہ بھونچکی رہ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ابرار اسے یوں براہ راست پرپوز کرے گا۔
"مجھے اور کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟" وہ بہت دیر تک کچھ نہ بولی تو ابرار کو کہنا پڑا۔
"تم میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہو۔" عریشہ نے نظریں چرائیں۔
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" ابرار نے کندھے اچکائے۔
"میرا ماضی اتنا بھی شفاف نہیں کہ یوں کندھے اچکا کر نظرانداز کردیا جائے۔" عریشہ کو غصہ آگیا۔
"تو کس طرح کرنا چاہیے؟" ابرار نے سادگی سے پوچھا۔
"تم کس مٹی سے بنے ہو؟" عریشہ جھنجلائی۔
"میری نظر سامنے دیکھتی ہے۔۔۔۔ پیچھے پلٹ پلٹ کر دیکھنا مجھے وقت کا زیاں لگتا ہے۔۔۔۔ آپ سے غلطیاں ہوگئیں۔ آپ نے ان سے سبق بھی سیکھ لیا۔۔۔۔ آپ نے ٹھوکر کھائی۔۔۔۔ آپ سنبھل بھی گئے۔۔۔۔ دیٹس اٹ۔۔۔۔ اب ان غلطیوں کو لے کر روتے ہی رہیں؟"
"وہ غلطیاں نہیں گناہ تھے۔" عریشہ کی نگاہ جم گئی۔
"یہ خدا کا معاملہ ہے۔ میں نہیں جانتا۔" اس نے آرام سے ہاتھ جھاڑے۔ عریشہ نے خاموشی سے نظریں جھکالیں۔
ابرار نے اسے غور سے دیکھا اور اپنے مخصوص دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے ذرا آگے ہوا۔
"ایک دن میں بیمار تھا۔۔۔۔ اک مہربان پری نے چائے بنا کردی تھی اور دوا بھی۔۔۔۔ میں نے بہت دل سے دعا کی تھی کہ اے اللہ! اس مہربان پری کو سیدھا رستہ دکھانا۔ اس کے ساتھ وہی کرنا جو اس کے لیے بہتر ہو۔۔۔۔ میں نے ثوبان کے اندر رتی بھر بھی اخلاص نہیں پایا تھا۔ وہ اپنی غرض کا بندہ تھا۔۔۔۔ مجھے نہیں پتا میرا دل تمہارے لیے کیوں دکھتا تھا۔ اپنی ٹف ترین روٹین میں تمہارے لیے کیوں سوچتا تھا۔۔۔۔ مجھے نہیں پتا میں ہر نماز میں تمہارے لیے دعا کیوں کرتا تھا۔"
اس کے لہجے کا جذب' سادگی اور گہرائی۔۔۔۔
عریشہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
کیا خدا نے اس کی توبہ قبول کرلی تھی۔
یا ماں کی دعائیں اب بھی اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔
"مجھے تمہارے جواب کی جلدی نہیں ہے۔ تم اچھی طرح سوچ لو' سمجھ لو۔ بہتر ہے کسی سیانے سے مشورہ بھی کرلو۔" ابرار کے لہجے میں ہلکی سی شرارت جھلکی۔ "لیکن پلیز! یہ فیصلہ ماضی کو سامنے رکھ کر نہیں' اپنے حال اور مستقبل کو سامنے رکھ کر کرنا۔۔۔۔ میں جواب لینے پھر آجاؤں گا۔" وہ کھڑا ہوا۔
"ابرار! تمہیں تو کوئی بھی اچھی لڑکی مل جائے گی۔"
"پھر تمہیں اچھا لڑکا کہاں سے ملے گا۔" ابرار نے بے چارگی سے کہا۔ عریشہ جز بز ہو کر لب چبانے لگی۔ وہ

کرسی پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔
میں نے اچھی لڑکی ڈھونڈ کر ہی اس کے سامنے یہ پرپوزل رکھا ہے.... اللہ حافظ۔" عریشہ نے آنسوؤں کی دھند میں اسے گیٹ سے نکلتے دیکھا۔
اور ٹیرس پر کھڑی نبیلہ کے لبوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔



فاطمہ کو دیکھ کر حمیدہ کھل سی گئیں۔
"شکر ہے فاطمہ! تو نے چکر تو لگایا.... پہلے تو بانو ہر ہفتے آجاتی تھی۔ اب تو وہ بھی نہیں آتی۔ سارا دن ان دیواروں کو گھور گھور کر تنگ آجاتی ہوں۔ لڑکے ہیں تو وہ بھی گھر میں نہیں ٹکتے۔ چھوٹے ہی کو لے آتیں۔" وہ ترسے ہوئے لہجے میں بولیں۔
"مریم اور عریشہ کے پاس تھا.... میں ڈرائیور کے ساتھ بازار تک گئی تھی تو ادھر آگئی۔" فاطمہ نے پھلوں کا تھیلا ان کے قریب رکھا۔
"اللہ تیرا بھلا کرے.... کتنے دن ہو گئے پھل کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔" حمیدہ تیزی سے سیب نکال کر کھانے لگیں۔
"اماں! دھو تو لیں۔"
"بڑی بھوک لگی تھی۔"
"آپ نے کھانا نہیں کھایا تھا؟"
"خود تو باہر سے کھا کر آتے ہیں.... اور گھر میں نام لینے کو کوئی چیز نہیں۔"
فاطمہ تھیلا اٹھا کر کچن میں رکھنے گئی تو دل دکھ سے بھر گیا۔ گندے سندے کچن میں واقعی کچھ نہ تھا۔ فریج بھی خالی.... وہ تھیلا اندر رکھ کر خاموش سی حمیدہ کے پاس بیٹھ گئی۔
"تھک جاتی ہوں اکیلے رہتے رہتے۔"
"آپ نے فرید کو بھی ماموں کے پاس بھجوا دیا۔ وہ ہوتا تو...."
کیا کرتی؟ اسکول سے آتا تھا تو سارا دن گھر میں الٹی سیدھی باتیں سنتا تھا۔ اس کا دماغ خراب ہو رہا تھا اس لیے بھجوا دیا۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں، مریم کو ہی لے آؤں۔"
"مریم کو وہیں رہنے دیں۔ پھپھو نے ایک رشتہ دیکھا ہے اس کے لیے۔ لڑکے والے پسند کر گئے ہیں۔ اب لڑکے کو دیکھنے جانا ہے.... دعا کریں، یہ رشتہ ہو جائے۔ مریم یہاں آئی تو کوئی نہ کوئی بات لڑکے والوں کے کانوں میں پڑ جائے گی۔"
"مریم مان گئی ہے؟"
"اب بھی نہ مانتی.... " فاطمہ نے تلخی سے کہا۔
"کمینی کیسی کھے ڈالی تھی سر میں.... باپ کو بھی مار ڈالا۔"
"اپنا کیا ہی آگے آتا ہے اماں!" فاطمہ نے آہستگی سے کہا۔ حمیدہ نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔
"ہاں! اب بیٹھ کر میرا نسور ہی نکال۔"
"مریم کا دماغ اسی گھر سے خراب ہوا تھا اماں! آپ نے عریشہ کو کبھی کسی بات کے لیے نہیں روکا ٹوکا تھا۔ بھلے ان دونوں کی شادی ہونا تھی.... پھر بھی کچھ حدود تو ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے مرمٹنے، ہر چیز لٹانے اور محبتوں میں قربانی دینے کے سبق مریم نے یہیں سے پڑھے تھے اور یہ بھی کہ اپنی محبت کی خاطر سگے رشتوں کو دھوکا دینا کتنا

آسان ہے..... یاد ہے' آپ نے عریشہ کو کیسے استعمال کیا تھا؟"
"بس کر جا فاطمہ!" حمیدہ کی آواز بے بسی سے گھٹ کر رہ گئی۔
"اور مریم کو چھوڑیں۔ آپ نے نعمان کے ساتھ کیا کیا؟" فاطمہ کا لہجہ لاشعوری طور پر تیز ہو گیا۔
"میں نے کیا کیا ہے؟" انہوں نے نظریں چرائیں۔
"کیا ہرج تھا اگر اس کی شادی ماسٹر صاحب کی بیٹی عائشہ سے ہو جاتی؟"
"میں نے تو تم لوگوں کی خاطر کیا..... بھائیوں کی شادی ہو جائے تو بہنوں کو پوچھتے تک نہیں۔" حمیدہ نے صفائی دینے کی کوشش کی۔
"اس کا مطلب تھا کہ آپ بیٹیوں کی خاطر بیٹے کے دل کی خوشی چھین لیں؟ اماں! ہر کسی کو اس کے نصیب کا ملنا ہوتا ہے۔ میں بھی حیران تھی کہ ٹھیک ہے' نعمان بھائی شروع ہی سے غصے والے تھے۔ مگر اتنے بے حس تو نہیں تھے..... ہر کسی کا خیال رکھتے تھے۔ پھر ایک دم سے اتنے بدل کیسے گئے۔ اب سمجھ میں آتا ہے' وہ یہ سب انتقاماً کر رہے تھے۔ کیونکہ معاف کرنے کا ظرف تو ہم میں سے کسی میں بھی نہیں ہے۔" وہ بس بولتی چلی گئی۔ جیسے یہاں صرف اپنی بھڑاس نکالنے آئی ہو۔
"تجھے یہ سب کس نے بتایا؟"
"عائشہ' مریم کے ساتھ پڑھاتی ہے اور اہم بات یہ کہ اس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔"
"اچھا۔" حمیدہ چپ سی ہو گئیں۔
"اماں!" فاطمہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔ "نعمان بھائی کو ان کے دل کی خوشی دے دیں۔ ورنہ اس گھر کی دیواروں سے یہ خاموشی اور وحشت ساری زندگی لپٹی رہے گی۔ سب کچھ بدل گیا ہے۔ اب آپ بھی بدل جائیں۔ یہ گھر' گھر نہیں لگتا' اک ویران سرائے بن کے رہ گیا ہے۔ میکہ کیسا بھی ہو' لڑکی کا مان ہوتا ہے..... وہ اپنی سسرال میں بھی بے چین رہتی ہے' اگر اس کے میکے والے تکلیف میں ہوں۔ اماں! کوشش کر کے جو بچ گیا ہے' اسے سنبھال لیں ورنہ سب کچھ برباد ہو جائے گا۔"
فاطمہ روتے ہوئے اٹھ گئی۔ حمیدہ اندھیرا ہونے تک وہیں گم صم سی بیٹھی رہ گئیں۔



گھر بھی اچھا تھا اور گھر والے بھی خاصے سلجھے ہوئے تھے۔ لڑکے کی دونوں بہنیں بہت ہنس مکھ اور بے تکلف سی تھیں۔ عریشہ کے ساتھ فوراً ہی گھل مل گئیں۔
"یا اللہ! یہاں مریم کی بات بن جائے۔" عریشہ نے دل ہی دل میں دعا کی۔
"برخوردار گھر پر نہیں ہیں۔" چائے کے لوازمات سجائے جانے لگے تو نبیلہ نے پوچھا۔
"وہ گھر پر ہی ہے۔ جاؤ فضہ! بلا کر لاؤ۔" ماں نے کہا تو لڑکی فوراً اٹھ گئی۔ دوسری بہن سب کو چائے پیش کرنے لگی۔
جس وقت اس نے عریشہ کو کپ تھمایا' عین اسی وقت لڑکے نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تھا۔ عرشیہ کے ہاتھ سے کپ چھوٹ گیا۔ چائے نے اسے کہاں کہاں جلایا۔ اسے خبر نہ تھی۔ سب لوگ بوکھلا کر اس کی طرف لپکے۔ اور عریشہ ٹکٹکی باندھے فہد کو اور وہ عرشیہ کو دیکھ رہا تھا۔
"فہد! تم۔"
"عرشیہ....."
سب ٹھٹک کر دونوں کو دیکھنے لگے۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ جس مریم کو گھر والے......"
"ہاں......" عریشہ کے ہاتھ سے درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ جہاں چائے گری تھی۔
"تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟" فہد کے والد نے سنبھل کر پوچھا۔
"جی انکل یہ میرے کالج فیلو رہے ہیں۔ ہم نے بی ایڈ اکٹھے کیا تھا۔" عریشہ بیٹھ گئی۔
"اچھا...... اچھا۔" انہوں نے گھبرا کر بیگم کو دیکھا۔ زیادہ پرانا قصہ نہ تھا' جب فہد اپنے کالج کی لڑکی کے پیچھے پاگل ہو رہا تھا۔ بلکہ اب تک وہیں اٹکا ہوا تھا۔ آج بھی بڑی منتوں کے بعد مہمانوں کے سامنے آنے پر آمادہ ہوا تھا۔
"ابو! جس مریم کو آپ میرے لیے پسند کر کے آئے ہیں۔" فہد باپ کی طرف مڑا۔ "وہی لڑکی ہے جس سے میں شادی کرنا چاہتا تھا۔"
سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔



نعمان نے اسٹور سے سارا سودا بھجوایا تھا۔
"وہ آج اسٹور پر بیٹھا ہے۔" حمیدہ نے خوش ہو کر پوچھا۔
"جی! بہت دنوں بعد اسٹور پر خود بیٹھے ہیں۔ ورنہ اتنے دنوں سے میں اکیلا ہی دیکھ رہا تھا۔" سامان لانے والے لڑکے نے جواب دیا۔ حمیدہ خوشی خوشی سامان سنبھالنے لگیں وہ نہیں جانتی تھیں کہ فاطمہ نے نعمان کو فون کیا تھا۔ وہ بڑا بھائی تھا' مگر فاطمہ نے اسے خوب لتاڑا تھا۔
"آپ دونوں یہ کیوں بھول گئے کہ جو عورت اس گھر میں بیٹھی ہے۔ جیسی بھی ہے' آپ کی ماں ہے۔ مانا کہ انہوں نے بہت غلطیاں کیں۔ مگر اولاد ہونے کے ناتے آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ انہیں ان کی غلطیوں کی سزا بھی دیں...... آپ کو اگر عائشہ نہیں ملی تو اس میں آپ کا نصیب...... لیکن یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ وہ بھوکی پیاسی گھر میں بیٹھی رہیں۔ رب کو منہ دکھانا ہے یا نہیں۔" فاطمہ بس ذرا دیر کو سانس لینے رکی۔
"دوسری بات محسن اور پھوپھو نے فیصلہ کیا ہے کہ اسٹور آپ کے پاس رہے گا۔ بس مارکیٹ کے حساب سے جو کرایہ بنتا ہے' وہ عریشہ کے اکاؤنٹ میں ڈلوا دیا کریں۔ مکان کا کرایہ تو وہ پہلے ہی وصول کر رہی ہے۔"
نعمان کے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ ورنہ عریشہ حق ملکیت کا دعوا بھی کر سکتی تھی۔ اور کچھ فاطمہ کی باتوں کا اثر تھا۔ اس نے سارا راشن بمعہ سبزی گوشت وغیرہ بھجوا دیا تھا۔
حمیدہ نے ہری مرچیں اور خوب ٹماٹر ڈال کر گوشت بھونا۔ تازہ تازہ پھلکے بنائے...... مگر جب کھانے بیٹھیں تو ایک نوالہ نہ لیا گیا۔ اس کے کانوں میں برکت حسین کی آواز گونجنے لگی۔
"سارے ٹبر کو روٹی کھلا دے گی۔ میرے لیے روٹی ڈالتے ہاتھ ٹوٹتے ہیں۔"
حمیدہ نے بے بسی سے نوالے کو دیکھا۔
"ڈکار لے...... سارے کباب اکیلے اکیلے ڈکار لے۔"
حمیدہ نے نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا۔
یا اللہ! یا مجھے اٹھا لے یا اس عورت کو۔"
"ہائے ہائے...... صرف اپنی بات کرو۔ مجھے تو ابھی زندگی میں بہت کچھ دیکھنا ہے۔"
"ہاں! تیری تو یہی خواہش ہے کہ میں کسی دن سوتے سوتے ہی نہ اٹھوں۔"
وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"میں تو اوپری دل سے کہتی تھی برکت حسین! تو نے اتنی جلدی کردی۔"

"اماں!" نعمان کی آواز پر انہوں نے پہلے پلو سے چہرہ صاف کیا پھر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں! تیرا ابا یاد آگیا تھا۔"

"کھانا بن گیا ہو تو دے دو۔" وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

حمیدہ نے دو پھلکے ڈالے اور ٹرے میں رکھ کر لے گئی۔ نعمان ہاتھ سر کی پشت تلے رکھے چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اٹھ گیا۔

"یہ ثوبان آج کل کدھر ہوتا ہے؟" بہت عرصے کے بعد بھائی نے بھائی کے بارے میں پوچھا تھا۔

"نوکری مل گئی ہے۔ وہیں جاتا ہے۔"

"اچھا......" اس نے حسب عادت کھانے سے پہلے کف الٹائے۔

"نعمان! اب مجھ سے کام نہیں ہوتا...... ویسے بھی سارا دن پاگلوں کی طرح خود سے باتیں کرتی رہتی ہوں...... تو اب شادی کرلے...... اس گھر میں بھی تھوڑی رونق ہو جائے۔"

"اماں! آئندہ مت کہنا۔" نعمان نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں؟"

"مجھے شادی نہیں کرنی......" وہ نوالہ منہ میں ڈالنے لگا۔

"عائشہ سے بھی نہیں؟" نعمان کے ہاتھ سے نوالہ گر گیا۔

"کون عائشہ؟"

"استانی عائشہ...... تیری عائشہ۔" وہ مسکرائیں۔

"اس کا نکاح ہو گیا تھا۔"

"نہیں، دا تھا۔ اس کی ماں نے جھوٹ بولا تھا۔ وہ اب بھی تیرا نصیب ہے۔ میں جاؤں گی اس کی ماں سے معافی مانگوں گی اور اس وقت تک دہلیز نہیں چھوڑوں گی، جب تک وہ عائشہ کا ہاتھ ہمیں نہیں دے دیتی۔"

"اماں......" وہ اب بھی بے یقین تھا۔

"کھانا کھالے، چھٹی والے دن چلیں گے۔" وہ واپس پلٹ گئیں۔

نعمان بہت دنوں کے بعد کھل کر مسکرایا تھا۔



"جس پل میں جذبوں کو سمجھنے کے قابل ہوئی۔ دل پر تمہارا نام لکھا۔ آج تک تمہیں سوچا، تمہیں چاہا۔ ہر لمحہ تمہاری بن کے گزارا، مجھے نہیں پتا، تم مجھ پر شک کیوں کرنے لگے ہو۔ لیکن میں صرف تمہیں چاہتی ہوں، میرا یقین کرو، تمہاری بدگمانی مجھے مار ڈالے گی۔"

عریشہ کی سسکتی آواز ہر وقت اس کے کانوں میں گونجتی رہتی۔

"مجھ سے کتنی بڑی غلطی ہوئی۔ کاش! میں نے اس وقت عریشہ کا انتخاب کیا ہوتا تو آج سب کچھ میرے ہاتھ میں ہوتا۔ کیسے پاگلوں کی طرح میرے ارد گرد گھوما کرتی تھی۔ میرے ایک اشارے پر سب کچھ وار دینے کو تیار رہتی تھی۔ کیسی بھول ہو گئی۔ نہ باہر جا سکا، نہ منیبہ ہاتھ آئی...... اور گھر کی دولت بھی گنوادی۔" اس نے سگریٹ سلگائی اور کش پر کش لگانے لگا۔

یہ سگریٹ نوشی بھی اس نے کچھ عرصہ قبل ہی شروع کی تھی۔ جب رہ رہ کر عریشہ اس کے اعصاب پر سوار

ہونے لگی تھی۔ کبھی اسے لگتا'وہ اس کے لیے کافی بنا کے لائی ہے۔ کبھی اس سے سرخ گلابوں کی فرمائش کرتی یاد آتی۔۔۔ تو کبھی چاند کو تکتی اس کے بے حد قریب۔

"وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھی۔" ثوبان اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ ادھورا چاند کتنا اکیلا اور اداس لگ رہا تھا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ پھر سے مجھ پر نثار ہونے لگے۔"

"جو کچھ تم نے اس کے ساتھ کیا۔ کیا وہ اب بھی تمہارے ساتھ محبت کرے گی؟" چاندنی نے تلخی سے سوال کیا۔

"ہاں۔۔۔ مجھے احساس ہی نہیں تھا کہ میں اسے کتنا چاہتا ہوں۔۔۔ اس کی محبت میری ضرورت ہے۔"

"وہ تم سے نفرت کرتی ہے۔"

"محبت' نفرت میں بدل سکتی ہے تو نفرت بھی محبت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔"

اس نے سگریٹ کا طویل کش لے کر دھواں ہوا میں چھوڑا۔



"ہم اپنی اولاد کے ساتھ کتنی زیادتی کر جاتے ہیں بھائی صاحب۔" نبیلہ نے رسان سے کہا۔ اس دن وہ لوگ جلد ہی اٹھ آئے تھے اور آج فہد کے والدین باقاعدہ مٹھائی کے ٹوکرے کے ساتھ مریم کا رشتہ مانگنے آئے تھے۔

"کسی کو بغیر جانے' بغیر دیکھے' محض اس لیے ریجیکٹ کر دیتے ہیں کہ اسے ہم نے نہیں' ہمارے بچوں نے پسند کیا ہے۔۔۔ اور کتنی عجیب بات ہے' آپ نے خود بھی اسی لڑکی کو پسند کیا' جس کے لیے آپ کا بیٹا منتیں کرتا پھر رہا تھا۔"

"آپ نے ٹھیک کہا۔ ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہے۔ ہم والدین کبھی کبھار واقعی اپنی انا کے پیچھے بچوں کی خوشیاں داؤ پر لگا دیتے ہیں۔۔۔ ہم نے فہد کو کن مشکلوں سے شادی پر راضی کیا' یہ ہم ہی جانتے ہیں۔" فہد کے والد نے شرمندگی سے کہا۔

"اور اسی غلطی کو سدھارنے ہم آپ کے پاس دوبارہ آئے ہیں۔" فہد کی والدہ نے ماحول کے تناؤ کو اپنی مسکراہٹ سے کم کرنے کی سعی کی۔



"میں نے ہمیشہ سوچا تھا کہ تم جب بھی میرے سامنے آؤ گے' ایک بار تمہارا گریبان پکڑ کر سوال ضرور کروں گی کہ تم نے میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کیوں کیا؟" مریم فہد کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔

"میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا تھا مریم۔"

"مجھے گھر سے نکال کر سڑک پر کھڑا کر دیا۔۔۔ اور خود نہیں آئے۔۔۔ بیچ منجدھار میں چھوڑ کر چلے گئے اور کہتے ہو' دھوکا نہیں دیا۔" وہ چیخ اٹھی۔

"مریم! میری بات سنو۔۔۔"

"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی اور مجھے تم جیسے بزدل انسان کے ساتھ شادی بھی نہیں کرنی۔ تم چلے جاؤ یہاں سے۔" اس کی بلند آواز پر عریشہ بھاگتی ہوئی آئی۔

"مریم! میں مانتا ہوں' مجھ سے غلطی ہوئی۔۔۔ مجھے عین وقت پر احساس ہوا کہ ہم غلط کرنے جا رہے ہیں۔ مجھے

لگا تم میرا انتظار کر کے گھر واپس چلی جاؤ گی اور ہم کوئی رستہ نکال لیں گے۔"

"ایک لڑکی کا گھر سے نکلنا اتنا آسان ہوتا ہے؟ اپنی عزت نفس کو داؤ پر لگا کر' گھر والوں کی عزت پیروں تلے روند کر نکلتی ہے۔۔۔ کیا یہ سب اتنا آسان تھا؟ میرا باپ مر گیا میری اس نادانی کے ہاتھوں۔۔۔ اور تم کہتے ہو مجھ سے غلطی ہو گئی۔۔۔ کون تھا مجھے اس مقام تک لانے والا۔۔۔؟ بولو۔۔۔ تم تھے۔۔۔ تم۔۔۔ اور نقصان صرف میرا ہوا۔"

عریشہ نے آگے بڑھ کر اسے تھامنا چاہا۔

"جانتے ہو اس رات میں کیسے گھر پہنچی تھی۔ میں نے کیسے اپنی عزت بچائی تھی۔ مگر تمہیں یہ سب کیوں بتا رہی ہوں۔ تم ان لوگوں میں سے ہو' جنہیں محبت کرنا تو آتی ہے' مگر محبت نبھانا نہیں۔ مجھے نفرت ہے تم سے تم رشتے کی بات کرتے ہو۔ میں تو تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"مریم۔۔۔" فہد نے کچھ کہنا چاہا۔ عریشہ ان دونوں کے درمیان آ گئی۔

"فہد! پلیز تم اس وقت چلے جاؤ۔"

فہد نے بے بسی سے بے حال ہوتی مریم کو دیکھا اور لب بھینچتا وہاں سے چلا گیا۔



"اب کیا تکلیف ہے تمہیں؟ کیوں انکار کر رہی ہو؟ وہ ہی مل رہا ہے جس کے لیے گھر سے بھاگ رہی تھیں تو پھر اب یہ نخرے کیوں؟ شکر کرو' عزت سے گھر کی ہو رہی ہو۔ ورنہ تم جیسی لڑکیاں ساری زندگی لوگوں کے طعنے سنتی ہیں۔ یا زہر کھا کر مر جاتی ہیں اور ایک بات کان کھول کر سن لو' نعمان تمہیں وہاں لے جانے پر راضی نہیں اور میں تمہیں یہاں زیادہ دن نہیں بٹھائے رکھوں گی۔ اگر تم یہ امید لے کر بیٹھی ہو کہ اتنی بدنامی کے بعد تمہارے لیے کوئی ڈھنگ کا رشتہ آئے گا تو اسے دل سے نکال دو۔"

فاطمہ گرج برس کر چلی گئی تھی۔

اس کے الفاظ زہر میں بجھے تیر سہی۔ مگر حقیقت سے کتنے قریب تھے۔ یہ بات مریم بھی جانتی تھی۔ تب ہی لب سیئے دھواں دھواں چہرے کے ساتھ سنتی رہی۔

"مریم!" عریشہ اس کے پاس آ کر بیٹھی۔

"عریشہ! کوئی بھی میرے احساسات نہیں سمجھتا۔"

"سب سمجھتے ہیں مریم!" عریشہ نے بازو پھیلا کر خود سے قریب کر لیا۔

"لیکن کچھ باتیں تمہیں بھی سمجھنی ہوں گی۔"

"میں کیسے اس انسان سے شادی کر لوں' جس نے میرے ساتھ اتنا برا کیا؟" وہ بے بسی سے گویا ہوئی۔

"وہ اپنی غلطی پر بہت شرمندہ ہے۔"

"اس کی شرمندگی میری نیک نامی واپس لا سکتی ہے؟"

"شاید تمہیں اس گھر میں پورے عزت و احترام کے ساتھ جانا تھا۔ تب ہی اس لمحے فہد کمزور پڑ گیا۔ مریم! کبھی کبھار ہمیں خود بھی احساس نہیں ہوتا کہ تقدیر نے ہمارے نصیب میں ہماری خوشی لکھ دی ہوتی ہے' مگر ہم اپنی جلد بازی کے ہاتھوں اپنا ہی برا کر لیتے ہیں۔۔۔ جانتی ہو' بانو آپا کے دیور نے تم سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔"

مریم کو جھٹکا لگا۔

"اس نے کہا' جو لڑکی ایک بار مجھے انکار کر سکتی ہے' مجھے دوبارہ اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں جوڑنا۔ بانو آپا صرف اپنی نند سے جان چھڑانے کے لیے اس وٹے سٹے کی شادی پر زور دے رہی تھیں۔ اگر اس رات تم رک جاتیں تو یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی۔"

مریم شدید صدمے سے کچھ بول ہی نہ پائی۔
ثوبان نے انہیں لان میں بیٹھا دیکھ لیا تھا۔دونوں کی اس طرف پشت تھی۔
اس نے ہاتھ میں پکڑے سرخ گلابوں کے گلدستے کو دیکھا اور اپنی ہمت مجتمع کرتا آگے بڑھا۔اس نے سوچ لیا تھا پہلے عریشہ اس کے آگے پیچھے گھومتی تھی۔اب یہی کام اسے کرنا تھا۔اسے ہر صورت سوئی ہوئی محبت کو جگانا تھا۔
"پلیز مریم! فہد کو معاف کردو۔"
"اچھا..... تم ثوبان کو معاف کرسکتی ہو؟"
ثوبان کے قدم رک گئے۔
چند لمحوں کی خاموشی بہت طویل ہوگئی تھی۔
"نہیں۔"
"کیوں؟ اگر میں فہد کو معاف کرتی ہوں تو تمہیں بھی ثوبان کو معاف کرنا ہوگا۔"
"نہیں مریم! تم غلط جج کررہی ہو..... "کچھ لمحوں کے بعد عریشہ ٹھوس لہجے میں بولی۔
"فہد سے ایک لمحے میں درست فیصلہ نہ کرنے کی بھول ہوئی تھی۔وہ بعد میں بھی پچھتاتا، دیوانہ وار تمہیں ڈھونڈتا رہا ہے جبکہ ثوبان..... اس نے سوچ سمجھ کر جانتے بوجھتے، ہر قسم کے نفع نقصان کو سامنے رکھ کر میری محبت سے دست برداری اختیار کی تھی۔بھول کی معافی ہوتی ہے مریم! خود غرضی اور غلط نیت کی نہیں..... یوں بھی میں اس محبت کو دفن کرکے فاتحہ بھی پڑھ چکی..... لیکن مجھے ہر سال محبت کی اس قبر پر پھول چڑھانا گوارہ نہیں..... ثوبان سے میری محبت میری بھول تھی اور میں اس کے لیے خود کو معاف کرچکی۔میں ابرار سے شادی کررہی ہوں۔"
ثوبان کے ہاتھ سے پھول چھوٹ کر بے آواز گھاس پر گرے۔
"کیونکہ وہ ایک مخلص، سچا اور نیک نیت انسان ہے۔اس کے اندر کوئی کھوٹ نہیں۔میں اسے کھونے کی غلطی نہیں کروں گی۔کیونکہ اسے تو کوئی بھی اچھی لڑکی مل جائے گی..... لیکن مجھے اس جیسا اچھا اور سچا انسان دوبارہ نہیں ملے گا۔"
ثوبان خاموشی سے واپس پلٹ گیا۔
"اٹھو مریم! آج ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اب کبھی اپنی غلطیوں کو نہیں دہرائیں گے اور کسی دوسرے کو الزام بھی نہیں دیں گے کیونکہ "ساری بھول ہماری تھی" اور ہمیں اپنی اپنی بھول کو سدھارنا ہے۔" عریشہ نے کھڑے ہوکر ہاتھ پھیلایا۔
مریم نے اسے دیکھا..... اور ہاتھ پکڑ لیا۔دونوں ایک ساتھ چلتی اندر کی طرف چلی گئیں۔
عقب میں سرخ گلاب سبز گھاس پر بکھرے رہ گئے۔
یہی پھولوں کا نصیب ہے۔
کبھی خوشیوں کی سیج پر سجتے ہیں۔
کبھی قبروں کو ڈھانپ دیتے ہیں۔
تو کبھی سبز گھاس پر بکھرے رہ جاتے ہیں کیونکہ انہیں ناقدرے ہاتھوں نے چھوا ہوتا ہے۔



گل صنوبر

آم کے درخت پر بور آنے کے ساتھ ہی کوئل کی کوک سنسان دوپہر کے سینے میں چھید ڈالنے لگی۔ اس کی کتنی کوشش تھی کہ وہ صاحب آواز کو دیکھ لے' مگر ناکام۔۔۔ پھر وہ سفید پلیٹ میں نیچے گرے فالسے اکٹھے کرتی گردن اٹھا اٹھا کر درخت کی شاخیں کھوجا کرتی۔

آم پر بور آتا تو شہد کی مکھیاں ہلہ بول دیتیں۔ بچوں کو ادھر آنے کی ممانعت ہوتی مگر وہ چپکے سے کچن کا پچھلا دروازہ کھول کر پچھلے برآمدے میں نکل آتی۔ آم کا بور جھڑتا' ننھی منی امبیاں اس کی جگہ لے لیتیں۔ فرح اور زیبا کی موج ہو جاتی' وہ کچی کھٹی امبیاں کچر کچر کھاتیں۔ خواتین ڈائجسٹ' میں نئی آنے والی رائٹر ہما کوکب بخاری کے ناولٹ اور بشریٰ رحمن کے ناول پڑھتی رہتیں اور بیلا کے دانت خوامخواہ کھٹے ہوتے رہتے۔ اسے امبیاں کبھی اچھی نہ لگیں۔ بس آموں کے پکنے کا انتظار کرتی۔ پھر کبھی کوئی آم پٹ سے پکے فرش پر گرتا اور پھٹ جاتا تو اس کی دوڑ لگ جاتی۔

بچپن بیت گیا' مگر اس رسیلے پختہ آم کا ذائقہ آج بھی اس کے لبوں پر تازہ تھا۔ پھر بڑی امی آگے بڑھتیں جو بیلا کی تائی بھی تھیں اور خالہ بھی۔ کچا پھل درخت سے اترتا' لکڑی کی پیٹیوں میں بند کر کے پال ڈالی جاتی۔ پیٹیاں اسٹور میں' چابی بڑی امی کے بٹوے میں۔ تھوڑے دنوں میں سبز پر پیلا رنگ غالب آنے لگتا تو پکے آموں کی خوشبو اسٹور کی کھڑکیوں' دروازے کی درزوں سے پھوٹتی کچن تک آنے لگتی۔ ذکی' فیضان اور سفیان کی آنکھوں میں اشارے ہوتے اور بڑی امی سارے گھر میں اسٹور کی چابی ڈھونڈتی پھرتیں' جو کبھی وہاں سے نہ ملتی' جہاں انہوں نے رکھی ہوتی اور جب اسٹور سے پیٹیاں نکلتیں تو ایک آدھ خالی ہوتی۔ جب تک دا جی زندہ تھے' ایسے میں پچھلے برآمدے میں پلنگ پر آبیٹھتے' کسی کو ٹب لینے بھگایا تو کسی کو برف' بڑے سے ٹب میں آم بھگو کر خود نگرانی کرتے۔

"نہ۔۔۔ نہ ابھی ان کی گرمی نکلنے دو' بڑی بہو کچی لسی کا ڈول بنالاؤ۔"

ٹب کے پہلو میں کچی لسی کا سرخ ڈول رکھا جاتا۔ پھر سب کو آوازیں پڑتیں۔ ذکی' فیضان اور سفیان دا جی کا خوب ہی مقابلہ کرتے۔ فرح اور زیبا کی کوشش ہوتی زیادہ سے زیادہ آم چھپا کر خفیہ ٹھکانے تک پہنچا دیں' تاکہ بعد میں اطمینان سے کھائے جاسکیں ورنہ لڑکوں کی اسپیڈ کا کون مقابلہ کر سکا۔ عاشر اور بیلا چھوٹے ہونے کی بنا پر ایک ایک آم ہاتھ میں لیے عقب میں بیٹھے گٹھلی چوستے رہتے' پھر وہ تھی' جو سب میں موجود ہونے کے باوجود کہیں نہ ہوتی۔

پھر دا جی کو اپنے عقب میں بیٹھے وجود کا احساس ہوتا تو پکار اٹھتے۔

"گل صنوبر۔۔۔ تم بھی لو نا۔"

مگر اسے خود سے ہاتھ بڑھا کر لینے کی عادت کہاں تھی۔ بس دوپٹے میں چھپی مسکراتی جاتی۔ کوئی ہاتھ میں تھما

دیتا تو وہ ہاتھ ہی میں پکڑا رہ جاتا یا وہ چپکے سے عاشر اور بیلا کی سمت بڑھا دیتی اور بیلا کو تو وہی آم اچھا لگتا تھا جو درخت سے ٹپکا ہو۔ نہ جانے کیوں اسے سب کے درمیان بیٹھ کر کھانے کی عادت ہی نہ تھی۔ حالانکہ پھل کسی بھی موسم کا ہو' اسے بے حد مرغوب تھا' اسی لیے بڑی امی اگر اس کا حصہ رکھنا بھول بھی جاتیں تو امی کبھی نہیں بھولتی تھیں۔ پھر داجی سب کو لائن میں کھڑا کر لیتے۔

"آموں کی تاثیر گرم ہوتی ہے' اور کچی لسی اس گرمی کا توڑ ہے۔"

بیلا کو یہ دودھ' پانی اور نمک سے بنی لسی زہر لگتی تھی' سو فوراً ہی کھسک لیتی مگر اس کا ہاتھ عاشر کے ہاتھ میں جکڑا جاتا جو اس سے پورے ساڑھے تین سال بڑا تھا اور گھر میں واحد بیلا تھی جس پر وہ اپنے بڑے پن کا رعب جما سکتا تھا۔ داجی سے شکایت لگائی جاتی اور اسے سب کے سامنے کھڑے ہو کر پورا گلاس پینا پڑتا پھر ذکی بھیا ہاتھ منہ صاف کرتے کھڑے ہو جاتے۔

"اچھا امی! ہمارا حصہ ہمارے گھر پہنچا دیجیے گا۔"

اور ان کا گھر آٹھ سیڑھیاں عبور کر کے اوپر والا پورشن تھا۔ جہاں بیلا کی بیوہ پھپھو اپنے دو بیٹوں ذکی اور عاشر اور بیٹی مریم کے ساتھ قیام پذیر تھیں' جبکہ نچلے پورشن میں دونوں بھائی داجی کی وفات کے بعد بھی باہم شیر و شکر رہے تھے کہ ان کی بیویاں' آپس میں بہنیں بھی تھیں۔ سو روایتی دیورانی' جٹھانی والی رقابت درمیان میں آئی ہی نہیں۔ وہ بڑی امی کہلائیں تو یہ چھوٹی امی' وہ بڑے ابو تو یہ چھوٹے ابو۔۔۔ سب سے بڑی گل صنوبر پھر سفیان بھیا' فیضان بھائی اور آخر میں زیبا۔ چھوٹے ابو اولاد نرینہ سے محروم رہے۔ وہ دو ہی بہنیں تھیں' فرح اور بیلا' پھر یوں ہوا کہ۔۔۔

ذکی بھیا کو اپنی تایا زاد شائستہ بھا گئیں۔ وہ خاندان کی پہلی لڑکی تھیں' جو ایم بی اے کر رہی تھیں۔ خوب صورت' طرح دار' اعلا تعلیم یافتہ' فر فر انگریزی بولتی اور جدید فیشن سے آراستہ شائستہ کے سامنے خاندان کی ساری لڑکیاں پانی بھرتیں اور بے حد معمولی دکھائی دیتیں' پھر ذکی بھیا بھی تو ایسے تھے' ایک دم دراز قامت' جاذب خدوخال' ہالی ووڈ کے ہیرو جیسے شان دار اعلا تعلیم یافتہ اور مزید تعلیم کے لیے باہر جانے کے لیے کوشاں۔ اب پھپھو کی بھلے اپنے جیٹھ' جٹھانی سے کبھی نہ بنی ہو' مگر شائستہ اور ذکی ایک دوسرے کی ٹکر کے تھے۔

سو دونوں کی شادی ہوئی اور دونوں باہر جا بسے اور ایسے بسے کہ پھر لوٹ کر نہ آئے۔ ہاں ان دونوں کی مزید کامیابیوں کی اطلاع کے ساتھ پھپھو کے نام ڈرافٹ باقاعدگی سے پہنچتے رہے۔

مریم بیاہ کر جدہ چلی گئی۔ عاشر نے اپنے لیے آرمی کا شعبہ پسند کیا۔ اوپر کا پورشن بالکل ہی خالی ہو گیا تو پھپھو جنہوں نے ساری زندگی دونوں بھابھیوں کو گھاس نہ ڈالی تھی' اوپر کی تنہائی سے گھبرا کر سارا دن نیچے گزارنے لگیں۔ سفیان اور فیضان کے لیے خاندان ہی سے دلہنیں پسند کی گئیں۔

فرح کو اس کے ماموں نے مانگ لیا۔ دونوں کی شادی چھ ماہ قبل ایک ساتھ' ایک ہی دن ہوئی۔ فیضان کے ولیمہ والے دن زیبا کی بارات تھی۔

داجی دنیا سے رخصت ہوئے اور آم کے پیڑ نے پھل دینا بند کر دیا تو ایک دن کٹوا دیا گیا۔ مگر اب بھی کالونی میں آم کے درختوں پر بور آتا تو اس کی گھنی شاخوں میں کوئل کوکتی چلی جاتی۔

"مگر۔۔۔ یہ کس کو پکارتی ہے؟؟"

"دور دیس میں بسنے والی سکھیوں کو آواز دیتی ہے۔" فرح' زیبا کو بہت یاد کرتی تھی۔

"اوں ہوں۔۔۔ آنے والے ساون کی راہ دیکھتی ہے۔"

"ساون کی یا ساجن کی؟؟" اک معنی خیز سرگوشی' شرارتی ہنسی۔

"نہیں۔۔۔ کسی کے ہجر میں کرلاتی ہے۔"

اور پاس بیٹھی گل صنوبر گھبرا کر فریم ہاتھ سے رکھ کر یوں دوپٹے کی بکل میں چھپتی جیسے گھنی شاخوں میں کوئل۔ اسے لگتا اس کا وجود کوئل کی کوک میں ڈھل کر آنے والے ساون کی راہ دیکھتا ہے یا کسی کے ہجر میں کرلا رہا ہے۔ یہ کرلاہٹ زیادہ بڑھتی تو وہ وضو کر کے پنج سورہ کھول لیتی۔ اس کا وجود آم کی گھنی شاخوں میں بدل جاتا۔



بالکونی کا دروازہ کھلا تو تازہ ہوا کے جھونکے کے ساتھ کوئل کی کوک کمرے میں چکرانے لگی۔ اسے ابھی اور سونا تھا سو تکیے میں سر گھسا دیا مگر تکیہ بھی کھینچ لیا گیا۔

"اٹھ جاؤ... ورنہ مزے دار سے ناشتے سے محروم رہ جاؤ گی۔"

"کیوں؟ سونیا بھابھی میکے سے واپس آ گئیں؟" اس نے کسل مندی سے کروٹ بدلی۔

"ہاں... رات کو فیضان بھائی جا کر لے آئے تھے۔ تم تو کھانا کھا کر یوں مدہوش ہوئیں کہ ساری رات کروٹ بھی نہیں بدلی۔"

فرح کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھی۔ رسالے، واک مین، برش، واٹر کلرز، نائٹ کریم... وہ سرعت سے ہر چیز ٹھکانے لگا رہی تھی۔ بیلا نے اپنے بکھرے بال سمیٹ کر تکیہ گود میں رکھا اور باہر جھانکنے لگی۔ اسے یہ کمرہ اور اس کا یہ نظارہ ہمیشہ سے بے حد پسند تھا۔ جہاں بیڈ پر بیٹھ کر باہر دور تک پھیلے درختوں کا نظارہ ہو سکتا تھا۔ اس نے کھڑکیوں سے پردے ہٹا دیے، سامنے دو رویہ درختوں میں گھری سڑک بے حد سیاہ محسوس ہوتی۔ کالونی کے درختوں، خوب صورت گھروں کی چھتوں پر ایک روشن خوش گوار صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔

"ایک اچھے دن کا آغاز۔" امتحانوں کی طویل تھکا دینے والی روٹین کے بعد اس نے خود کو بے حد تروتازہ اور بشاش محسوس کیا۔

نیچے کچن میں ہنگامہ بپا تھا۔ شن کی آواز سے پوری گھی میں پڑتی اور سوندھی سوندھی مہک سارے گھر میں منڈلانے لگتی۔ پوریاں بنانے میں جو مہارت سونیا کو تھی، کسی کو نہ تھی۔ کسی بیلن کی ضرورت نہیں بس ہاتھ سے جھٹک کر گھی میں اور نرم خستہ پوری تیار۔ ایک کڑاہی میں خوشبودار میوے والا حلوہ، دوسری میں آلو کی بھجیا اور ایک چولہے پر الائچی والی چائے دم پر۔ سونیا سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے چولہوں کے گرد چکرا رہی تھی اور پوریوں کے لیے بے تاب افراد خانہ، جہاں جہاں سما سکے سما گئے، کچھ ناشتے کی میز کے گرد تو کچھ نیچے پیڑیوں پر۔

بیلا دروازے میں ہی ٹھٹک گئی۔ پوری کا نوالہ بناتے ہاتھ رکے اور عاشر نے چمکتی براؤن آنکھوں کے ساتھ دروازے میں ایستادہ بیلے کی کلیوں سی نازک لڑکی کو دیکھا، جس کے چہرے پر تحیر آمیز سادہ سی خوشی رقم تھی، جبکہ براؤن آنکھوں میں جہان شوق امڈ آیا تھا۔

"تم کب آئے؟" وہ اس سے پورے ساڑھے تین سال بڑا تھا مگر گھر کے دو چھوٹے افراد ہونے کی بنا پر ساری زندگی خود کو مظلوم عوام سمجھتے رہے۔ سو دونوں میں بچپن سے بلا کا ایکا رہا۔ اس کے آنسو پونچھنے کے لیے عاشر کو گڑیاں کھیلنی پڑیں تو عاشر کو بوریت سے بچانے کے لیے بیلا کو بیٹ پکڑنا پڑتا۔

"تم ٹھیک ٹھاک نکمی ہو، دیکھو ناشتے کے لیے بھابھی کو ان کے میکے سے لانا پڑا۔" گویا وہ رات ہی آ گیا۔

"خیال سے، نکمے پن کا یہ طعنہ صرف مجھے نہیں، باقی سب گھر والوں کو بھی لگے گا۔"

"اوہو، بچی تو سیانی ہو گئی ہے۔"

"اب تم سیٹ خالی کرو، بچی نے بھی ناشتا کرنا ہے۔"

"ارے... ارے۔" ایک ساتھ کئی آوازیں اس کی بدتہذیبی و بدتمیزی پر ابھریں، جبکہ وہ سعادت مندی سے اٹھا۔ ایک فوجی سلوٹ اسے پیش کیا اور جگہ خالی کر دی، وہ پوری تمکنت اور وقار کے ساتھ خالی جگہ پر بیٹھ گئی۔

"ارے... آپ ناشتا تو کرلیں۔"
انہوں نے ایک خفا سی نظر بیوی پر ڈالی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے چلے گئے۔ سونیا اپنی جگہ حق دق رہ گئی۔ چھوٹی امی غالباً "چائے" ہی کے لیے کہنے آئی تھیں۔
"کیا ہوا؟"
"پتا نہیں۔"
"بغیر ناشتے کے چلا گیا؟"
سونیا نے گردن جھکالی' آنکھیں خوامخواہ بھر آئیں۔ ابھی شادی کو کچھ ہی مہینے گزرے تھے کہ صاحب کے تیور بدلنے لگے۔
"بیوی ناشتا نہیں کرنا چاہتا تھا تو تم پوچھ کر کچھ ہلکا پھلکا بنا دیتیں۔"
سونیا کیا پوچھتی' وہ تو اپنے ہاتھوں کا جادو دکھانے کو فیضان کے اٹھنے سے پہلے ہی کچن میں موجود تھی۔
"لاؤ مجھے ٹرے دو' تم بھی اچھی طرح ناشتا کرو' اس کی فکر نہ کرو' آفس میں کچھ کھالے گا۔"
انہوں نے نرمی سے تسلی دی تو وہ پلکیں جھپکاتی کچن میں آگئی۔ جہاں سب ان کے ہاتھ کے ذائقے کے معترف ہو رہے تھے' اس کی آنکھ کی نمی خشک ہونے لگی۔
کھاتے کھاتے بیلا کا ہاتھ تھم گیا۔ اس نے ذرا سا اچک کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ وہیں زرد چنبیلی کے جھاڑ کے پاس وہ ہی سفید جھولا' جس کے جوڑ جوڑ میں زنگ کے بدنما داغ نمایاں ہونے لگے تھے۔ اب ہلتا تو فضا میں چرخ' چوں کی بدصورت آوازیں ابھرتیں۔
گل صنوبر سر جھکائے تکیے کے سفید غلاف پر گلاب کے پھول کاڑھ رہی تھی۔
اتنا انہماک' تسلسل اور روانی۔
مگر... یہ تسلسل اور روانی... خود ان کی اپنی زندگی میں کیوں دکھائی نہیں دیتا؟
سوال کی سوئی ایک جگہ اٹک کر ذہن کی شفاف سطح پر ٹک ٹک کرنے لگی۔ اسے دیکھ کر بیلا کو ہمیشہ گھنے جنگل سے گزرتی ایسی ندی کا خیال آتا۔ جس پر سورج کی کرنوں نے کبھی قوس قزاح نہ بکھیری ہو۔ جس کے وجود کو ہاتھی ڈباؤ لمبی گھاس نے ڈھانپ رکھا ہو' بیلا کو اس شدید ٹھہراؤ سے ڈر لگتا' کہیں یہ شفاف' ان چھوئی' کنواری ندی' متعفن بدبودار دلدل میں نہ بدل جائے۔
بہتا پانی' ندی۔
کھڑا پانی' دلدل۔
وہ ٹرے اٹھا کر پچھلے دروازے سے باہر آگئی۔
"میں ناشتا آپی کے ساتھ کروں گی۔"
"ارے..." بے اختیار اس کے منہ سے نکلا' گل صنوبر نے چونک کر دیکھا۔ بیلا کی نظریں اس کے دوپٹے سے جھانکتے بالوں پر تھیں۔ جہاں سیاہی پر سفیدی غالب آرہی تھی۔ اس نے ماتھے تک دوپٹہ کھینچ لیا۔ بیلا خاموشی سے اٹھ کر چائے لینے کچن میں چلی آئی۔ یہاں زیبا بکھیڑا سمیٹ رہی تھی۔ وہ ٹرے لے کر باہر آئی تو ٹھٹک گئی۔
وہ زرد چنبیلی جیسی لڑکی وہاں کہیں نہ تھی۔ سفید جھولے کے عقب میں چنبیلی کے جھاڑ پر کوئی ایک پھول بھی نہ تھا۔ اسے لگا گل کا وجود اس جھاڑی میں ڈھل گیا ہے۔ جس پر خواہشوں کا کوئی پھول نہیں کھلتا۔
بیلا گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔



گھر میں ناشتے کے بعد کی افراتفری تھی۔ گھر مختلف آوازوں سے گونج رہا تھا۔ افراہیم نفیس یعنی بڑے ابو چونکہ ریٹائرڈ لائف گزار رہے تھے' سوان کے کمرے کا ٹی وی اک تواتر کے ساتھ خبریں سنا رہا تھا۔ کچن میں برتن دھلنے کی کھٹ پٹ' صحن میں شڑاپ شڑاپ کی آوازیں' اندر ہی کہیں واشنگ مشین کی گھوں' گھوں' سب کمروں سے گندے کپڑے' چادریں اکٹھی کرتی فرح کے چپلوں کی گھسٹ' گھسٹ عاشر نے دیکھا' ایک وہ ہی تھی۔ جو برآمدے میں کرسی پر براجمان اخبار دیکھ رہی تھی۔

"یہ ہفتہ کیسا رہے گا۔"

اس نے عقب میں کھڑے ہو کر با آواز بلند پڑھا۔ اس نے کھسیا کر اخبار لپیٹ دیا۔ "تم لڑکیوں کو ان چیزوں میں کیا دلچسپی ہوتی ہے۔"

"دلچسپی کیا' میں تو یوں ہی دیکھ رہی تھی۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

"ایک پیالی اچھی سی چائے ملے گی۔"

"ابھی لیجیے۔" وہ کچن کی طرف چل دی۔ ایک چائے ہی تو اچھی بنانا آتی تھی' ورنہ ہنڈیا میں ابھی تک نمک' مرچ کا تناسب ٹھیک نہ ہو سکا' اور روٹی گول کرنا تو جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ وہ چائے لے کر آئی تو عاشر کرسی پر بیٹھا آنکھیں موندے بڑے پرسکون انداز میں گنگنا رہا تھا۔

تو ہی حقیقت خواب تو
دریا تو ہی پیاس تو
تو ہی دل کی بے قراری تو سکون
جاؤں....

"چائے.... تمہاری آواز ابھی اچھی نہیں۔" کپ تھماتے ہوئے منہ بنا کر بتایا گیا۔

"اور تمہاری چائے۔" اس نے سپ لیتے ہوئے بدلہ چکایا۔

"ارے.... سنو بیلا.... میں نے ایک بہت ہی عجیب خواب دیکھا۔" ناراضی سے پلٹتی بیلا کو روکنے کے لیے وہ تیزی سے بولا اور بیلا نہ صرف رک گئی' بلکہ اس کی طرف پلٹ بھی آئی کہ بچپن کی عادت تھی۔ وہ اپنے سارے خواب ایک دوسرے سے شیئر کرتے تھے۔

"اک بہت ہی خوب صورت وادی ہے۔" بیلا اس کے قریب موڑھا کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"بے حد سرسبز و شاداب' ڈھلانی چھتوں والے گھر جن کے کھلے دریچوں میں پھول ہی پھول ہیں۔ بے حد نیلا شفاف امبر' خوشبوؤں سے بوجھل ہوائیں' میں اک بڑے سے سفید پتھر پر کھڑا ہوں اور مجھے اپنا آپ اتنا سبک محسوس ہو رہا تھا' گویا میں ہوا میں تیرتا وہاں تک آیا ہوں' اسی پتھر کے پاس بہتی ندی کے کنارے اک لڑکی پھول چن رہی ہے۔ اس کے کندھوں تک کھلے بال بے حد سیاہ ہیں۔ اس کا نیلا آنچل بار' بار اڑ کر میرے چہرے سے ٹکرا رہا ہے۔ پھر وہ آہستگی سے پلٹی اور میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔"

"وہ کون تھی؟"

"افسوس.... تم۔" عاشر نے اس کی پر اشتیاق آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

"ایں.... میں کیوں؟" وہ جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔

"یہ تو تم بتاؤ۔" وہ مزے سے چائے پینے لگا۔ "سنو اس خواب کی تعبیر کیا ہو گی۔"

"عاشر! مجھے لگتا ہے عنقریب تمہارا ٹرانسفر کسی خوب صورت سی وادی میں ہونے والا ہے۔ پلیز مجھے ضرور ساتھ لے جانا.... تمہیں پتا ہے' مجھے خوب صورت وادیاں دیکھنے کا کتنا کریز ہے۔" وہ جوش سے گویا ہوئی.... پھر کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ "زیبا آپی کو بتاتی ہوں۔"

وہ ٹیرس کی ریلنگ پر جھکی نیچے زیبا سے باتیں کر رہی تھی' جب گیٹ کے اس پار ایک سیاہ لمبی سی گاڑی پانی کی طرح پھسلتی چلی آئی۔ اس کا لشکارا پورے منظر پر حاوی ہو گیا۔ وہ دونوں ہاتھ ریلنگ پر ٹکا کر سیدھی کھڑی ہوئی اور اعلان کے انداز میں بولی۔

"لیڈی توصیف ہمدانی تشریف لا رہی ہیں۔"

زیبا نے آن واحد میں کپڑوں کا ڈھیر دونوں بازوؤں میں دبوچا اور غڑاپ سے اندر.... برآمدے کے تخت پر سبزی کاٹتی بڑی اماں نے ٹوکری پرے کھسکائی اور دوپٹے کے پلو سے رگڑ رگڑ کر ہاتھ صاف کیے۔ چھوٹی امی مہمان کی پذیرائی کے لیے آگے بڑھیں جن کے ساتھ امارت کا مخصوص رعب و دبدبہ گھر میں دھنستا چلا آیا اور فوراً" ہی بڑی اماں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سیاہ بغیر آستین بلاؤز والی ساڑھی میں لپٹا وجود حسن' تمکنت اور وقار کا مجموعہ تھا۔ انداز میں ٹھہراؤ اور ہونٹوں پر ایسی دلفریب مسکراہٹ جو دیکھنے والے کو مسحور کرنے کے لیے ساتھ ساتھ مرعوب بھی کر دیتی تھی۔

یہ سونیا کی ممی تھیں۔ مسز منیبہ توصیف ہمدانی

رسمی سی ملاقات کے بعد وہ سیدھی سونیا کے کمرے میں چلی گئیں اور بڑی اماں نے ملازم کے لڑکے کو بیکری دوڑا دیا۔ دنیا جہاں کے لوازمات' جن کے بارے میں سب جانتے تھے کہ ان میں سے صرف کولڈ ڈرنک کے ایک دو سپ لیے جائیں گے۔

تو پھر کیا ہوا؟

آخر وہ اس گھر کی بہو کی ماں اور ان کی سمدھن تھیں۔

چھوٹی امی کے چہرے پر تفکر کی ہلکی سی لکیریں تھیں۔ انہوں نے سونیا کی آنکھوں کو سرخ دیکھا تھا اور ناشتے کے بعد سے وہ کمرے سے باہر بھی نہیں نکلی تھی۔ پون گھنٹے کے بعد جب ناشتے کے تمام لوازمات میں سے حسب توقع کولڈ ڈرنک کے چند سپ لینے کے ساتھ ہی وہ رخصت ہوئیں' انہوں نے اپنے اندر طمانیت کا احساس ابھرتے دیکھا تو حیرت سے خود سے سوال کیا۔ "کیا میں بھی ان سے مرعوب ہوں؟"



عاشر نے کھڑکی کھول کر نیچے جھانکا۔ یہ کھڑکی پچھلے صحن کی طرف کھلتی تھی اور اس میں سلاخیں بھی نہیں تھیں۔ وہ وہیں جھولے کے پاس چوکی پر بیٹھی تھی اور گل صنوبر اس کے بالوں میں تیل کی مالش کر رہی تھی ۔ نہ جانے کون سے قصے تھے' جو وہ اسے سنائے جا رہی تھی اور باتیں کرتے ہوئے حسب عادت اس کے دونوں ہاتھ متحرک تھے۔ لاکھ ٹوکنے کے باوجود وہ آدھی باتیں ہاتھوں کے اشارے سے کیا کرتی۔ عاشر ہمیشہ اسے چھیڑتا۔ "کیا انٹینا ہلائے بغیر تمہاری آواز صاف نہیں آتی۔"

تو کبھی کہتا۔ "اس کے ہاتھ باندھ دو تو یہ بات کرنا ہی بھول جائے گی۔"

لڑکپن میں ایسی ہی باتوں پر ان کی لڑائی ہو جاتی تھی۔

عاشر نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا' انگلیوں کی پوروں میں اس کی خواہش دبی تھی یا دل دھڑکتا تھا۔ اس نے ادھ کھلے گلاب کو لبوں سے چھو لیا۔ اسے ابھی واپس جانا تھا اور وہ چاہتا تھا جانے سے پہلے اپنی اس لاپرواسی کزن کو بتائے' دن ہو یا رات' کوئی بھی موسم ہو' کیسی بھی روٹین' جانے انجانے' وہ اسی کو سوچنے لگا تھا۔ وہ چنبیلی کی خوشبو جیسی لڑکی کب اس کے حواسوں پر چھاتی چلی گئی۔ خود عاشر کو بھی خبر نہ تھی' وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا۔

کیا یہ محبت ہے؟

اس نے کھڑکی بند کی اور خود اس کمرے میں آ گیا' جو زیبا اور بیلا کا مشترکہ تھا۔ بیلا کی ساری کتابیں اک ترتیب

سے الماری میں لگی تھیں مگر اک کتاب بیڈ کی سائیڈ پر اوندھی پڑی تھی۔ عاشر نے ہاتھ بڑھا کر کتاب اٹھائی۔ پہلا صفحہ کھولا' اس پر بیلا کا نام جگمگا رہا تھا۔ یہ کتاب پچھلی برتھ ڈے پر اس کی کسی سہیلی نے گفٹ کی تھی۔ عاشر نے ٹائٹل پر نگاہ دوڑائی۔

"خانہ بدوش۔" اک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔

"میں بھی خانہ بدوش ہوں' مگر یہ خانہ بدوشی مجھے راس نہیں آئی' اب کوئی ٹھکانا چاہتا ہوں۔"

اس نے وہ ادھ کھلا گلاب کتاب میں رکھا اور کتاب بند کر کے تکیے کے نیچے رکھ دی۔ وہ نہیں چاہتا تھا بیلا سے پہلے کسی کی نظر اس کتاب پر پڑے۔

اور جب وہ اس کتاب کو تلاشے گی اور کھولے گی تو۔

اک خوش گوار سے تصور کے ساتھ وہ تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا۔



زیبا کب سے نیٹ پر چیٹنگ میں مصروف تھی اور وہ موبائل پر اپنی سہیلیوں کے ساتھ میسجنگ میں۔۔۔ پھر اکتا کر موبائل ایک طرف رکھ کر زیبا کو دیکھنے لگی' اس کے ہونٹوں پر پھیلی مدھر مسکان ان کہے افسانے سنا رہی تھی۔

"فہد بھائی ہیں؟"

"ہوں۔" زیبا کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"میرا بھی سلام لکھ دو۔"

"لکھ دیا۔" وہ بے توجہی سے بولی۔

"دو گھنٹے سے تم چیٹ کر رہی ہو۔ آخر وہ کون سی باتیں ہیں' جو ختم ہی نہیں ہو رہی ہیں۔" زیبا کے انداز سے وہ ذرا سی جیلس ہوئی۔

"تم ابھی بچی ہو۔"

"اور یہ فہد بھائی وہاں پڑھنے کا بہانا کر کے بیٹھے ہیں۔ سارا وقت تو تمہارے ساتھ باتوں میں گزر جاتا ہے۔"

"تم کیوں جیلس ہو رہی ہو۔" وہ ہنسی۔

"میں کیوں جیلس ہوں گی' ایسی ہی بے تابی تھی تو تمہیں بھی ساتھ لے جاتے' نکاح تو ہو گیا تھا۔"

"سویٹی! یہ محبت کے معاملے تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گے' اس دوری میں بھی نزدیکیاں ہیں۔" اس نے غالباً "فہد کو گڈ نائٹ لکھ دیا تھا۔ تب ہی کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر کے کلینزر اٹھایا اور اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"اتنی فریش اسکن ہے' پھر بھی رگڑے لگاتی رہتی ہو۔"

"اسی لیے فریش ہے۔" وہ ہنسی' جب بھی اس کی فہد سے بات ہوتی ہنسی بات بے بات لبوں سے پھوٹتی۔

"وہ واپس کب آئیں گے؟"

"اوائل سرما میں۔"

"پھر فوراً" تمہاری رخصتی ہو جائے گی۔" بیلا آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

"ظاہر ہے۔"

"ایک بات تو بتاؤ' کیا یہ ضروری ہے کہ جس بندے کے ساتھ شادی ہو' اس کے ساتھ محبت بھی ہو جائے۔" دونوں ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ سجاتے ہوئے معصومیت سے سوال کیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی۔ اگرچہ فہد ان کا رشتے دار ہی تھا مگر زیبا اور اس کی بے تکلفی نکاح کے بعد ہی شروع ہوئی تھی۔ اب دونوں کا یہ حال تھا کہ ایک

دوسرے سے بات کیے بنا نیند ہی نہ آتی۔
"اللہ تعالیٰ نے اس رشتے میں ایک قدرتی کشش رکھی ہے' بیلا ڈیر۔"
"اگر تمہارا نکاح فہد کی جگہ کسی اور سے ہوتا تب بھی تم اس سے ایسی ہی محبت کرتیں۔"
"اللہ نہ کرے' کیا بے تکے سوال کر رہی ہو۔" زیبا نے دہل کر کہا اور کلپنز دوبارہ واپس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔
"تم سچ مچ ان سے محبت کرنے لگی ہو؟" بیلا مسکرا دی۔
"اب لائٹ بند کر دوں۔" اس نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔
"کر دو' میں نہیں چاہتی تمہارے خواب' ڈسٹرب ہوں' ویسے خواب سنسر پالیسی کو مد نظر رکھ کر دیکھتی ہو نا۔" بیلا نے شرارت سے پوچھا۔
"ہمارے تو اب ڈراموں میں بھی کوئی سنسر پالیسی نہیں رہی' تم خوابوں کی بات کرتی ہو۔" زیبا نے لائٹ بند کی تو وہ بھی تکیہ کھینچ کر لیٹ گئی۔ تب ہی ہاتھ کتاب سے ٹکرایا۔ اس نے کروٹ بدلی اور کتاب کو اندھیرے میں شیلف میں گھسا دیا۔ کبھی کچھ باتیں ان کہی ہی رہ جاتی ہیں۔ گلاب کی خوشبو کتاب کے صفحوں میں مقید ہو کر رہ گئی۔



زیبا کے لاکھ اکسانے کے باوجود وہ اس کے ساتھ انسٹی ٹیوٹ جانے پر رضامند نہ ہوئی' جہاں فرح مختلف قسم کے کورسز کر کے ٹائم پاس کر رہی تھی۔ اسے تو گھر میں رہ کر سونیا بھابھی سے مختلف چائنیز' اٹالین اور انگلش کھانے پکانا سیکھنے تھے۔ گل آپی سے کشیدہ کاری سیکھنا تھی۔ اس کا آگے پڑھنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اور اس کے اس فیصلے کو سب سے زیادہ عاشر نے سراہا۔ وہ جو اپنی سخت ترین روٹین میں بھی سوچتا' جب اس نے کتاب میں ادھ کھلا گلاب دیکھا ہو گا تو کیا سوچا ہو گا' اور فون پر اس کے لہجے میں کچھ الگ' کچھ ان کہی سی محسوس کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر وہاں تو وہی لاپروائی اور ازلی بے نیازی تھی۔ بس جلدی جلدی باتیں کیں اور ریسیور پھوپھو کو تھما دیا۔ یہ تک نہ پوچھا کہ "عاشر! تم کب آؤ گے؟ یا ہم سب تمہیں بہت یاد کر رہے ہیں۔" وہ خود ہی ان فقروں میں اپنے مطلب کی بات چن لیتا مگر بیلا کو تو سونیا بھابھی سے بریانی کی پوری ترکیب سیکھنا تھی۔
اور بریانی کا مسالہ تیار کرتے ہوئے دونوں کو خبر بھی نہ ہوئی' کب گیٹ پر سیاہ گاڑی رکی' کس نے دروازہ کھولا اور کب مسز منیبہ توصیف ہمدانی ان کے سر پر آ کھڑی ہوئیں۔ چھوٹی اور بڑی امی دونوں کسی کی عیادت کے لیے گئی تھیں۔
"ممّا۔" سونیا ٹھٹکی' پھر پذیرائی کو آگے بڑھی۔
"یہ اتار کر کمرے میں آؤ۔" ان کا اشارہ ایپرن کی طرف تھا۔ خود وہ تیزی سے پلٹ کر اس کے بیڈ روم میں چلی گئیں۔ فضا میں کچھ لمحے ان کی ہیل کی ٹک ٹک گونجتی رہی۔ پھر سونیا کو ہوش آیا۔ اس نے ایپرن اتارا۔ ہاتھ دھوئے اور ان کے پیچھے لپکی۔
"اب میں کیا کروں۔" بیلا نے اناڑی باورچی کی طرح ارد گرد پھیلے سامان کو دیکھا۔ پھر خیال آیا۔ یوں ہاتھ لٹکانے سے کچھ نہ ہو گا۔ عزت مآب مہمان کی خاطر داری کرنا ہے اور گھر میں اس کے سوا کوئی نہیں۔۔۔ منیبہ بھابھی بھی اپنے میکے گئی تھیں۔ اس نے فریزر سے کباب نکال کر باہر رکھے۔ خود کرسٹل کے نفیس گلاس میں کولڈ ڈرنک انڈیلی۔۔۔ مگر سونیا بھابھی کے کمرے میں داخل نہ ہو سکی کہ وہاں ماحول کچھ اور تھا۔
"یہ کمرے کی حالت کیا بنا رکھی ہے؟"
"ممّا! آج ملازمہ ابھی تک نہیں آئی تو۔" وہ گڑبڑا کر کمبل تہ کرنے لگی۔
"ملازمہ نہیں آئی یا تمہیں کچن سے فرصت نہیں ملی' اپنا حلیہ دیکھا تھا۔" وہ کسی انسپکشن آفیسر کی طرح ہر چیز کو

جانچ رہی تھیں۔ سونیا نے کچھ جھنجلا کر کمبل چھوڑا۔
"کیا ہوا مما! سب کچھ ٹھیک ٹھاک تو ہے۔"
"تم نے فیضان سے بات کی؟"
"کس بارے میں۔" وہ لب بھینچے بیٹی کو گھورتی رہیں، سونیا بیڈ پر بیٹھ گئی۔
"سونو! میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔" انہوں نے قریب بیٹھتے ہوئے نرمی سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ "کیا تمہیں ابھی تک احساس نہیں ہوا کہ تم نے کیا کچھ کھویا ہے۔"
"نہیں۔۔۔ کیونکہ یہ میرا اپنا فیصلہ تھا۔ میں نے فیضان سے محبت کی ہے۔ اور اسے پانے کے لیے کچھ بھی کھونے کو تیار تھی اور جہاں تک بات ہے علیحدہ گھر میں شفٹ ہونے کی تو وہ مجھ پر یہ بات واضح کر چکے تھے کہ وہ ابھی علیحدہ نہیں ہو سکتے اور مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں، میں یہاں خوش ہوں، آپ بار بار ایک ہی بات دہرا کر مجھے ڈسٹرب مت کریں۔" سونیا کو لگا اسے ماں سے دو ٹوک بات کرنا ہی ہوگی۔
"یہ گھر ہے؟"
"اب یہ ہی میرا گھر ہے۔" سونیا نے اعتماد سے جواب دیا۔ "یہاں کے لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ مان دیتے ہیں اور میں یہاں بہت خوش ہوں۔"
"نوکرین کر رہ گئی ہو۔"
"اپنے گھر کا کام کرنے سے کون نوکر بنتا ہے۔"
"تمہیں تمہاری دادی نے بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔۔۔ ورنہ اس لوئر کلاس کے فیضان سے شادی نہ کرتیں۔"
"ٹھیک۔۔۔ لیکن یہ سب آپ کو اس وقت سوچنا چاہیے تھا، جب مجھے دادی کے پاس چھوڑ کر فارن ٹور پر نکل گئی تھیں۔ بہر حال یہ لاحاصل بحث ہے۔ آپ کولڈ ڈرنک لیں گی یا کافی؟"
تب ہی باہر کھڑی بیلا کو ہوش آیا تو وہ ہڑبڑا کر اندر داخل ہوئی۔ انہوں نے اک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی۔
"چلتی ہوں، لیکن زندگی میں جب کبھی اپنی حماقت کا احساس ہو چلی آنا۔"
بیلا کی موجودگی سے سونیا خجل سی ہو گئی۔ وہ اپنے پیچھے اک بوجھل سی خاموشی چھوڑ گئی تھیں۔ بیلا نے سونیا کو دیکھا۔



فرح اپنے میاں کے ساتھ اچانک ہی وارد ہوئی۔ اس کے میاں کو یہاں کچھ کام تھا اور انہیں ایک ہفتہ یہیں رہنا تھا۔ وہ صبح کا گیا شام کو آتا اور فرح سارا دن سسرال میں گزرے پچھلے ماہ کے شب و روز انداز بدل بدل کر سناتی، روزرات کے کھانے کے بعد لاؤنج میں محفل جم جاتی۔ وہ تھی بھی بہت زندہ دل، اپنے قصوں میں کوئی نہ کوئی کیم لگا لیتی، سنیعہ، ابرار کو سلانے کے بہانے اٹھ جاتیں، گل صنوبر عشاء کے بعد نوافل اور تسبیحات میں مشغول ہو جاتیں، ایسے میں سونیا اپنی با مروت طبیعت کی بنا پر پھنس جاتی۔ فیضان بیڈ روم میں تنہا غصے میں کھولتے کروٹیں بدلتے رہتے اور جب تک سونیا اس سب سے جان چھڑا کر کمرے میں آتی، ان کا موڈ بگڑ چکا ہوتا یا وہ سو چکے ہوتے اور سونیا کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ گھر اور شوہر کے درمیان توازن کیسے رکھے۔
"سونیا! فیضان کو دودھ کا گلاس دے دیا تھا۔" فیضان کو کچن میں جاتے دیکھ کر چھوٹی امی نے نرمی سے اسے ٹوکا وہ فرح کے ساتھ کیرم کی بازی جمائے بیٹھی تھی۔ ہڑبڑا کر اٹھی۔ بیلا کچن میں سب کے لیے چائے بنا رہی تھی اور فیضان فریج کھولے کھڑے تھے۔
"دودھ سادہ لو گے یا۔۔۔" سونیا نے جلدی سے دودھ کا برتن نکالا مگر فیضان نے جھپٹ لیا۔ "خود ہی لے لوں گا۔" ان کا لہجہ بے حد سرد اور سپاٹ تھا۔ سونیا کی رنگت متغیر ہو گئی۔ بیلا دانستہ رخ بدل کر مگ نکالنے لگی۔ فیضان

نے دودھ گلاس میں نکالا گلاس مائیکروویو میں رکھا' پھر اوولٹین کا ڈبہ نکالنے لگے۔ سونیا تیزی سے باہر نکل گئی۔
"کچھ گڑبڑ ہے۔" بیلا کو شدت سے احساس ہوا۔ چائے لے کر لاؤنج میں گئی تو سونیا اور فیضان دونوں ہی وہاں نہ تھے۔ وہ سونیا کا کپ لے کر دانستہ ان کے کمرے کی طرف آ گئی مگر وہاں بہت گہری چپ دروازے کے دوسری طرف سرسرا رہی تھی۔ وہ متذبذب سی کھڑی رہی۔ دستک دے یا نہ دے' پھر کچھ سوچ کر واپس پلٹ آئی مگر اس رات ماں کے پہلو میں دبک کر ساری بات ماں کے گوش گزار کر دی۔
"ہاں' محسوس تو میں نے بھی کیا ہے' دونوں کے درمیان کچھ فاصلے ہیں۔" ماں کے دوسری طرف لیٹی فرح اٹھ بیٹھی' وہ تو سن کر ہی پریشان ہو گئی۔
"آپ کہیں تو میں بات کروں۔" فرح نے اپنی خدمات پیش کیں۔ شادی کے بعد وہ خود کو خاصا معتبر اور سیانا تصور کرنے لگی۔
"نہیں' ابھی تو کچھ بھی واضح نہیں' میں دیکھ لوں گی۔" انہوں نے منع کر دیا اور اگلے چند دن جائزے کے بعد انہیں مسئلے کی سنگینی کا اندازہ ہو گیا۔
جو باتیں ابھی معمولی تھیں' آگے جا کر بگاڑ کا باعث بن سکتی تھیں۔ انہیں افسوس سا ہوا' کہیں نہ کہیں چوک ہو گئی تھی۔ گھر کا توازن گھر کے بڑوں کے ہاتھ ہوتا ہے اور یہاں توازن بگڑ رہا تھا۔ منیبہ اکثر ابرار کے بہانے ادھر ادھر ہو کر ذمہ داری سے پلو بچا جاتی اور سونیا مروت میں بہت ذمہ داریاں خوامخواہ اپنے اوپر لیے بیٹھی تھی۔ اور وہ دونوں یعنی ثوبیہ اور ثمینہ گھر میں بہوئیں لا کر بے فکر ہو گئی تھیں۔ ثمینہ آپا کو بیرونی دوروں سے فرصت نہ تھی اور خود انہوں نے نہ جانے کب کے سنبھال کر رکھے شوق ابھی پورے کرنا تھے۔ ثمینہ آپا سے تو توقع ہی فضول تھی۔ وہ لاپروا خاتون تھیں' اب جو کچھ کرنا تھا خود ان ہی کو کرنا تھا۔



"فیضی! تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟" کھلی کھڑکی سے آواز باہر کو لپکی' تو پچھلے برآمدے میں سب سے چھپ کر بیر کھاتی بیلا کے کان کھڑے ہو گئے۔
"مسئلہ..... مجھے تو لگتا ہے ہمارے درمیان اب کچھ رہا ہی نہیں۔"
"جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہو۔"
"مجھے کچھ نہیں کہنا۔"
"واہ فیضان واہ..... میں تمہاری خاطر کیا سے کیا ہو گئی اور تم۔"
"تم نے جو کچھ کیا' اپنی خوشی سے کیا' اب پچھتا رہی ہو تو۔"
"میں نہیں پچھتا رہی' ہاں تم اور تمہارا رویہ ضرور پچھتانے پر مجبور کرے گا۔"
"اور تمہارا رویہ؟"
"کیا ہوا میرے رویے کو؟"
"تم بدل گئی ہو سونیا بیگم..... مجھ سے کتراتی اور بھاگتی ہو۔ تمہارے پاس وقت ہی نہیں میرے پاس بیٹھنے اور بات کرنے کا۔ کیا ثابت کرنا چاہتی ہو یہ صبح سے شام تک کچن میں گھس کر کہ ہم لوگ بہت ظالم ہیں۔ روایتی لوگوں کی طرح ساری ذمہ داریاں تم پر لاد رکھی ہیں' تمہارے....."
"خدا کے لیے فیضان اتنی بدگمانی' کچھ تو خیال کر دئیں دو' دو محاذوں پر نہیں لڑ سکتی ہوں۔"
"کون سے محاذ کھولے ہیں اور آواز دھیمی کرو۔" ساتھ ہی کھڑاک سے کھڑکی بند ہو گئی' وہ بگٹٹ ماں کی طرف بھاگی' انہوں نے پہلے بیلا کو ہی لتاڑا۔

"یہ دروازے کے ساتھ لگ کر کن سوئیاں لینے کی عادت کہاں سے پڑ گئی تمہیں۔"
"میں تو پچھلے برآمدے میں بیٹھی تھی۔" اس نے احتجاجاً "پاؤں پٹخے۔
"ٹھیک ہے جاؤ' کچھ کرتی ہوں" اور خبردار جو آئندہ ٹوہ لی۔"
"مجھے کیا ضرورت ہے' ہونہہ! میں نہ بتاتی تو پتا کیسے چلتا' خود تو سارا دن کالج گرلز کی طرح نت نئی کتابیں پڑھتی رہتی ہیں اور بڑی اماں... انہیں سیر سپاٹوں سے فرصت نہیں۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن میں آگئی۔

اور رات فیضان کے ساتھ ثوبیہ بیگم کی طویل نشست ہوئی اور اگلے دن گھر کے کام تقسیم کردیے گئے۔ جس پر سب سے زیادہ اعتراض سنبعہ بھابھی کو تھا۔ جن کے ذمے رات کا کھانا لگا۔ "ابرار تنگ کرتا ہے" اس کے سونے کا وقت..."

"بھئی ابرار کو ہمیں دے جایا کرو' آخر اس کی دو' دو دادیاں موجود ہیں۔"
انہوں نے خوش مزاجی سے اعتراض ٹالا ورنہ بڑی اماں تو دو' چار سنانے کو پر تول رہی تھیں۔ آخر انہوں نے بھی چار' چار بچوں کے ساتھ کچن سنبھالا تھا۔ وہ ایک وقت کا کھانا نہیں بنا سکتی تھی۔ سونیا کے ذمے دوپہر کا کھانا تھا۔ اب وہ شام کو فری تھی۔ سو' میاں کے ساتھ کہیں بھی سیر سپاٹے یا خاندان میں نکل سکتی تھی۔ زیبا کو شام کی چائے ملی' وہ سستا چھوٹ جانے پر خوش تھی۔ شامت بیلا کی آئی' جس کے ذمے صبح کا ناشتا تھا۔
"میں ہی کیوں؟"
"بعد میں سارا دن فارغ بھی تو ہوگی۔" بڑی اماں نے پچکارا۔
"ہاں' صبح صبح اٹھو' کسی کو پراٹھے چاہئیں تو کسی کو آملیٹ' کبھی بریڈ' تو کبھی فرائی انڈے' مجھ سے تو ہمیشہ زردی ٹوٹ جاتی ہے۔"
"کوئی بات نہیں' ہم وہ ٹوٹا پھوٹا انڈہ کھالیں گے' ہمیں یقین ہے وہ ہمارے پیٹ میں کوئی ٹوٹ پھوٹ نہیں مچائے گا۔" زیبا نے دندیاں نکالتے ہوئے تسلی دی۔
"بڑے ابا چھ بجے بیڈ ٹی لیتے ہیں۔" وہ روہانسی ہوئی۔
"اچھی بات ہے تمہاری فجر کی نماز نہیں چھوٹے گی' جس کا آئے دن بہانا کرتی ہو۔"
"ہاں... تم تو پانچ وقت کی نمازن ہو۔" وہ لڑنے کو تیار ہوئی۔
"بیلا! مجھے لڑکیوں کا زیادہ بکواس کرنا پسند نہیں۔" امی نے "راجہ گدھ" سے نظریں ہٹا کر سکون سے کہا اور اس کی بولتی بند ہوگئی اور یوں اک بڑا مسئلہ ثوبیہ بیگم کی مداخلت اور بروقت اقدام سے خود بخود دب گیا۔
شام کو سونیا تیار ہو کر ان سے دعا لینے آئی تو انہوں نے اس کی نظر اتارتے ہوئے پیار سے سمجھایا۔
"میں جانتی ہوں' تم یہ سب اس گھر کو اپنا بنانے کے لیے کررہی تھیں' لیکن سونیا! تمہاری سسرال روایتی سسرال نہیں ہے' جہاں جگہ بنانے کے لیے دن رات گھن چکر بننا پڑے۔ یہاں کے مکین ہر آنے والے کو بصد احترام اس کی جگہ دے دیتے ہیں' تم ہم سب کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہتی ہو' ہمیں بہت اچھا لگتا ہے' اور قدر بھی ہے۔ تم جو اتنی آسائشوں سے نکل کر یہاں ایڈجسٹ کررہی ہو' لیکن ایک بات یاد رکھو' تمہاری اولین ذمہ داری تمہارا شوہر ہے' جس کے حوالے سے تم یہاں ہو' شوہر اور گھر میں توازن رکھنا سیکھ لوگی تو بہت خوش رہوگی۔"

"جی امی۔" اس نے سعادت مندی سے کہا۔
"ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔" فیضان کلائی پہ گھڑی باندھتا اندر آیا۔
"فیضی! آج میری بہو کو ڈنر باہر کروانا۔"

"امی! آپ کا بیٹا خاصا غریب ہے۔" اس نے دہائی دی۔
"ہاں۔۔۔ یہ غریب بیٹا مہینے میں ایک 'وو ڈنر' تو افورڈ کر سکتا ہے۔"
"بیلا! تم بھی چلو۔" سونیا نے مروتاً کہا' وہ جو ابھی تک خاموشی سے سب سن رہی تھی۔ پرجوش ہو اٹھی' مگر اس کی ہاں ماں نے اپنے پیر سے دبائی تھی' وہ لبوں سے اٹھتی چیخ کو دباتی سابقہ پوزیشن میں بیٹھ گئی۔
"کیا تھا' جو میں چلی جاتی۔" دونوں کے جانے کے بعد وہ اپنا پیر سہلاتے ہوئے بولی۔
"کباب میں ہڈی والا محاورہ سنا ہے؟" ماں نے عینک کے پیچھے سے جھانکا۔ "شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ جایا کرنا۔"
"اچھا۔۔۔ جو میری ساس آپ جیسی دیالونہ ہوئی تو' یا میری شادی ہی نہ ہوئی۔" وہ چمک کر بولی تو پاس ہی ابرار کے ساتھ مشغول ثمینہ تڑپ اٹھیں۔
"خدا نہ کرے' اللہ سب بچیوں کو اپنے گھر بار کا کرے' وہ ایک بدنصیب کافی نہیں۔" ان کی آواز بھرا سی گئی' بیلا نے چونک کر دونوں کو دیکھا۔ وہ یقیناً "گل صنوبر" کی بات کر رہی تھیں۔
"بڑی اماں! آپ فکر نہ کریں۔ ان شاء اللہ گل آپی کی شادی بہت اچھی جگہ ہوگی۔" اس نے نادانستگی میں ان کے زخم چھیڑ ڈالے۔
"گل اتنی بخت آور ہوتی تو وہ اسے یوں ٹھکراتا؟" وہ زیر لب بڑبڑائیں۔ اس سے قبل کہ بیلا کوئی سوال کرتی ماں نے ڈانٹ کر اٹھا دیا۔
"جاؤ' اپنی پھوپھو کو دیکھ آؤ' آج صبح سے نیچے نہیں آئیں۔"
وہ کچھ الجھتی اوپر گئی تو پھوپھو مزے سے خراٹے لے رہی تھیں۔ وہ دبے پاؤں واپس آ گئی۔



فضا میں آتی بہار کی آہٹیں اور کلیوں کے چٹکنے کی صدائیں گھلی ملی تھیں۔ دھوپ چلچلاتی اور کمروں میں خوش گوار ٹھنڈک کا احساس' ایسی خوش گواریت جس میں خوامخواہ آنکھیں بند ہونے لگتیں۔
پھوپھو نیچے آئیں تو ساتھ ہی ذکی کے پاکستان آنے کی خبر بھی آ گئی۔ ان کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے آنکھیں نم۔ اتنے سالوں کے بعد بیٹا پردیس سے آ رہا تھا۔
"میں تو سمجھی تھی' اب جیتے جی اس کی شکل نہیں دیکھ پاؤں گی۔"
"ایسا کیوں کہتی ہیں' کیا شائستہ بھی ساتھ آ رہی ہے۔" ثوبیہ بیگم نے پوچھا۔
"نہیں ابھی تو اکیلا ہی آئے گا۔" ایسا کہتے ہوئے ان کے لہجے میں ہلکی سی یاسیت گھل گئی۔ بیٹے کی بے اولادی کا دکھ انہیں اندر ہی اندر کھا رہا تھا۔ ثمینہ خاموش سی تھیں۔ زیبا نے اس خبر کو نارمل ہی لیا' جبکہ بیلا پرجوش تھی۔ وہ بچپن ہی سے ان سے بہت متاثر تھی۔
"گل آپی! آپ کو پتا ہے ذکی بھائی آ رہے ہیں۔" انہیں اطلاع دینے والی بیلا ہی تھی۔ وہ کچھ لمحے ساکت سی رہ گئی۔ دور سے اذان کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے آہستگی سے دوپٹہ سر پر پھیلاتے ہوئے سوچا۔
"میں جانتی تھی' تم اسی موسم میں لوٹ کر آؤ گے۔"



"تم نے خانہ بدوش پڑھ لی۔"
وہ دونوں آج بھی اس گھر کے ننھے بچے تھے۔ جو سب کی نظر بچا کر پچھلے برآمدے میں ایک دوسرے سے زمانے

بھر کی شکایتیں لگانے اکٹھے ہوئے تھے۔ سامنے جھولے پر صنوبر کا سامان بکھرا تھا اور کچن میں ہوتی کھٹ پٹ بتاتی تھی کہ صنوبر وہیں ہے۔
"مجھے سفرنامے اچھے نہیں لگتے۔ اچھا بھلا اپنا گھر چھوڑ کر مارے مارے پھرتے رہو۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔ چائے کا کپ اپنے اور اس کے درمیان رکھ لیا۔
اوپر کی منزل پر نیا رنگ روغن کروایا جا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ بڑی اماں کی بڑبڑاہٹیں اور غصہ بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ خوامخواہ سب سے الجھنے لگتیں۔ ثوبیہ بیگم چپکے چپکے انہیں کچھ سمجھاتی رہتیں اور جب وہ اکتاتیں تو خاندان کے دورے پر نکل جاتیں۔
"اچھا۔" عاشر کے لہجے میں ہلکی سی مایوسی در آئی۔ اس نے گردن موڑ کر سبز کپڑوں میں ملبوس لاپروا سی لڑکی کو دیکھا، جو اس سے دنیا جہاں کی باتیں کر جاتی تھی مگر وہ اس سے اپنے جذبات، ایک نئے اور اچھوتے احساس کو بیان نہیں کر پا رہا تھا۔ اس نے بیلا کا رکھا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔
"اوں ہوں..... میری جھوٹی کیوں پی رہے ہو میں اور لا دیتی ہوں۔"
"بچپن سے لے کر آج تک ہم نے ایک دوسرے کی ہر چیز شیئر کی ہے۔ خواہ وہ لسی کا ایک گلاس ہی کیوں نہ ہو، پھر آج یہ احساس کیوں؟" اس نے کپ نہیں رکھا۔
"امی کہتی ہیں، اب تم بڑی ہو گئی ہو۔"
"ہاں..... وہ تو ہے۔" عاشر نے ایک بار پھر اسے غور سے دیکھا۔ اب وہ اس کے سامنے دوپٹہ خوب پھیلا کر اوڑھتی تھی۔
"دیکھو عاشر! نئی کلیاں چٹکنے لگی ہیں۔"
"ہاں، وہ تو ہے۔" اس کا لہجہ و انداز دونوں ہی بدلے۔
"پھر سفید، اور پیلی تتلیاں آئیں گی، یاد ہے تم مجھے تتلیاں پکڑ کر دیا کرتے تھے۔"
"ہاں، وہ تو ہے۔"
"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔" بیلا نے مشکوک نگاہوں سے دیکھا تو وہ سنبھل گیا۔
"اچھا عاشر! ذکی بھائی سے ایک موبائل کی فرمائش ہی کر دو۔"
"کیوں، میرے پاس تو آل ریڈی ہے۔"
"بدھو، میرے لیے۔"
"آئندہ مجھ سے اس ٹون میں بات مت کرنا، ورنہ....." اس کا بدھو کہنا بہت برا لگا تھا۔
"سوری، کہہ دو گے نا۔"
"دیکھوں گا۔"
"گھر میں سب کے پاس ہے۔"
"سب کو ضرورت ہے۔" اس نے چائے ختم کی۔
"فرح کو کیا ضرورت ہے، سوائے سارا دن اپنے منگیتر کے ساتھ باتیں کرنے کے۔"
"تو تمہیں کیوں ضرورت پڑ گئی۔"
"تو میں بھی تو....." کچھ کہتے کہتے زبان لبوں تلے دبالی۔ عاشر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
"واہ..... منگنی ہوئی نہیں اور موبائل پہلے سے ارینج کیا جا رہا ہے۔"
بیلا نے غصے و خجالت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کپ اس کے ہاتھ سے جھپٹا تو عاشر نے اس کا ہاتھ تھام لیا،

پھر بچوں کی طرح پچکار کر بولا۔
"اچھا، وعدہ، تمہیں موبائل میں گفٹ کردوں گا۔"
"ہونہہ! مجھے نہیں چاہیے۔" وہ ہاتھ چھڑا کر پچھلے دروازے سے کچن میں چلی گئی۔ عاشر نے دونوں ہاتھ عقب میں رکھے اور پاؤں پھیلاتے ہوئے گنگنانے لگا۔

حقیقت، خواب تو
تو ہی



ادھ کھلی چاندنی، خاموش فضا، ہوا چنبیلی کے جھاڑ میں پتے اوڑھے سو رہی تھی۔ اس کی ہلکی سی کروٹ پر پھول اوڑھے سفید تتلیاں کسمساتیں، ہلکے سے پھڑپھڑاتیں اور پھر سے محو خواب ہو جاتیں۔
"کیا تتلیاں بھی رات کو نیند اوڑھتی ہیں۔"
اس نے اک بے تکے سے خیال کے ساتھ اپنی سوچ کے زاویوں کو بھٹکانا چاہا۔
"کیا ان کی آنکھیں بھی خواب دیکھتی ہیں۔"
ہلکی سی جنبش سے جھولا چرخ چوں، چوں، کرنے لگا تو وہ اپنے ہی خیالوں سے چونکی اور گڑبڑا گئی، سوال ہی ایسا تھا۔
"تمہاری نیندوں نے پہلی بار خواب کا ذائقہ کب چکھا۔"
پہلی اور آخری بار؟
اس نے ادھر ادھر دیکھا، ریشمی سفید دوپٹہ سر سے سرک گیا۔ اسے لگا وہ اپنے ہی سامنے بے نقاب ہو گئی ہے۔
اپنی دانست میں دھیان کے طاقچے میں سارے چراغ بجھائے بیٹھی تھی تو آج یہ ہلکی سی روشنی کیوں؟
کس نے بے خواب اندھیاری راتوں کی دہلیز پر دھرا، بجھا دیا پھر سے جلا دیا تھا۔
یہ سمجھتی تھی کہ وہ سب کچھ بھول گئی، مگر سرہانے رکھے یادوں کے گلاب اب بھی تر و تازہ تھے۔ پہلا خواب، وہ یہیں اسی آنگن میں جب لیموں کے سفید پھولوں پر پیلی تتلیاں منڈلاتی تھیں اور زرد چنبیلی اپنے جوبن پر تھی۔ دا جی نے اسے اپنے بازوؤں میں لے کر اعلان کیا تھا۔
"یہ میرے ذکی کی دلہن بنے گی۔"
تب پہلی بار معصوم ہاتھوں نے گڑیا کو دلہن بناتے بناتے ٹیکا اپنے ماتھے پر سجا کر دیکھا اور شرما گئی تھی، زیست کا ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ، اس نے خود کو ذکی کی امانت سمجھا اور جب وقت آیا تو وہ سرے سے انکاری تھا۔ اک اضطرابی لہر اٹھی اور دوپٹہ کندھے سے پھسل کر گود میں آگرا۔ اس نے گھبرا کر ننگے پاؤں نیچے رکھے، وہاں اس کے ادھورے خواب کی کرچیاں بکھری تھیں۔ وہ چاہتی تو بھی خود کو لہولہان ہونے سے بچا نہ پاتی اور یہاں تو زخم بھی عزیز تھے۔ اس نے کس حوصلے سے اپنے محبوب کو رخصت کیا۔

تم جاؤ
سمندر، سمندر اپنی پیاس بجھاؤ
جن آنکھوں میں اترو
جس دل میں ڈوبو
میری تنہائی تمہیں آواز نہ دے گی

اور اس نے آج تک اسے کبھی نہیں پکارا۔ کبھی اپنی راکھ ہوتی جوانی کا حساب نہ مانگا کہ حساب کتاب تو برابری میں ہوتا ہے۔ وہ تو در پر بیٹھی سوالی تھی۔ جسے چاہو تو چند سکے دان کردو، چاہو تو دھتکار دو..... اور وہ دھتکار دی گئی تھی،

اس کا کشکول خالی کا خالی رہا۔

"کہاں میں اور کہاں وہ۔ ایف اے پاس بے وقوف سی لڑکی کیا میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکتی ہے؟ یوں بھی میں اس بچپن کی منگنی ونگنی کو نہیں مانتا۔ میں شائستہ سے شادی کر رہا ہوں اور بس۔"

اور اس ایف۔ اے پاس بے وقوف لڑکی نے یہ سب کس صبر اور حوصلے سے سنا' بنا آنکھ سے آنسو بہائے۔ محبت کی کتاب بند کر کے سنبھال کر دل کے طاق میں سجائی اور خود رب سے لو لگالی۔ حال دل محرم راز جان سکتا ہے اور رب سے بڑا محرم کون ہو سکتا تھا' لیکن آج لگا وہ تو صدیوں سے خود کو اور رب کو دھوکا دیتی آئی ہے۔ یا شاید صرف خود کو کہ رب کو دھوکا کون دے سکتا ہے۔ وہ تو اک ایسی ماں کی طرح جو بچے کی ہر غلطی اور نقصان کو جانتے بوجھتے انجان بننے کا کھیل کھیلتی اپنے دامن میں سمیٹ کر تھپکنے لگتی ہے' وہ بھی شفقت سے اسے اپنی پناہ میں لے کر مسکراتا رہا تھا۔ اسے ایک دم بے پناہ رائیگانی کے احساس نے نڈھال کر دیا تو گھٹنوں میں سر چھپا کر بے آواز سسکتی چلی گئی۔

"تو نے مجھے قبول ہی نہیں کیا۔ ورنہ وہ آج بھی میرے اندر کیوں بستا؟ یا میرے اندر ہی خلوص نہ تھا۔ میرے سجدے ہی بے کار تھے۔ مجھے اپنا بنا لے یا اسے مجھے بخش دے کہ میں دو کشتیوں میں سوار نہیں ہو سکتی۔"

وہ آپ ہی اپنی دعا پر ٹھٹک گئی۔ گزرے ماہ و سال میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہ تھا کہ اس نے رب سے ذکی کو مانگا ہو۔

یا شاید ہر لمحہ مانگا ہی اسی کو تھا۔

دل کا چور آج آنگن میں دندناتا پھر رہا تھا۔

ادھ کھلی چاندنی میں تیز ہوتی کال بیل نے سوئے ہوئے مکینوں کو ہڑبڑا دیا۔

وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔ دوپٹہ اس کے پیروں میں آ گرا تھا۔



"گڈ مارننگ بے بی۔"

وہ بڑی سرعت سے آملیٹ بنا بنا کر بڑی سی پلیٹ میں رکھ رہی تھی' جب عقب میں آواز سن کر پلٹی۔ وہ سلیپنگ گاؤن میں ملبوس ایک ہاتھ میں سگار دبائے فریش موڈ کے ساتھ اسے دیکھ رہے تھے۔

"گڈ مارننگ۔" وہ مسکرائی۔ ۔۔۔ وہ آج بھی ویسے کے ویسے تھے شان دار' اور چھا جانے والے۔

"اس گھر میں پہلی صبح آپ کو خوش آمدید کہتی ہے۔" وہ شرارت سے گویا ہوئی۔

"او تھینک یو لیڈی۔" انہوں نے سر کو ہلکے سے خم کیا۔

"ناشتے میں کیا لیں گے۔ ویسے آپ اتنی صبح کیسے اٹھ گئے۔"

"رات بھر نیند ہی نہیں آئی' کافی ملے گی؟"

"ٹائمنگ کا فرق ہے نا۔" اس نے آخری آملیٹ پلیٹ میں نکالا اور کیبنٹ کھول کر کافی کے لوازمات نکالنے لگی۔

"تم اپنا کام سمیٹو میں بنا لیتا ہوں۔"

"میں بنا دیتی ہوں۔" وہ جانتی تھی اگر کسی نے ذکی کو یوں پہلی صبح کچن میں کام کرتے دیکھ لیا تو اس کی خیر نہیں' پھوہڑپن کی مہر لگ جائے گی۔

"مجھے کافی صرف اپنے ہاتھ کی اچھی لگتی ہے۔" ذکی نے مگ اس کے ہاتھ سے پکڑ لیا اور پوچھنے لگے۔

"باقی لوگ اٹھے نہیں۔"

ں ھر میں اگر کوئی کام کی بندی ہے تو وہ میں ہوں۔" اس نے فخر سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ "اب یہ ہی دیکھ
یں۔ صبح نماز کے فوراً بعد سب کو بیڈ ٹی پہنچانا میرا کام ہے ناشتے کے اتنے ڈھیر سارے لوازمات بنانا کسی اور کے
بس کی بات کہاں۔ اور...."

وہ آملیٹ کے بعد اب دلیہ بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ بات کرنے کے انداز میں بلا کی روانی اور بے ساختگی تھی۔ اک بنے تلے ماحول سے نکل کر یہ خالص پن اور جوش بڑے عرصے کے بعد نصیب ہوا تھا۔

وہ گھونٹ گھونٹ کافی پیتے دلچسپی سے سنتے رہے۔ اسے بولنے کا شوق تھا اور کافی ختم ہونے تک ذکی کو خاندان کے بارے میں وہ ساری معلومات مل گئیں جو آج تک فون پر نہ مل سکی تھیں۔

"یہ کس کے لیے؟" اس نے ٹرے میں صرف دلیہ اور دودھ پتی کا مگ رکھا تھا۔

"گل آپی کے لیے۔ انہیں رات سے بہت تیز بخار ہے' دوا کھلانا ہے۔"

"سنو! یہ بڑی اماں نے تمہاری گل آپی کی شادی کیوں نہیں کی ابھی تک؟" بڑی سرعت سے سوال کیا گیا۔

بیلا نے ایک لمحے غور کیا' پھر لاعلمی سے کندھے اچکا دیے اور ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی جبکہ وہ خالی مگ سنک میں رکھتے کچن کے اس دروازے پر آ گئے' جو پچھلی طرف کھلتا تھا۔ لیموں کی ہلکی ترش مہک لیے سپید کلیاں' انار کے نارنجی پھول اور زرد چنبیلی۔ ہوا تیز تھی اور نیچے ان پھولوں کا ایک فرش سا بچھا تھا اور وہ جھولا' جس کی ہر ہر کڑی کو زنگ کھانے لگا تھا۔ وہ خاموشی سے — جھولے کے پاس آ کھڑے ہوئے۔ ان کے اردگرد ان کا بچپن کھیلنے لگا۔ انہیں ایک بار بھی خیال نہیں آیا کہ بیمار گل کی مزاج پرسی ہی کر آئیں۔ یہاں تک کہ فیضان انہیں ناشتے کے لیے بلانے آ گئے۔



اگلے کچھ دن خاصے ہنگامہ خیز رہے۔ ذکی کی وجہ سے نت نئے پروگرام بنتے۔ انواع و اقسام کے کھانے بنتے۔ وہ سب کے لیے مختلف تحائف بھی لائے تھے۔ ایک عدد شاندار موبائل بھی۔ مگر وہ سیل فون عاشر کے لیے تھا' جو بھائی کی آمد کا سن کر محض دو گھنٹے کی چھٹی لے سکا تھا۔ وہ بیلا کو ڈھونڈتا بڑی امی کے کمرے میں آیا۔ وہ گل کا سر دبا رہی تھی۔ عاشر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ بظاہر لاپروا نظر آنے والی لڑکی سب کا بے حد خیال رکھتی تھی۔ وہ دوسری طرف بیٹھ کر گل کی خیریت پوچھتا۔ کن انکھیوں سے بیلا کا پھولا ہوا منہ دیکھ رہا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا' بیلا یوں ہی ناراض تھی۔ آخر اسے پوچھنا ہی پڑا۔

"یہ تم نے ناراض بلی جیسا منہ کیوں بنایا ہے۔"

بیلا نے غصے سے اسے گھورا۔ "تم چیٹر ہو۔"

"میں نے کسے چیٹ کیا ہے؟" وہ حیران ہوا۔

"تم نے ذکی بھائی سے سیل فون کی فرمائش کی مگر اپنے لیے۔ تم کتنے خود غرض ہو۔" وہ غصے سے بول رہی تھی اور عاشر مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

گل صنوبر نے دونوں کو ایک نظر دیکھا۔ پھر لاتعلقی سے چادر منہ تک کھینچ لی' عاشر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکالا اور ذرا آگے کو جھکتے ہوئے اس کی گود میں ڈال دیا۔ بیلا نے تحیر سے موبائل کو' پھر اسے دیکھا۔

"ہاں' تم رکھ لو۔"

"نہیں' میں نہیں رکھ سکتی۔"

"رکھ لو' تمہیں اپنے منگیتر کے ساتھ لمبی لمبی باتیں نہیں کرنا کیا؟"

"بدتمیز' مذاق اڑاتے ہو' میں نے تو یوں ہی ایک بات کی تھی۔" وہ موبائل کو الٹ پلٹ رہی تھی' پھر مایوسی سے

اس کی طرف بڑھا دیا۔
"یہ بہت خوب صورت اور قیمتی ہے۔ میرے پاس کسی نے نہیں چھوڑنا۔ کوئی نہ کوئی لے لے گا۔"
"اوہ... تو پھر تم اپنے فیانسی سے باتیں کیسے کرو گی؟" وہ مصنوعی فکر مندی سے کہنے لگا۔
"تمہیں میرے فیانسی کی اتنی فکر ہے تو اپنا پرانا موبائل مجھے دے دو' یہ تم رکھ لو۔" اس نے آرام سے حل نکالا۔
"واقعی۔"
"ہاں... "کسی کو اعتراض بھی نہ ہوگا۔ میں کہوں گی' عاشر کے پاس فالتو رکھا تھا' اس نے مجھے دے دیا۔" وہ خوش ہو کر بولی تو عاشر اک طویل سانس لے کر رہ گیا۔
میں تمہیں فالتو چیز نہیں دینا چاہتا دوست۔ پر اس وقت یہ ہی مناسب ہے۔
شام کو وہ عاشر کے پرانے موبائل میں نئی سم ڈالے اتراتی پھر رہی تھی۔



"جب سے گل کا بخار اترا ہے' بالکل ہی خاموش ہو گئی ہے۔" تائی اماں فکر مندی سے کہہ رہی تھیں' وہ جو تیل کی شیشی اٹھائے' بال بکھرائے چلی آرہی تھی' فوراً" ہی بول اٹھی۔
"وہ تو ہمیشہ ہی کم بولتی ہیں' تیل لگا دیں۔" اس نے ماں کی طرف شیشی بڑھائی۔
انہوں نے "خاکم بدہن" سے نظریں اٹھا کر پہلے آپا کو ایک ہوں سے نوازا' پھر اسے حکم دیا۔
"گل سے لگوالو۔"
"آپ کا صبح پرچہ ہے؟" وہ چڑ کر بولی تو انہوں نے گھور کے اسے دیکھا۔
"ساری عمر لگا دی' اس گھر کو سنبھالنے' مہمان داری اور تم لوگوں کو پالنے پوسنے میں' تمہارے اسکولوں' کالجوں کے مسئلوں سے نبٹتے نبٹتے اس عمر میں اپنے شوق کی تسکین کرنے لگی ہوں تو بیٹی کو تکلیف ہو رہی ہے۔"
"اچھا... تائی امی! آپ تو خیر' ساری زندگی عیش ہی کرتی رہیں۔"
وہ ابھی تک گل کی چپ میں الجھی تھیں' سو جواب نہ دیا' البتہ ماں کی اک تنبیہہ بھری نگاہ نے وہاں سے کھسکنے پر مجبور کر دیا۔ گل ہاتھ میں فریم لیے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ بیلا نے محسوس کیا' وہ کل سے اسی ایک پھول پر اٹکی تھی۔
"گل آپی! کیا ہوا ٹانکا بھول گیا۔" وہ جان بوجھ کر زور سے بولی تو گل چونک گئی' پھر سر جھکا کر پھول کو گھورنے لگی۔
(دھیان کا ایک ٹانکا بھی غلط لگ جائے تو جذبوں کے پھول بے وقعت سے لگنے لگتے ہیں۔)
"کتنا خوب صورت دوپٹہ ہے نا۔" بیلا نے شیشی ایک طرف رکھی اور اس کا دوسرا پلو اٹھا کر دیکھنے لگی' جو مکمل ہو چکا تھا۔ وہ یہ دوپٹہ زیبا کے جہیز کے لیے بنا رہی تھی۔
"ایسا ایک دوپٹہ اپنے جہیز کے لیے بھی کاڑھیں۔" اس نے عجیب سی فرمائش کی۔
"سرخ دوپٹے ہر کسی کا نصیب نہیں ہوتے بیلا! تمہارے لیے بنا دوں گی۔"
"خوامخواہ۔" بیلا نے چمک کر کہا اور پھر اک عجیب سی حرکت کی۔ وہ سرخ دوپٹے کا پلو ان کے سر پر ڈال چکی تھی۔
"ارے واہ! آپ تو بنا سنگھار کے بھی دلہن لگتی ہیں۔" وہ کھلکھلائی۔
گل اپنی جگہ ششدر سی رہ گئی۔ اس نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنا چاہا' پھر چہرے کا رنگ بالکل زرد ہو گیا۔

سیڑھیوں کے کنارے ذکی کھڑے ان ہی کو دیکھ رہے تھے۔
ساوی نے اپنی چنری رنگ ساز کی گود میں پھینکی اور کہنے لگی۔
رنگ ساز میری چنری سرخ رنگ نہ رنگنا کہ سرخ ملن کا رنگ۔
اور میرا پریتم سمندر پار ہے۔
اے رنگ ساز! میری چنری لاجوردی نہ رنگنا کہ لاجورد امید کا رنگ۔
اور میرے ساجن نے نہ لوٹنے کی قسم کھائی ہے۔
ہاں! اسے سرمئی رنگ دے کہ سرمئی ہجر کا رنگ۔
اور یہ ہی میرا سنگھار ہے۔
"دیکھا ذکی بھائی! گل آپی کتنی پیاری لگ رہی ہیں۔"
"کیسی ہو گل! تمہارا بخار اتر گیا۔" وہ عام سے لہجے میں کہتے قریب آئے۔
سرخ آنچل ڈھلک کر گل کی گود میں آگرا' وہ گھبرا کر اپنا سرمئی دوپٹہ ٹھیک کرتی منہ ہی منہ میں بدبدائی۔
"ٹھیک ہوں۔" پھر تیزی سے اٹھ کے کچن میں چلی گئی۔
"یہ تمہاری گل آپی کچھ بدل نہیں گئیں۔" انہوں نے وہ ہی دوپٹہ ہاتھ میں لے کر ادھورے پھول کی خالی پتی پر انگلی پھیری۔
"نہیں' بچپن سے ایسی ہی ہیں۔"
"کس کے بچپن سے...."
"میرے بچپن سے۔" وہ ہنس دی۔
"اچھا... تم بھی بچپن سے ایسی ہو۔" انہوں نے اس کی طرف جھکتے ہوئے شرارت سے پوچھا۔
"میں بچپن میں خاصی شریف ہوا کرتی تھی۔"
"اچھا تو اب؟"
دونوں کھلکھلا کر ہنس دیے۔
کچن میں کانچ کا گلاس گل کے ہاتھ سے پھسل گیا۔



رات کو سفیان اور فیضان نے ذکی کو گھیر لیا۔
"سچ سچ بتاؤ' شائستہ نے تمہیں پاکستان آنے کی اجازت کیسے دے دی۔"
"مجھے اس کی اجازت کی ضرورت نہیں۔"
"جانے دو' خوب جانتے ہیں تم کتنے پانی میں ہو۔"
"بھئی' یہاں میری ماں ہے ہم لوگ ہو میں کبھی بھی آسکتا ہوں۔"
وہ اطمینان سے چائے کی چسکیاں لے رہے تھے' جو ابھی ابھی بیلا دے کر گئی تھی۔ اس کا ارادہ تو بیٹھنے کا تھا مگر فیضان کی گھوری نے اٹھنے پر مجبور کر دیا مگر دروازے سے کان لگانے پر اسے کون روک سکتا تھا۔ موضوع ہی ایسا تھا۔
"ماں ہمیشہ سے یہیں ہے اور میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں' شروع سے خود غرض واقع ہوئے ہو۔ سچ بتاؤ' ماں سے کون سا کام آن پڑا۔" فیضان نے صاف صاف جتا دیا۔ مزید لقمہ سفیان نے دے دیا۔
"ہاں... شائستہ بھی اسی کی کاپی ہے' بنا مطلب کسی سے ہاتھ ملانے کی روادار نہ ہوتی تھی۔"

"یار! تم لوگ تو پیچھے ہی پڑ گئے ہو۔"
"تم سچ اگل دو۔"
ذکی نے ایک نظر دونوں کو دیکھا' پھر اک طویل سانس لے کر مگ رکھ دیا۔ گویا اب فرار ممکن نہ تھا۔
"دوسری شادی کرنے آیا ہوں۔"
دونوں نے تحیر سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ بیلا نے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ کر باہر نکلتی آواز کا گلا گھونٹا۔
"کیوں؟"
"کیونکہ شائستہ کبھی ماں نہیں بن سکتی۔" اس نے انکشاف کیا۔
"مگر میڈیکل سائنس بہت ترقی کر چکی ہے' ٹیسٹ ٹیوب بے بی۔"
"سب کچھ کر چکے ہیں۔" ذکی نے تحمل سے بات قطع کی۔ "مگر کچھ ایسی کمپلیکشنز ہیں کہ کچھ بھی ممکن نہیں۔"
"تو کوئی بے بی ایڈاپٹ کر لو۔" کچھ دیر کے بعد سفیان نے مشورہ دیا۔
"وہ میرا خون ہو گا؟" ذکی نے پوچھا تو وہ خاموش ہو گئے۔
"شائستہ جانتی ہے؟"
"ہوں... اس کی اجازت کے بغیر ممکن ہی کہاں ہے۔"
کچھ لمحے خاموشی سی چھائی رہی' گویا ہر کوئی اس معاملے کے ہر پہلو پر غور کر رہا تھا' پھر سفیان نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔
"ٹھیک ہے' پھر یہ ہی مناسب ہے' پھر تم دو بیویاں افورڈ بھی کر سکتے ہو ڈھونڈو کوئی اچھی سی لڑکی۔"
بلی تھیلے سے باہر آ چکی تھی اور بیلا کے ہاتھ اک گرما گرم خبر' وہ بگٹٹ بھاگ لی۔
کچن میں تائی کڑھی بنا رہی تھیں۔ اماں حسب معمول اپنے کمرے میں' نماز میں مصروف۔ بیلا کے پیٹ میں درد ہونے لگا۔ ماں نے نماز ختم کی تو پہلا سوال کیا۔
"نماز پڑھ لی؟"
وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگی۔
"پھاپھا کٹنیوں کی طرح کن سوئیاں لینے سے فرصت ملے تو نماز کا خیال آئے۔"
"اف... پھاپھا کٹنی تو نہ کہیں۔" وہ تڑپ اٹھی۔ "اگر میں نہ ہوں تو آپ لوگوں کو خبر بھی نہ ہو کہ گھر میں ہو کیا رہا ہے؟"
"آج ہماری بیٹی کے پاس کون سی خبر ہے۔" تائی امی دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی آ گئیں۔
"اسے اتنی شہ مت دیں' یہ حرکتیں اچھی نہیں سسرال میں..."
"آنے والے ہر خطرے کے لیے تیار رہوں گی۔" بیلا نے فخر و لاپروائی سے جملہ مکمل کیا' پھر تائی کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھا لیا۔
"پتا ہے ذکی بھیا پاکستان کیوں آئے ہیں۔"
"اللہ جانے' یوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آ بیٹھا ہے' گویا واپسی کا ارادہ ہی نہیں۔" تائی کے لہجے میں بے زاری تھی۔
"دوسری شادی کے لیے۔" اس نے دھماکے کے ساتھ پوری تفصیل سنائی۔
دونوں خواتین گم صم ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ پھر امی نے سنبھل کر بیٹی کو دیکھا اور آہستگی سے

کہنے لگیں۔
"بیلا! نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے' پڑھ لو۔"
وہ یہ روکھا پھیکا رد عمل دیکھ کر بدمزا ہوتی وضو کے لیے اٹھ گئی۔



کون سی رت تیرے نام لکھوں
جنوری کی صبح روشن کہ فروری کا ابھرتا جوبن
مارچ کھلا کھلا سا کہ اپریل دھلا دھلا سا
مئی کی اگتی ہوئی دھوپ کہ جون کا چبھتا ہوا سکوت
جولائی کا سر چڑھتا ہوا سورج کہ
اگست میں غلامی کا ڈھلتا ہوا سورج
ستمبر میں جنم لیتی کوئی خواہش کہ
اکتوبر میں پیار کی بارش
نومبر کی ساری رعنائیاں کہ دسمبر کی تنہائیاں
کون سی رت تیرے نام لکھوں

وہ آرام سے بیڈ پر دراز اپنی فرینڈ ارم کے میسیج پڑھ رہی تھی' اک انجان نمبر سے ایسا میسیج پڑھ کر چونک کر سیدھی ہو گئی۔

"ارے... دیکھو زیبا۔" اس نے کمپیوٹر پر مصروف زیبا کے آنکھوں کے سامنے موبائل لہرایا۔ زیبا نے اک سرسری نگاہ ڈالی۔

"ایسے میسیج آتے ہی رہتے ہیں۔"

"کوئی بنا جانے خوامخواہ بھیج دیتا ہے' خواہ فون کسی دادی اماں کا ہو؟"

زیبا مصروف ہو چکی تھی مگر وہ پہلا پیغام نہ تھا۔ ہر صبح گڈ مارننگ اور ہر رات گڈ نائٹ کہنا نہ بھولتا' اور پیغام بھی اتنے خوب صورت' اچھوتے اور رومینٹک' ایک دن تنگ آ کر بیلا نے جواب دیا۔

"میں دادی ہوں۔"

"کس کی؟" جواباً" دریافت کیا گیا۔

"ظاہر ہے' اپنے پوتے پوتیوں کی۔"

"ماشاء اللہ! ویسے خاصی ایجوکیٹڈ دادی ہیں' کھٹ کھٹ جواب لکھ رہی ہیں۔" بیلا کو فوراً" اپنی غلطی کا احساس ہوا تو ذرا ٹھہر کر لکھا۔

"ہاں اچھے وقتوں میں میٹرک کیا تھا۔"

"اوہ تب ہی' ورنہ ہمارے ابا کو تو سیل پر ایک لفظ لکھنا نہیں آتا۔"

"تو ابا کو پڑھا لینا تھا۔" اس نے چڑ کر لکھا اور موبائل سرہانے ڈال دیا۔ وہ بہت دیر تک بیل دیتا رہا۔ بیلا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بات شروع ہی نہیں کرنا چاہیے تھی۔ اس نے چور نظروں سے زیبا کو دیکھا اور موبائل آف کر دیا۔ جس کا خمیازہ یوں بھگتنا پڑا کہ نماز قضا ہوئی۔ بڑے ابا کو چائے نہ ملی۔ ابو کے لیے ناشتا امی کو بنانا پڑا اور رذکی کے سامنے اچھی خاصی جھاڑ الگ پڑی۔

"تم کیوں منہ پھلائے بیٹھی ہو۔" ہاتھ میں گاڑی کی چابی لیے ذکی تیار شیار باہر نکلے' اسے دیکھا تو رک گئے۔

"اس گھر میں میری کوئی قدر نہیں۔"
"ارے بھئی ہم جو ہیں اس شہزادی کے قدردان' چلو آئس کریم کھلا لاؤں۔" وہ وہیں بیٹھی رہی۔
"کم آن بے بی۔" انہوں نے ہاتھ پکڑ کر کھینچا' پھر چونک کر اس کا ہاتھ دیکھنے لگے۔
"کیا ہوا؟"
"تمہارے ہاتھ کتنے خوب صورت ہیں۔" انہوں نے دوسرا ہاتھ تھامنا چاہا' مگر بیلا نے جھینپ کر کھینچ لیا۔ بھلا اس گھر میں ایسی بے باکی کی گنجائش کہاں تھی۔
"آپ آئس کریم گھر لے آیئے گا' سب کے ساتھ مل کر کھائیں گے۔" اس نے سادگی سے کہہ کر ان کی توجہ خود سے ہٹائی۔
نہ جانے کیوں وہ غور غور سے دیکھ رہے تھے۔
"گویا میری جیب کا کباڑا کرواؤ گی۔"
"اتنی کنجوسی' تھوڑے ڈالر کمائے ہیں؟"
"اوکے' صرف تمہاری خاطر۔" وہ ہاتھ ہلا کر چلے گئے' بیلا حیران سی سوچتی رہ گئی۔
"میری خاطر کیوں؟ چلو' کسی کو تو ہماری قدر ہے۔"
اسے از سر نو صبح والی ڈانٹ یاد آگئی تھی۔



"کتنے اچھے کپڑے یوں ہی پڑے پرانے ہو جاتے ہیں۔ ایک تو ہمارے ہاں کوئی فنکشن بھی نہیں آتا۔" ساری الماری کے کپڑے بیڈ پر ڈھیر تھے اور وہ سیاہ کلیوں والی فراک خود سے لگائے افسوس کر رہی تھی۔ ایک ڈیزائن تخلیق کرتی زیبا نے اسکرین سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔
"تمہیں ہی شوق تھا گھر بیٹھنے کا۔ میرے ساتھ اکیڈمی جوائن کرتیں تو سارے کپڑے کام آجاتے۔"
"چھوڑو میں ایسے ہی ٹھیک ہوں' عاشر کہتا ہے۔"
"یہ عاشر تم سے کچھ زیادہ ہی نہیں کہتا۔" زیبا نے شرارت سے پوچھا۔ وہ سٹپٹا گئی۔
"تمہیں پتا ہے ہم بچپن ہی سے....."
"مس بیلا! اب آپ بڑی ہو گئی ہیں۔ تھوڑا اپنا زاویہ نگاہ وسیع کر کے دیکھیں' چیزوں کی ماہیت اور لوگوں کی حیثیت بدل رہی ہے۔"
"تم کہنا کیا چاہتی ہو۔"
"ذکی بھائی سے زیادہ فری مت ہو' کل تم ان کے ساتھ کچن میں پزا بیک کر رہی تھیں۔ چھوٹے ابا وہاں گزرے تھے۔ مجھے لگا انہیں اچھا نہیں لگا۔"
"اچھا۔" وہ ایک دم خفیف سی ہو گئی۔
"وہ تو بہت عرصہ باہر رہ کر آئے ہیں اور ہمارے ہاں اتنی بے تکلفی بھائیوں کے ساتھ بھی نہیں ہوتی۔ ہاں عاشر کی بات اور ہے۔" وہ پھر سے شوخ ہوئی۔ بیلا نے آخری بات پر غور نہیں کیا۔ وہ پہلی میں ہی الجھی تھی۔ تب ہی ہلکی دستک کے ساتھ ذکی اندر آئے۔ بیلا کو ایک دم جھنجلاہٹ نے گھیر لیا۔
"لگتا ہے آپ کو کوئی اور کام نہیں ہے' سوائے ادھر ادھر گھومنے کے۔" قصور ان کا نہیں تھا۔ وہ تو دستک دے کر آئے تھے۔ وہ ہی کپڑوں کے ڈھیر میں دوپٹہ گم کر بیٹھی تھی اور اب کالی فراک دوپٹے کی طرح لپیٹے کھڑی تھی۔
"کیوں' کیا ہوا؟" وہ ٹھٹک سے گئے۔

"کچھ چاہیے؟"

ذکی نے چونک کر اسے دیکھا۔ ماتھے پر شکن سی ابھری اور وہ "کچھ نہیں" کہتے چلے گئے۔

"اب اتنا روڈ ہونے کو بھی نہیں کہا تھا۔" زیبا کی بڑبڑاہٹ پر اس نے چڑ کر فراک پھینکی اور اپنا دوپٹہ ڈھونڈنے لگی۔ آخری کپڑا تہہ کر کے الماری میں رکھنے تک اک ہلکی سی پشیمانی کا احساس شدت اختیار کر گیا۔ اسے مہمان کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آنا چاہیے تھا۔ تب ہی شام کو خاص طور پر ٹرائفل بنا کر اوپر لے گئی۔ ذکی فون پر بات کر رہے تھے اور پھوپھو کچھ تصویریں ہاتھ میں لیے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے فون بند کر کے اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی تو وہ جلدی سے بولی۔

"آپ کے لیے ٹرائفل لائی تھی۔"

"فریج میں رکھ دو' ٹھہر کر کھالے گا اور شائستہ کیا کہہ رہی تھی؟" پھوپھو اس سے کہہ کر ذکی کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"کچھ نہیں۔" ذکی نے ٹالا۔

وہ ٹرائفل فریج میں رکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔

"بتاؤ بھلا' کیا کمی ہے ان لڑکیوں میں' اس کی نظر میں کوئی سماتی ہی نہیں۔" بیلا نے ایک تصویر اٹھا کر دیکھی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی اور نیچے کسی کو خبر ہی نہیں۔

"بتاتے کیوں نہیں۔"

انہوں نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر لبوں میں دبائی اور لائٹر کی تلاش میں ٹیبل پر نگاہ دوڑائی۔ وہ بیلا کے داہنی طرف پڑا تھا۔ اس نے اٹھا کر ان کی طرف بڑھایا' جسے ایک خشک سے شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا گیا۔

"امی! میں جس سے بھی شادی کروں گا' ساتھ لے کر نہیں جاؤں گا' وہ یہیں رہے گی آپ کے پاس سو' جو بھی ہو' وہ باہر جانے کا خواب ساتھ لے کر مت آئے۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولے۔

یہ شائستہ کی شرط ہے؟"

وہ ایک پل کو خاموش ہو کر سگریٹ سلگانے لگے۔

"لیکن اس طرح کیسے چلے گا؟" انہوں نے بیلا کو دیکھا۔

"میں چکر لگاتا رہوں گا۔" وہ لاپروائی سے بولے۔

"جیسے پہلے لگاتے رہے ہو۔" پھوپھو نے طنز کیا۔

"اسی لیے تو کہتا ہوں' ایسی تو ہو کہ واپس آنے کو دل چاہے۔" ان کے لہجے میں شرارت در آئی۔ بیلا نے چاروں تصویریں اٹھا کر غور سے دیکھیں۔ اسے تو اچھی ہی لگیں۔

"ان میں کیا خرابی ہے؟"

انہوں نے کچھ لاپروائی سے تصویریں اس کے ہاتھ سے لے کر ٹیبل پر ڈال دیں۔ بیلا کو بہت برا لگا۔ وہ اسے مسلسل نظرانداز کر رہے تھے۔

وہ کھڑی ہو گئی۔ تب ہی فیضان تیزی سے اندر آئے۔

"ذکی! فارغ ہو تو میرا اک کام تو کردو۔ سونیا کو اس کی امی کے ہاں سے پک کرنا ہے' میں ذرا بزی تھا' اگر تم۔۔۔"

ذکی نے چابی ان کے ہاتھ سے لی۔ دونوں باتیں کرتے باہر نکل گئے۔ پیچھے وہ رہ گئی پھوپھو کے دکھڑے سننے کے لیے۔



ذکی کو دیکھ کر سونیا کے چہرے پر جھنجلاہٹ سی چھا گئی۔ وہ یقیناً "فیضان کی منتظر تھی۔ گھر میں کچھ مہمان تھے۔ وہ غالباً" ان ہی سے فیضان کو ملوانا چاہتی تھی۔ تب ہی واپسی کے سفر میں خاموش سی تھی۔ ذکی نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ وہ ابھی ابھی اس کے محل نما گھر سے نکلا تھا۔ اس کی انتہائی ماڈرن مگر گریس فل ماں سے ملا تھا۔ سونیا کا اسٹیٹس اس کے سامنے تھا۔

"فیضان نے زندگی میں بس ایک ہی کام ڈھنگ کا کیا ہے؟" سونیا نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔

"آپ سے شادی۔" ذکی کے کہنے پر سونیا کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"آپ دونوں کے اسٹیٹس میں بہت فرق ہے۔" ذکی کا لہجہ محتاط سا تھا۔

"یہ فرق تو آپ کے اور شائستہ کے مابین بھی ہے۔" ذکی نے چونک کر سونیا کو دیکھا' پھر ہلکی مسکراہٹ لبوں پر پھیلی۔

"آپ تو خاصی باخبر ہیں بھابی!"

"رہنا پڑتا ہے۔"

"لیکن میں ایک بات نہیں سمجھ سکا۔ فیضان کو کنویں سے نکالنے کے بجائے آپ تو خود کنویں کی مکین بن گئیں؟ یہ تو محل سے جھونپڑے تک کا سفر ہے۔"

"کبھی کبھی محل وہ خوشیاں نہیں دے پاتے ذکی بھائی! جو......"

"جانے دیں۔ زندگی آگے بڑھنے کا نام ہے۔ پیچھے پلٹنے کا نہیں اور یہ ہی بات میں فیضان سے بہت بار کہہ چکا ہوں۔"

"وہ اپنی فیملی سے بہت کمیٹڈ ہیں۔"

"ہر کوئی ہوتا ہے' اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ انسان آگے بڑھنا ہی بھول جائے تو ویری فرینک بی' یہ رشتے ناتے ہمارے لیے اتنے ہی اہم ہونے چاہئیں جتنا کہ ہم کو فائدہ پہنچا سکیں۔" انہوں نے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ سونیا الجھ سی گئی۔

"آپ کے خیالات بہت عجیب ہیں۔ بالکل ممی جیسے۔ اب پتا چلا وہ آپ سے مل کر اتنا خوش کیوں ہوئی تھیں۔"

"شی از ویری نائس وومن۔" وہ مسکرائے۔



ٹی وی چل رہا تھا مگر سب باتوں میں مگن تھے۔ وہ بھی کونے والی کرسی پر دونوں پاؤں اوپر رکھے موبائل میں گم تھی۔ ساری سہیلیاں رابطے میں تھیں۔ زیبا اس کا کپ قریب ہی ٹیبل پر رکھ گئی۔ ذکی اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہے تھے۔

"یار! تم لوگ ترقی کرنا ہی نہیں چاہتے ہو۔ کنویں کا مینڈک بن کر رہ گئے ہو۔ اس ملک کے حالات دیکھ رہے ہو' مہنگائی' اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگ روٹی' دال کے چکروں میں پڑ کر رہ گئے ہیں۔ کاروبار کا کوئی حال نہیں' نوکری کی کوئی گارنٹی نہیں' آج قناعت کر کے بیٹھے ہو' کل کا کیا ہوگا؟"

"یار! تم ٹھیک کہہ رہے ہو' پر کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔" سفیان بھائی نے کندھے اچکائے۔

"کچھ کرنے کی ٹھان لو' تب ہی رستے کھلیں گے۔ اچھا تم بتاؤ' کل کو تم لوگوں کی اولادیں بڑی ہوں گی' ایک ایک

بیڈ روم والے اس گھر میں گزارہ جائے گا۔ اس گھر کے حصے۔ بخرے ہوں تو تم لوگوں کے ہاتھ اتنا بھی نہیں ہو گا کہ اپنے لیے ڈھنگ کا ایک گھر خرید سکو۔"

"اللہ نہ کرے' جو اس گھر کے حصے۔ بخرے ہوں۔" بڑی امی تڑپ اٹھیں۔

"پتا نہیں ذکی بھائی کی سوچ اتنی مادیت پرست کیوں ہے۔" وہ کچھ چڑ کے اور کچھ اکتا کر اپنا کپ اٹھاتی باہر نکل آئی۔ باہر ہلکی چاندنی رات پھیلی تھی اور برآمدے میں گل صنوبر عشاء کی نماز پڑھ رہی تھی۔

"یا اللہ! ایسا جذب مجھے بھی نصیب کر۔"

تب ہی میسیج ٹون بج اٹھی۔ وہی انجان نمبر جواب اتنا بھی انجان نہیں رہا تھا۔

اپنے ہونٹوں پہ سجانا چاہتا ہوں
آ تجھے میں گنگنانا چاہتا ہوں

تھک گیا میں کرتے کرتے یاد تجھ کو
اب تجھے میں یاد آنا چاہتا ہوں

"توبہ! یہ تو پیچھے ہی پڑ گیا ہے۔" اس نے جلدی سے ڈیلیٹ کر دیا' پھر عاشر کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ بہت دن ہوئے اس سے بات نہیں ہوئی تھی' مگر اس کا نمبر بند تھا۔ تب ہی اس کے عقب میں اک سایہ سا لہرایا۔ وہ ایک دم گھبرا کر سیدھی کھڑی ہوئی۔

"ذکی بھائی! آپ نے تو مجھے ڈرا دیا۔ اتنا دبے پاؤں آنے کی کیا ضرورت تھی۔"

وہ خاموشی سے سگریٹ سلگاتے رہے۔

"آپ ابھی تک ناراض ہیں۔" انہوں نے اک طویل کش لے کر دھواں فضا میں چھوڑا تو وہ ناک چڑھا کر بولی۔

"مجھے آپ کا سگریٹ پینا بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

"چھوڑ دوں؟" انہوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"جی۔۔۔" وہ متحیر سی ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"سگریٹ چھوڑ دوں؟"

"مرضی ہے۔" ہیلا نے جھک کر کپ اٹھایا اور اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"سنو۔۔۔"

وہ ان کی پشت کی طرف ذرا دیر کو رکی۔

"یہ سچ ہے کہ میں اپنی انسلٹ کبھی نہیں بھولتا لیکن۔۔۔ میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

گل نے سلام پھیرا تو نگاہ ان پر ٹھہر گئی۔ وہ خاموش کھڑے سگریٹ کو سلگتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ انہیں احساس ہی نہ تھا کہ ان کے داہنی طرف کوئی اور ذی نفس بھی موجود ہے۔

گل صنوبر نے دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔



گھٹا گھنگھور گھور
مور مچاوے شور

کیبل کے دور میں 'نہ جانے کون تھا' جو پی ٹی وی پر نیو نور کو سن رہا تھا۔ اور وہ تھی کہ دونوں پاؤں جھولے پر رکھے سر جھولے کی پشت سے ٹکائے اپنے وجود پر بوندوں کی گدگداہٹ محسوس کرتی سر سے آواز ملا رہی تھی۔ ابھی کل ہی تو گرمی سے گھبرا کر اس نے زیبا سے کہا تھا۔ "فہد بھائی سے کہو نا' تھوڑے بادل ہمیں بھی بھجوا دیں۔"

اس کا پیغام غالباً "براہ راست اللہ تعالیٰ" تک پہنچا تھا۔ تب ہی تو آنکھ بادلوں بھری صبح میں کھلی' اب وہ تھی اور برستی بوندیں۔ گل صنوبر کو بارش سے الرجی تھی' سوماں کے کمرے میں جا گھسی تھی اور جھولے پر بیلا کا قبضہ تھا۔ اپنے عقب میں کھلی کتنی ہی کلیاں توڑ کر اپنے آنچل میں جمع کر لیں سجن کی خوشبو مٹی کی خوشبو سے ہم آہنگ ہو کر مشام جاں کو مہکانے لگی تھی۔ اس نے اک زرد کلی بالوں میں سجاتے ہوئے فالسے کے پیڑ کو دیکھا۔

فالسہ ابھی کچا تھا۔ بچپن کی ایک میٹھی سی یاد نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

اسے خبر ہی نہ تھی' کوئی تھا جو بہت دیر سے اس کے وجود کی رعنائیوں کو اپنی آنکھوں میں سمو رہا تھا۔ وہ بس خود میں گم' خود ہی مزا کر رہی تھی۔ تب ہی اوپر کی کھڑکی کھلی اور زیبا نے جھانکا۔

"اے لڑکی! فہد کا گفٹ ملا؟"

"مجھے نہیں پتا تھا' قدرت بھائی کا اس حد تک ساتھ دیتی ہے۔" وہ پکاری۔

"اچھا سنو' آج ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں فنکشن ہے' تمہاری بلیک فراک پہن رہی ہوں۔" پیغام کے ساتھ ہی کھٹ سے کھڑکی بند۔

"ہائے نہیں۔" وہ ایک دم جھولے سے کھڑی ہوئی۔ ساری کلیاں سبز گھاس پر بکھر گئیں۔

"زیبا! خبردار جو میری فراک کو ہاتھ لگایا۔"

وہ پچھلے دروازے سے اندر کی طرف بھاگی۔ اس کے گیلے پاؤں برآمدے' کچن اور لاؤنج تک نشان بناتے چلے گئے اور سیڑھیوں سے ایک قدم پہلے وہ بری طرح کسی سے ٹکرائی۔ بلکہ اس افراتفری میں بھی اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ نہیں' سامنے والا اس سے ٹکرایا ہے اور ساتھ ہی اسے گرنے سے بچانے کے لیے تھام بھی لیا۔

ایک ثانیے کو وہ حواس باختہ ہوئی۔

"اوں ہوں' اگر چوٹ لگ جاتی۔"

بیلا کی ساری حسیات ایک دم چوکنا ہوئیں' وہ کسی کے حصار میں تھی۔ مگر اس حصار میں نہ حفاظت تھی' نہ پناہ۔ ایک ثانیے کو دانستہ طول دے کر لمحوں پر محیط کرتا حصار۔ وہ تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلی اور خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟" وہ بلا کا اداکار تھا۔ ایک ہی پل بس اور ذکی کا بت پاش پاش ہو کر قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ وہ اس کے پہلو سے نکلتی سیڑھیاں پھلانگتی چلی گئی۔

ذکی کے لبوں پر محظوظ سی مسکراہٹ بکھری۔

یہ زرد چنبیلی کی خوشبو تھی یا کنوارے وجود سے پھوٹتی۔

ان کی گہری سانس وہیں اٹک گئی۔

لاؤنج کے کھلے دروازے میں شائستہ ساکت سی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"شائستہ! تم؟" وہ سامان گھسیٹتی عین ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کیا ہو رہا تھا ذکی؟"

✡ ✡ ✡

"کیا بات ہے، تم کچھ الجھی الجھی سی لگتی ہو۔" زیبا نے اس سے کئی بار پوچھا تھا۔ وہ کیا بتاتی، کنی کترا گئی۔ بڑی امی نے بھی بڑی تشویش سے اس کا ماتھا چھوا۔

"طبیعت ٹھیک ہے، مینا چہکنا کیوں بھول گئی۔"

اور امی، وہ سمجھتی تھیں کہ لڑکیاں اس عمر میں کئی قسم کے فیز سے گزرتی ہیں اور اس صورت حال کا واحد علاج مصروفیت ہے۔ سو وہ گھر کے کاموں سے فارغ ہوتی تو کوئی نہ کوئی لان کا سوٹ دے کر بٹھا دیتیں کہ صنوبر سے کٹنگ اور سلائی سیکھو۔ خود اس کی بھی کوشش تھی کہ ذکی سے سامنا ہی نہ ہو۔ وحشت زدہ ہرنی کی طرح چونکی رہتی۔ وہ ایک لمحہ اس پر بہت کچھ منکشف کر گیا تھا۔

بھائی کہنے سے کوئی بھائی نہیں بن جاتا۔ رشتہ وہ ہی، جو خون کا ہو۔

"مگر کیوں، یہ غلاظت کہاں سے ان کے ذہن میں آ گھسی۔"

شائستہ بہت دیر سے اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ گویا اسے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"شائستہ بھابھی! کچھ چاہیے؟" بیلا اپنے خیالوں سے چونکی تو وہ نظر آئی۔ شائستہ نفی میں سر ہلاتے اس کے سامنے بیٹھ گئی اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ جن میں سرفہرست اس کی ذات سے متعلق سوالات تھے۔

"آگے کیوں نہیں پڑھا؟"

"مستقبل کے کیا ارادے ہیں؟"

"کہیں منگنی وغیرہ ہوئی؟"

یہ سچ تھا کہ شائستہ بہت خوب صورت اور چھا جانے والی شخصیت تھی۔ وہ کچھ نروس سی اس کے سوالوں کا جواب دیتی رہی۔ سونیا آئی تو اس نے کچھ سکون محسوس کیا۔ سونیا بھی اپنی مام کے ساتھ فارن ٹرپ پر جاتی رہی تھی۔ سو گفتگو پلٹ گئی۔ اب وہ بس ہونقوں کی طرح ان کی معلومات کے تبادلے سن رہی تھی۔

"شائستہ بھابھی! آپ کو پھوپھو یاد کر رہی ہیں۔"

"آتی ہوں۔" شائستہ نے لاپروائی سے کہا اور پھوپھو کو اچھا خاصا انتظار کروانے کے بعد اٹھی۔ سونیا خاموشی سے بیٹھی ناخن پر لگی پالش کریدنے لگی۔ ہلکی سوچ کی پرچھائیں اس کے چہرے پر چھائی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہیں بھابھی۔"

"مجھے لگتا ہے میں کہیں گم ہو گئی ہوں۔ میں سمجھ نہیں پا رہی، کسی انسان کے لیے خود کو اتنا بدل لینا کہ اپنا چہرہ ہی اجنبی لگنے لگے، کیا ٹھیک ہے؟"

"میں کچھ سمجھ نہیں پائی۔" بیلا نے ہونقوں کی طرح اس کا چہرہ دیکھا۔ "میری تو خود سمجھ میں نہیں آیا۔ تمہیں کیا سمجھاؤں۔" وہ بے معنی سی ہنسی ہنس دی۔

"بھابھی! بہت دنوں سے آپ نے پزا نہیں بنایا، آج بنائیں نا۔" بیلا نے یوں ہی اس کا دھیان بٹانے کو کہہ دیا۔

"آج موڈ نہیں ہے، پھر کبھی سہی۔" وہ کہہ کر چلی گئی، بیلا کو یاد نہ تھا کہ آج سے قبل اس نے کبھی کسی کی فرمائش کو یوں رد کیا ہو۔

"سب کام کاج چھوڑ کر یہاں ایک مہینے سے کیا کر رہے ہو۔" شائستہ نے جس طرح ذکی کے لتے لیے تھے، پھوپھو نے انگلی دانتوں میں دبالی اور شکر کیا کہ بہو مستقل امریکہ میں رہتی ہے۔

"میں تم سے چوری چھپے تو نہیں آیا۔" ذکی نے جھنجلا کر سگریٹ سلگائی۔

"ایک ماہ میں شادی تو کیا تم لڑکی بھی فائنل نہ کر سکے اور چچی آپ۔"

"ارے میں نے تو بہت لڑکیاں دکھائیں مگر یہ ہی۔" وہ گڑبڑا گئیں۔

"ہاں یہ جن چکروں میں ہے اس کا مظاہرہ میں نے آتے ہی دیکھ لیا۔" وہ چبا چبا کر بولی۔

"فار گاڈ سیک شائستہ! تم چاہتی کیا ہو۔"

"مت بھولو میں نے تمہیں دوسری شادی کی اجازت دی ہے ورنہ وہاں کے قانون کی رو سے تم دوسری شادی نہیں کرسکتے۔"

پھوپھو کی سمجھ میں نہیں آیا کہ نقص تو شائستہ میں ہے پھر ان کا بیٹا اس طرح دب کر کیوں بات کر رہا تھا۔ تین لفظ کہہ کر جان چھڑائے اس چڑیل سے۔ وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ اس چڑیل سے جان چھڑانے کی پاداش میں ذکی کو بہت کچھ کھونا پڑتا جو انہیں گوارا نہ تھا۔

"تو۔۔۔" ذکی نے سنجیدہ نظروں سے اپنی خوب صورت اور طرح دار بیوی کو دیکھا۔

"تو اپنی عمر دیکھو اور اپنی حرکتیں دیکھو۔" وہ چیخ اٹھی۔

"تم مجھے دوسری شادی کی اجازت دے چکی ہو۔" ذکی نے جتایا۔

"شادی کی اجازت تمہیں اپنے لیے شریک حیات منتخب کرنے کے لیے نہیں دی اولاد کے لیے دی ہے اور یہ کام کوئی بھی کرسکتی ہے۔"

"کسی ماسی کی لڑکی سے شادی کرلوں؟" وہ چڑ کر بولے۔

"کیوں۔۔۔ اس گھر میں تمہارے ایک سابقہ منگیتر بھی تو ہے۔"

ذکی اپنی جگہ ششدر سے رہ گئے۔

پھوپھو کا منہ کھل گیا وہ بڑبڑائیں۔

"گل صنوبر؟"

"ہاں گل صنوبر۔ بے چاری اب تک کنواری بیٹھی ہے۔ اس ڈھلتی عمر میں اسے کون بیاہنے آئے گا۔ اب کچھ کرنے ہی چلے ہو تو تھوڑا ثواب ہی کمالو اسے سہارا مل جائے گا اور تمہیں بچہ۔" شائستہ نے آرام سے کندھے اچکائے۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔" ذکی نے غصے سے سگریٹ مسل دیا۔

"میرا نہیں تمہارا۔ اپنی اڑان نیچی کرو اور چچی! آپ بڑے ابا سے گل صنوبر کے رشتے کی بات کریں مجھے یقین ہے انکار نہیں ہوگا۔"

وہ ذکی کو کھولتا اور پھوپھو کو ہکابکا چھوڑ کر کھٹ کھٹ کرتی نیچے چلی گئی۔ ذکی ایک ہاتھ کا مکا دوسرے ہاتھ پر مار کر رہ گئے۔ پھوپھو نے غور سے بیٹے کے تیور دیکھے پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تو پھر کروں بھائی صاحب سے بات؟"

"امی! آپ بھی۔۔۔"

"کیونکہ گل صنوبر بڑی سیدھی سادی ہے۔ اللہ بخشے تمہارے نانا کہا کرتے تھے میری گل بڑی اللہ لوک ہے۔ اسے دکھی کرنے والا کبھی سکھی نہیں رہے گا۔ مجھے تو ہمیشہ سے یہ ہی لگتا ہے کہ تمہاری بے اولادی اسی کی بددعا کا نتیجہ ہے۔ یاد ہے جب بچپن میں سفیان نے ایک بار گل کو تھپڑ مارا تھا تو اس کے ہاتھ پر شہد کی مکھی نے۔۔۔"

وہ نہ جانے کون سے قصے لے کر بیٹھ گئی تھیں حالانکہ جب شادی کی بات ہوئی تو سب سے پہلے وہ ہی بیٹے کی ہمنوا ہوئی تھیں۔ تب شائستہ انہیں چودھویں کا چاند لگتی تھی اور گل۔۔۔

وہ غصے سے کھولتے کمرے سے باہر نکل گئے۔



صبح سے گھر کے بڑوں کی سرگرمیاں خاصی پراسرار تھیں۔ بڑے ابا نے سب کو اپنے کمرے میں طلب کیا تھا۔ ان بڑوں میں فیضان اور سفیان بھی شامل تھے۔ پھر بھابیاں بھی شریک کرلی گئیں۔ باوجود کوشش کے بیلا کو کوئی سن گن نہ مل سکی۔ غصے سے پلاؤ کو دم پر رکھا اور کھیر میں چمچہ چلانے لگی۔

"بلی تھیلے سے باہر آہی جائے گی ہم کیوں فکر مند ہو۔" دوپہر کے کھانے میں ابھی تھوڑی دیر تھی اور زیبا انسٹی ٹیوٹ سے جلدی گھر آگئی تھی۔ سو اب سینڈوچ بنا کر پیٹ پوجا کر رہی تھی۔

"ہاں، سارے گھر کو جمع کرلیا ہم کسی کھاتے میں نہیں۔"

"سب کو چھوڑ کر تم سے مشورہ کرتے۔" زیبا ہنسی۔

"تمہیں تو کسی بات کی فکر ہی نہیں ہوتی۔"

"میں خوامخواہ کی فکریں نہیں پالتی۔" اس نے اطمینان سے کہا اور اپنا کپ اٹھا کر باہر نکل گئی۔

شام تک اسے کسی بات کی سن گن نہ ملی۔ وہ گل کے پاس بیٹھی، جلے دل کے پھپھولے پھوڑتی رہی، تب ہی گل نے اچانک کہا۔

"آج کی شام بہت عجیب سی ہے۔"

بیلا نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ہلکے زرد آسمان پر اک چیل منڈلا رہی تھی۔

"شاید آندھی آنے والی ہے۔" بیلا نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ پھر موبائل پر آیا میسج دیکھنے لگی۔

خوشبو سی پھیلتی جا رہی ہے

دل میں کس کا خیال آیا ہے

"توبہ! یہ بندہ تو تھکتا ہی نہیں۔ عاشر آئے تو سم ہی بدلوا دوں گی۔" وہ زیر لب بڑبڑائی پھر اور اٹھ کر ماں کے پاس آگئی۔

"خیریت امی! یہ سارا دن بڑے ابا کے کمرے میں کیا ہوتا رہا ہے۔"

"تمہارے مطلب کی بات ہوئی تو سامنے آجائے گی۔" انہوں نے بیٹی کو گھور کر دیکھا۔ وہ منہ بنا کر رہ گئی۔

رات کو کھانے پر آخر کار دھماکا ہو ہی گیا۔ کم از کم بیلا کے لیے تو دھماکا ہی تھا۔ جب بڑے ابا نے آرام و سہولت سے اعلان کیا کہ انہوں نے گل کا رشتہ ذکی سے طے کردیا ہے اور یہ کہ جمعہ کو نکاح ہے۔

بیلا کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا۔ اس نے تحیر و استعجاب سے ایک ایک کا چہرہ دیکھا۔ سب مطمئن تھے، مسکرا رہے تھے۔ اس نے گل کی طرف دیکھا۔ پھوپھو اسے خود سے لپٹائے بلائیں لے رہی تھیں۔ گویا سب کچھ معمول کے مطابق ہو رہا تھا۔ گل کا چہرہ اتنا جھکا ہوا تھا کہ وہ اس کے تاثرات نہ دیکھ سکی، مگر خود اس کے اندر آگ سی لگ گئی تھی۔

گل صنوبر اور ذکی۔

ذکی اور گل آپی۔

اک سلگتا ہوا لمس، اک آگہی دیتا لمحہ۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ پلیٹ کھسکا کر کھڑی ہو گئی۔

امی نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھاما۔

✡ ✡ ✡

دھن... دھن... سرخ مرچیں اڑ اڑ کر اس کی آنکھوں اور ناک کا ناس کر رہی تھیں، پر نہ ہاتھ رکتا تھا، نہ چھینکیں، اور نہ آنکھوں سے بہتا پانی، گویا اسے اپنا سارا غصہ ان ہی ثابت سرخ مرچوں کو کوٹ کوٹ کر نکالنا تھا۔

ہر کوئی روک روک کر تھک گیا۔ بڑی اماں الگ پچھتائیں۔ نہ وہ سو کھنے کو ڈالتیں نہ بیلا کا یہ حشر ہوتا' لیکن سوال یہ تھا کہ پھر اس کا غصہ کیسے نکلتا؟

وہ ایک ایک سے لڑی تھی مگر سب کے نزدیک وہ بالکل ناسمجھ بلکہ بے وقوف تھی' سو کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ ہر کوئی یوں مطمئن' شاداں و فرحاں جمعہ کو ہونے والے نکاح کی تیاریوں میں مگن تھا۔ ذکی کی دوسری' مگر گل کی تو پہلی شادی تھی۔ اس کا کوئی ارمان ادھورا نہ رہ جائے۔ بنا بنایا خوب صورت فرنیچر اوپر کی منزل میں سیٹ ہو گیا۔ درزی کو بٹھا کر ہنگامی طور پر ملبوسات سلائے جا رہے تھے۔ گھر کی آرائش' مہمانوں کو بلاوے۔ کھانے کا انتظام' پارلر کے چکر۔۔۔ سو' کس کو فرصت تھی کہ بیلا کی اس بے تکی بات پر کان دھرے کہ ذکی کسی صورت گل کے قابل نہیں۔

سو اب وہ تھی اور سرخ مرچیں۔

آنکھوں کی جلن۔

ایک تواتر سے آتی چھینکیں۔

وہ حال سے بے حال ہو رہی تھی۔ مگر ہاتھ نہ روکتی تھی۔

تب ہی کسی نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر بلکہ گھسیٹ کر کھڑا کیا۔ وہ بجلی کی طرح تڑپی' مگر گرفت مضبوط تھی۔ موسل ہاتھ سے چھوٹ کر دور تک لڑھکتا گیا۔ وہ چیختی رہی' مگر اس نے گھسیٹ کر بیسن کے سامنے کھڑا کر دیا۔ وہ زیادہ مچلی تو چلو میں پانی لے کر چھپاک سے منہ پر دے مارا۔

"شرافت سے ہاتھ منہ دھولو' ورنہ گردن پکڑ کر نل کے نیچے کر دوں گا۔" غصے بھرا تحکمانہ لہجہ' بیلا نے اس سے بھی زیادہ غصے سے گھورنا چاہا۔ مگر آنکھوں کی حالت زیادہ نازک ہو چکی تھی' سو وہ جھک کر اور بے حد غصے سے رگڑ رگڑ کر ہاتھ منہ دھونے لگی اور تب تک دھوتی رہی جب تک عاشر کا صبر ساتھ دیتا رہا۔ آخر تنگ آ کر عاشر نے نل بند کیا۔ وہ بازو چھڑا کر صحن میں چارپائی پر جا بیٹھی۔ عاشر نے کچن سے آئس کیوبز اور پیپر ٹشو لا کر اس کے قریب رکھ دیے۔

"تو اچھے بچوں کی طرح ٹکور کرو۔"

اس نے واقعی اچھے بچوں کی طرح عمل شروع کر دیا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ستون سے ٹیک لگائے اسے دیکھتا رہا۔

"تم کب آئے؟" غصے اور جلن کا گراف نیچے آ گیا تھا۔

"ابھی۔۔۔ پوچھ سکتا ہوں یہ کیا ہو رہا تھا۔"

"مجھ سے نہیں گھر والوں سے پوچھو۔" اس کی آنکھیں بے بسی کے احساس کے ساتھ لبالب بھر آئیں۔

"گل آپی کی شادی ہو رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"کس کے ساتھ؟" بیلا نے تیکھی نظروں سے اسے گھورا۔ وہ بھائی کا نام لیتے لیتے رک گیا۔

"بیلا! تمہیں بھائی پر اعتراض کیوں ہے۔"

"وہ کسی بھی طرح گل آپی کے قابل نہیں۔ تم بتاؤ' کیا گل آپی کے نصیب میں یہ ہی ہے کہ کوئی ان سے دوسری شادی کرے اور وہ بھی اولاد کی خاطر۔"

"ہاں۔۔۔ لیکن۔۔۔" عاشر کچھ کہہ نہ پایا۔ بظاہر اس میں کچھ حرج بھی نہ تھا۔ مگر وہ کچھ ایسا کہنا چاہتا تھا جس سے بیلا کی تشفی ہو سکے۔

"ہاں تم بھی ان ہی کا ساتھ دو گے' آخر وہ تمہارے بھائی ہیں۔ تمہیں کسی لڑکی کے احساسات و جذبات کی کیا قدر۔" وہ اسی پر الٹ پڑی۔

"نیلا۔۔۔" بڑی اماں پکار رہی تھیں۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی مگر نہ جانے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ مرے مرے قدموں سے ان کے پاس آئی۔ انہوں نے بازو سے پکڑا اور کمرے میں لے گئیں اور لے جاکر پچھلے برآمدے میں کھلنے والی کھڑکی میں کھڑا کردیا۔ قرآن پاک کی تفسیر پڑھتی امی نے حیرت سے دونوں کو دیکھا۔

"اسے غور سے دیکھو بیلا! یہ لڑکی میری بیٹی ہے۔ پر میں جانتی ہوں اور اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس میں کوئی ایسا گن نہیں کہ کوئی اسے اپنے گھر لے جانے اور بسانے کا سوچے۔" بیلا نے تڑپ کر انہیں دیکھا مگر وہ بڑی سفاکی سے کہہ رہی تھیں۔ ایسی سفاکی جس کے عقب سے درد ہی درد چھلک رہا تھا۔

"اس کی ڈھلتی عمر' سر پر بکھرتی سفیدی' بغیر تعلیم' بغیر تیزی طراری' ہوشیاری کے' کون ہے جو اسے بیاہنے آئے گا اور اگر کوئی ایسا دل والا ہوتا تو آج والدین کی دہلیز پر بیٹھی گل صنوبر بوڑھی نہ ہو رہی ہوتی۔ یہ پھول مرجھا چکا ہے بیلا! اس سے قبل کہ یہ خزاں کا مارا پھول اس ہنستے بستے گلشن کا بدنما داغ بن جائے' اسے کسی کے نام ہو جانے دو۔ میں ماں ہوں' اس کی سونی مانگ میرا چین چھین لیتی ہے۔ اس کی خالی کلائیاں میرا دل نوچتی ہیں۔ اس کی ویران زندگی میری نیندیں چھین لے گئی ہے۔ ہر ماں کی طرح میرا بھی یہ ہی ارمان ہے۔ میں اپنی بیٹی کو دلہن بنا دیکھوں۔ اس کی مانگ میں افشاں سجاؤں' اسے سرخ جوڑے میں لپٹا دیکھوں۔ میں نے بہت عرصہ انتظار کیا ہے۔ تھک گئی تھی' مایوس ہوگئی تھی۔ آج اگر وہ دلہن بن رہی ہے تو تم بدشگونی کی باتیں مت کرو۔ ارے اس بدنصیب کے سینے میں بھی دل ہے' کیسی بہن ہو کہ بہن کی آنکھوں میں سجے سپنے ہی دکھائی نہیں دے رہے۔ اسے سرخ جوڑا پہننے دو' اس کی کلائیوں میں چوڑیاں سجنے دو بیلا! اس کی سونی مانگ میں افشاں چمکنے۔۔۔" بڑی اماں روتے روتے کہتی گئیں اور کہتے کہتے چلی گئیں۔

بیلا اپنی جگہ دم بخود تھی۔

اس کے سامنے اک لڑکی تھی' جس کی مانگ سفید تھی مگر جس کے ہاتھوں میں اک سرخ دوپٹہ تھا۔ جس پر اس کی انگلیاں سنہری کرن ٹانک رہی تھیں۔ یا روپہلے خواب' وہ ذرا سا لڑکھڑائی اور سہارے کے لیے کرسی تھام لی۔

امی نے قرآن شریف بند کرکے ریک میں رکھا اور عینک اتار کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"کبھی کبھی حقیقت بہت تلخ ہوتی ہے' لیکن اس کی تمام تر تلخی کے باوجود قبول کرنا پڑتا ہے اور پھر صنوبر' اس نے تو بچپن سے اپنے نام کے ساتھ ذکی کا نام سنا تھا۔ یہ خواب ادھورا سہی' مگر اس کی آس' اس کا سہارا تھا' یوں سمجھو کہ گل کی محبت اسے واپس آنے پر مجبور کر گئی۔"



"لڑکیاں نیچے شفٹ ہوجائیں۔" یہ بڑے ابا کا حکم تھا۔ بیلا کو پہلا قلق اگر گل کی ذکی کے ساتھ شادی کا تھا تو دوسرا یہ کمرا چھوڑنے کا۔ وہ بے دلی سے اپنا چھوٹا موٹا سامان اٹھا رہی تھی۔ زیبا بھی الماری سے اپنے کپڑے نکال رہی تھی' مریم تو اتنی جلدی آنہ سکتی تھی' البتہ فرح سنتے ہی آگئی۔ باقی مہمان بھی جمع ہو رہے تھے۔ شائستہ اپنے والدین کے گھر جاچکی تھی۔

"تمہارا یہ سوجا ہوا منہ ٹھیک نہیں ہوسکتا' تاکہ شادی پہ تھوڑا مزا آسکے۔" فرح نے جھنجلا کر کہا۔

"میں نے کسی سے کیا کہا ہے' کرو مزے۔۔۔۔ مجھے اس شادی سے کوئی خوشی نہیں ہو رہی تو میں کیا کروں؟"

"اف وہ ہی مرغے کی ایک ٹانگ' آخر تو کس مٹی سے بنی ہے۔"

"جس میں خود غرضی شامل نہیں۔"

"اور خود غرضی کون دکھا رہا ہے۔"

"آف کورس ذکی بھائی' وہ جانتے ہیں کہ وہ گل آپی سے کبھی محبت نہیں کرسکیں گے۔ وہ صرف اولاد کے لیے شادی کر رہے ہیں۔"

"پاگل! کبھی کبھی محبت اتنی ضروری نہیں ہوتی' زندگی گزارنے کے لیے کچھ اور سہاروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ بیلا..... ماں' باپ کسی کے ہمیشہ نہیں رہتے۔ کم از کم گل کے ساتھ ذکی کے نام کا سہارا تو ہوگا۔" فرح نے سمجھانے کی کوشش کی۔ اس کے ذہن میں ایک ساتھ کئی سوال کلبلائے..... تب ہی ذکی دروازے کھٹکھٹا کر اندر آ گئے۔

"پیکنگ ہو رہی ہے؟"

"نہیں شفٹنگ۔ دیکھ لیں آپ کی شادی نے ہم سے ہمارا کمرا چھین لیا۔"

فرح ہنسی۔ انہوں نے اک اچٹتی سی نگاہ بیلا پر ڈالی' جو انہیں یکسر نظرانداز کیے کتابوں کا بکس کھولے اس میں مزید چیزیں بھرنے لگی تھی۔

"اوہ! تو لوگ اسی لیے مجھ سے خفا ہیں۔"

"نہیں..... خفا ہونے کی اور بھی وجوہات ہیں۔" فرح شرارت سے گویا ہوئی۔

"کیوں بیلا رانی..... سنا ہے' آپ کو ہماری شادی پر سب سے زیادہ اعتراض ہے۔" انہوں نے جھک کر بکس میں سے ایک کتاب اٹھائی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ رکھائی سے بولی۔

"تو پھر یہ بے اعتنائی کیسی؟" انہوں نے کتاب کی ورق گردانی کرنا چاہی تو وہ عین وہاں سے کھلی جہاں ادھ کھلا گلاب سوکھ کر باسی خوشبو چھوڑ رہا تھا۔

"اوہ تو بیلا کو کتابوں میں پھول رکھنا پسند ہے۔" بیلا نے پلٹ کر دیکھا۔

"کسی کی نشانی یا کوئی چھوٹی سی یاد۔"

بیلا نے جھپٹ کے پھول اٹھایا اور کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور چبا چبا کر بولی۔

"مجھے خوشبو کو قید کرنا پسند نہیں۔"

فرح نے کچھ محسوس کیا تو تیزی سے آگے بڑھی۔

"آئیں ذکی بھائی! نیچے چلتے ہیں۔ مزدور یہاں سے قالین وغیرہ اٹھوالیں۔"

☼ ☼ ☼

دلہن بنی گل صنوبر کو دیکھ کر بیلا کو احساس ہوا کہ ہر ماں کے دل میں بیٹی کو دلہن بنا دیکھنے کی خواہش اتنی شدت سے کیوں پیدا ہوتی ہے۔ گل کا رنگ صاف تھا۔ اس کے نقش بھی خوب صورت تھے مگر وہ ہمیشہ بے رنگ اور بجھی بجھی سی لگتی تھی۔ اور آج یوں لگتا تھا سارے رنگ اس ایک وجود میں سمٹ آئے ہوں۔ بیلا نے مہمانوں کے ہجوم پر اک نگاہ دوڑائی۔ بڑی اماں کتنا ہنس رہی تھیں۔ گویا آج ساری دنیا کے سوالوں کا جواب دے دیا۔ بڑے ابا کتنے مطمئن اور مسرور سے پھر رہے تھے۔

"کیا بیٹی کی ذمہ داری واقعی اتنی بھاری ہوتی ہے۔"

عاشر نے دور سے فراک اور پاجامے میں ملبوس سجی سنوری بیلا کو دیکھا۔ اعصاب پر باسی پھولوں کی مہک بوجھل پن بڑھا گئی۔ وہ کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا۔ وہ نہ جانے کس سوچ میں ابھی اسٹیج پر دولہا' دلہن کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں نکاح کا مقدس فریضہ انجام دیا جا رہا تھا۔ کچھ بھی سوچے بنا اس نے موبائل نکال کر مسیج کیا۔ بیلا نے چونک کر اپنے ہاتھ میں پکڑا سیل دیکھا۔

"تم جس رنگ کا کپڑا پہنو۔

وہ موسم کا رنگ..... کلیوں سی نازک لڑکی! خدا تمہیں نظر بد سے بچائے۔"

بیلا نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ تب ہی نگاہ عاشر پر پڑی۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ دوپٹہ سنبھالتی تیز تیز قدموں سے اس تک آئی۔
"عاشر! دیکھو' کوئی مجھے تنگ کرتا ہے۔" عاشر نے حنائی ہاتھ میں دبے سیل کو دیکھا۔
"کب سے چل رہا ہے؟"
"جب سے تم نے مجھے یہ سیل دیا ہے۔"
"تنگ کرتا ہے؟"
"نہیں۔۔۔ بس اچھے اچھے رومانٹک مسیج بھیجتا ہے۔" وہ شرارت سے ہنسی۔
"ہو سکتا ہے۔۔۔ واقعی تم سے محبت کرتا ہو۔"
"چھوڑو۔۔۔ موبائل ہو یا انٹرنیٹ' سب جھوٹ ہوتا ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔
"اچھا اور اصل زندگی میں۔" عاشر نے اس کی شفاف آنکھوں میں جھانکا۔
"میں نہیں پڑتی ان خرافات میں۔"
"خرافات کیوں؟"
"امی کہتی ہیں اچھی لڑکیاں صرف اپنے شوہر سے محبت کرتی ہیں۔" وہ برجستگی سے بولی۔ عاشر کا قہقہہ ابھرا تو وہ ناراض ہو گئی۔
"اچھا سنو۔۔۔ اگر کوئی سچ مچ تم سے محبت کا اظہار کرنا چاہے تو۔"
"سر پھاڑ دوں گی۔۔۔ جسے مجھ سے محبت ہے' سیدھے سیدھے اپنے گھر والوں کو بھیجے۔"
"ارے۔۔۔ تو وہ درمیانی رومانٹک پیریڈ۔"
"مجھے نہیں پسند۔" وہ تنک کر کہتی اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔ عاشر نے ہاتھ میں پکڑا موبائل دیکھا' پھر ہنس دیا۔
"بیلا رانی! گویا آپ سے محبت کروانے کے لیے پہلے آپ کا شوہر بننا پڑے گا۔"
"ہاں۔۔۔ مگر کس کا؟" پاس سے گزرتی سونیا ٹھٹک کر رکی۔
عاشر خجل سا ہو گیا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ اس کا نام لبوں کی جنبش میں رہ گیا تھا' ورنہ بھانڈا چوک میں پھوٹتا۔



بظاہر سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔۔۔ گھر والوں کے خوش و خرم چہرے' گل کی کھلی کھلی رنگت' ہونٹوں پر کھلتی شرمگیں مسکان۔۔۔ ذکی کا رویہ بھی اچھا تھا' پھر وہ اکیلی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کیا بناتی۔ سب کچھ بھول کر ذکی کو بہنوئی کی حیثیت دینا ہی پڑی۔ گل زیادہ تر اوپر ہی رہتی۔ شاید یہ بڑی اماں کی ہدایت تھی۔ نت نئے زرق برق ملبوسات میں وہ کتنی بدلی بدلی سی لگتی۔ جھولے پر اب بیلا کا قبضہ تھا۔ وہ فارغ وقت میں اے حمید کا زرد گلاب منہ پر رکھے اونگھتی رہتی۔
تب ہی ایک دن شائستہ چلی آئی۔ گل سب کچھ بھول کر اپنی سوکن کی خدمت میں مصروف ہو گئی۔ اسے تین دن کے بعد واپس جانا تھا۔ وہ اور ذکی تیار شیار ہو کر شاپنگ کے لیے نکل جاتے۔ پیچھے گل ان کے لیے نئے نئے کھانے بناتی رہتی اور بیلا کو جلنے کڑھنے کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا۔
اس دن دونوں کے جانے کے بعد دو' دو سیڑھیاں پھلانگتی اوپر آ گئی۔ جہاں ساس' بہو راز و نیاز میں مصروف تھیں۔ گل ان کے بالوں میں تیل لگا رہی تھی اور پھوپھو انہیں ذکی کو قابو کرنے کے طریقے سمجھا رہی تھیں۔
(وقت وقت کی بات ہے۔) بیلا کندھے اچکاتی آگے بڑھی۔
"آپ ذکی بھائی کو روکتی کیوں نہیں ہیں' روز اس کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔"

"اے ہے۔۔۔ کیسے' آخر وہ اس کی پہلی بیوی ہے۔" پھوپھو بولکھلائیں۔
"اور گل آپی کیا ہیں؟ کتنے دن ہو گئے ایک بار بھی انہیں شاپنگ کرانے یا کھانا کھلانے نہیں لے کر گئے۔" وہ گویا لڑنے آئی تھی' پھپھو ہنس دیں۔
"گل خود ایسی جگہوں سے گھبراتی ہے' پھر دو' چار دن کی تو بات ہے' وہ تو چلی ہی جائے گی۔" وہ گویا پچکارتے ہوئے بولیں۔
"بس کہہ دیں ذکی بھائی سے' ہمیں یہ ناانصافی اچھی نہیں لگتی۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔
"توبہ' یہ بڑی اماں کہاں سے آ گئی۔ گل! اسے تو تم ہی سنبھالو۔" وہ اٹھ کر واش روم میں چلی گئیں' گل نے مسکرا کر بیلا کو دیکھا۔
"گل آپی! آپ کو برا نہیں لگتا۔"
"پاگل' جو میرے نصیب کا ہے' وہ مجھے ہی ملے گا۔"
"آپ بھی نا بس' اچھا اٹھیں' میں نے آپ کے ہاتھ کے پکوڑے کھانے ہیں۔" وہ انہیں گھسیٹتی کچن میں لے گئی۔
شام کو غالباً پھوپھو نے ان سے کہا تھا تب ہی گاڑی کی چابی گھماتے چلے آئے۔
"چلو بھئی! آج ڈنر باہر کریں گے۔ سنا ہے لوگ تشویش کا شکار ہیں۔" ان کے لہجے میں ہلکی سی شرارت تھی۔ بیلا نے پہلو کھڑی گل کو دیکھا' جو سبز لباس میں تیار کھڑی تھی۔
"جب شائستہ آپ کے ساتھ جاتی ہیں تو کیا آپ سب کو لے کر جاتے ہیں۔" یہ اچھی خاصی بدتمیزی تھی جو بیلا سے سرزد ہوئی۔ ذکی نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"یہ گل کی خواہش تھی۔"



زندگی اپنی مخصوص رفتار سے رواں دواں تھی۔ سونیا امید سے تھی۔ سو زیادہ وقت اپنی مما کی طرف گزارتی۔ فیضان پہلے وہاں قدم بھی نہ رکھتا تھا۔ اب اکثر آفس سے واپسی پر وہیں پایا جاتا۔۔۔ بیلا نے گھر کی روٹین سے گھبرا کر کمپیوٹر سینٹر جوائن کر لیا۔ عاشر کا تبادلہ کوہاٹ ہو گیا تھا' سو رابطہ صرف فون پر محدود ہو گیا۔ بڑی اماں اٹھتے بیٹھتے گل کے لیے دعا کرتیں اور شاید ان ہی کی دعاؤں کا ثمر تھا کہ شادی کے ڈھائی ماہ بعد ساون کے مہینے میں گل نے انہیں خوش خبری سنائی۔
"پتا ہے گل! مجھے اب بھی اعتبار نہیں آ رہا۔" وہ دونوں جھولے پر ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ ذکی کے ہاتھ میں فالسوں سے بھری پلیٹ تھی۔ گل آگے کو جھک آنے والی شاخ کی پتیاں نوچ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے کہا تھا وہ بے حد کمزور ہے۔ اسے اپنی غذا کا بہت زیادہ خیال رکھنا ہو گا۔ ملٹی وٹامنز' سپلیمنٹ' کیلشیم' ذکی اس کا بے حد خیال رکھتے۔ گل کو یقین ہی نہ آتا۔ یہ وہ ہی ذکی ہیں' جنہوں نے کبھی اس سے شادی سے انکار کیا تھا۔ دودھ' پھل' وہ خود کاٹ کاٹ کر اپنے ہاتھوں سے اسے کھلاتے۔
"میں نے پورے دس سال اس خوش خبری کا انتظار کیا ہے۔ دس سال کا عرصہ کم تو نہیں ہوتا۔ جو مجھے خبر ہوتی کہ مجھے یہ تحفہ تم سے' ملنے والا ہے تو کبھی دیر نہ کرتا۔" گل مدھم سا مسکرائی۔
"تم اتنا کم کیوں بولتی ہو' کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔" انہوں نے اپنا بازو گل کے کندھے پر پھیلایا۔
"ہے نا۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی اور سرخ ہو گئی۔
"تو یار! کھل کر کہو نا۔۔۔ گل! کیسا ہو گا ہمارا بچہ۔۔۔ تمہارے جیسا یا میرے جیسا۔ تمہارے جیسا تو بالکل نہ ہو' گھنٹوں گپ چپ بیٹھی رہتی ہو۔ شائستہ جیسا ہو تو کیا ہی بات ہے۔ کانفیڈنٹ اور جینئس۔۔۔ تمہیں پتا ہے' وہاں

وگ شائستہ کو....."
گل نے کچھ الجھ کر انہیں دیکھا۔ ایسا اکثر ہوتا تھا بہت خلوت میں بھی انہیں شائستہ یاد آجاتی۔ حالانکہ شائستہ جیسی گرم جوشی دکھانا گل جیسی لڑکی کے بس کی بات کہاں تھی۔ مگر اب تو وہ اپنے بچے کی بات کرر ہے تھے۔ اپنے اور گل کے بچے کی' اس میں شائستہ کہاں سے آگئی' مگر وہ مگن تھے۔
"گل! دعا کرو ہمارے ہاں پہلا بیٹا ہو' تمہاری تو اللہ کے ساتھ ڈائریکٹ ڈیلنگ ہوتی ہے۔ ہمہ وقت نماز و تسبیح میں لگی رہتی ہو۔ تمہاری بات تھوڑی ٹالے گا۔"
"ایسی باتیں مت کریں' جو اللہ کو منظور۔" وہ اپنی جگہ کانپ سی گئی۔
"اچھا..... یہ فالسے کھاؤ۔ سنا ہے عورتیں ایسی حالت میں کھٹی میٹھی....." ان کا موبائل بجنے لگا۔ انہوں نے نمبر دیکھا' پھر پلیٹ گل کے ہاتھ میں تھمادی۔
"اس کا شربت بنالاؤ۔"
وہ پلیٹ اٹھا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔
"کیسی ہو جان من....."
"تمہارا کام ہو گیا..... اب وہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔" شائستہ نے ترخ کر پوچھا۔
ذکی اک طویل سانس لے کر رہ گئے۔



"تم اتنا اداس کیوں ہو رہی ہو۔" گل نے ان کی ساری پیکنگ چپ چاپ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ کی تھی۔
"مجھے جانا تو تھا ہی۔" ذکی نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب بٹھالیا۔
"مت جاؤ..... میرا دل گھبراتا ہے۔" وہ اس کے کندھے سے لگ کر سسک اٹھی۔ ذکی نے کوفت سے اسے دیکھا۔ عورتوں کا یہ جذباتی پن انہیں زہر لگتا تھا۔
"جاؤں گا نہیں تو واپس کیسے آؤں گا۔ اتنے مہینوں کی غیر حاضری میں جو حرج اور نقصان ہوا' وہ اگلے پورے سال تک پورا ہو سکے گا۔" انہوں نے بمشکل اپنے لہجے کو نرم رکھا۔
"تو کیا پورا سال نہیں آؤ گے۔" گل نے گھبرا کر سر اٹھایا۔
"کیوں نہیں آؤں گا' جب بھی تم بلاؤ۔"
"ذکی! میں اکیلی....."
"اکیلی..... سب گھر والے تمہارے پاس ہیں' اکیلی تو وہاں شائستہ ہے' دیکھو' کتنے دنوں سے میرے بغیر تنہا وہاں رہ رہی ہے۔"
گل کے سارے جذبوں پر اوس پڑ گئی۔ وہ آہستگی سے پیچھے ہٹ کر آنسو صاف کرنے لگی تو وہ سکون کا سانس لے کر کھڑے ہو گئے۔
"آؤ..... نیچے سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ فلائٹ کا وقت ہو رہا ہے۔"
دونوں ساتھ ساتھ نیچے اتر آئے۔ جہاں سب گھر والے جمع تھے۔ پھوپھو' بیٹے کو گلے لگا کر رو دیں۔
"اتنے سالوں کے بعد شکل دکھائی' اب ایسا نہ کرنا۔"
بڑے ابا نے آگے بڑھ کر بہن کو پیچھے ہٹایا اور آہستگی سے بولے۔
"اب تم پر دہری ذمہ داری ہے بیٹا! ان میں توازن رکھنا۔"
"ماموں! آپ بالکل فکر مت کریں۔ ان شاء اللہ کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔"

کچھ دن قبل ہی وہ گل کو لے کر بینک گئے تھے۔ اس کے نام اکاؤنٹ کھلوایا تھا کہ گل کے خرچے کے لیے وہ الگ سے رقم بھجوائیں گے۔ سب سے مل کر بیلا کے سامنے رکے، جو گل کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھی۔

"اچھا بیلا رانی! تمھیں ہم سے بہت شکایتیں سہی... پر اپنی امانت چھوڑے جا رہا ہوں۔ میری مسز کا خیال رکھنا۔"

اور بیلا سب کچھ بھول کر ان کے بازو سے آ لگی، وہ ہنس دیے۔

"شکر ہے تمھارا اعتبار تو جیتا۔"

اک جذباتی سے سین کے بعد وہ گھر سے روانہ ہوئے۔ گل پلٹ کر ماں کے کمرے میں جا گھسی۔ فیضان انہیں چھوڑنے جا رہے تھے۔ باقی سب کو انہوں نے خود ہی ایئر پورٹ آنے سے منع کر دیا تھا۔ یوں وہ جس طرح اچانک آئے تھے، اسی طرح لوٹ گئے۔ گل کے پاس پہلے ان کا انتظار تھا اور اب بھی... بس یہ تھا کہ اب اس انتظار میں وہ تنہا نہ تھی۔ اپنے اندر سانس لیتے وجود کا احساس اسے دسراہٹ دیتا۔

گل کے لیے نہ سہی ڈِکی کو اپنے بچے کے لیے تو لوٹ کر آنا تھا۔



"مجھے تیمور احمد کہتے ہیں۔"

دونوں ابھی انسٹی ٹیوٹ سے باہر نکلی ہی تھیں، جب سر تیمور عین سامنے آ کھڑے ہوئے۔ دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر زیبا بولی۔

"جی ہم جانتے ہیں۔" سر تیمور کو یہ انسٹی ٹیوٹ جوائن کیے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا۔ وہ ینگ تھے اور اسمارٹ بھی، سو لڑکیوں میں خاصے مقبول بھی تھے۔

"دراصل یہ بات ایسی نہیں کہ یوں سرِ راہ کی جائے... مگر مجبوری ہے، میں بلاوجہ آپ کو اپنے آفس میں بلانا نہیں چاہتا۔ دراصل میں مس رابیل کے لیے اپنے گھر والوں کو بھیجنا چاہتا ہوں، اگر یہ کہیں انگیجڈ نہ ہوں تو۔" سنجیدہ چہرہ، پُر متانت لہجہ، دونوں ہکا بکا رہ گئیں۔ خصوصاً بیلا کا تو اچھا خاصا منہ کھل گیا تھا۔

"آئی ایم سوری، شاید آپ کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔" وہ ان کے ردِ عمل پر شرمندہ ہو گئے۔

"ایسی بات نہیں ہے۔" بالآخر زیبا سنبھلی۔ "دراصل ہمارے ہاں خاندان سے باہر رشتے نہیں ہوتے۔" وہ بیلا کا ہاتھ پکڑ کر آگے نکل گئی۔ جبکہ وہ حسرت زدہ چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتے رہ گئے تھے۔ بیلا کچھ دیر خاموشی سے چلتی رہی، پھر ایک دم ہنس پڑی۔

"خیریت..." زیبا ٹھٹک کر رکی، جبکہ وہ ہنستی چلی گئی، پھر بمشکل بولی۔

"اسی لیے میں گھر سے باہر نہیں نکلتی، لوگ دیدہ و دل فرشِ راہ کیے رہتے ہیں۔
لوگ کیا کریں، محسن جہاں سوز کی تاب لانا ممکن کہاں؟"

"شامت پھیلو..." زیبا نے برا سا منہ بنایا۔ "سر تیمور کی نزدیک کی نظر کمزور ہے۔"

"تب ہی تو نظر نزدیک نہیں دور پڑی ہے۔" وہ مزید اٹھلائی کہ زیبا ان کی اسٹوڈنٹ رہ چکی تھی۔

"لیکن سنو! تم نے منہ پھاڑ کر انکار کیسے کر دیا۔" بیلا کے قدم ایک دم رکے۔

"کیونکہ بڑی بہن ہونے کے ناتے مجھے پتا ہے تمھارے لیے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں۔"

"اچھا تو کیا یہ پروپوزل میرے لیے اچھا نہیں تھا۔" بیلا نے مایوسی سے پوچھا۔

"سر تیمور کی طرح تمھاری بھی نزدیک کی نظر کمزور ہے۔" زیبا کہہ کر رکی نہیں۔ پوائنٹ کی طرف بڑھ گئی



ان ہی دنوں گھر میں نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا تو وہ بھول بھال گئی۔ فیضان نے اچانک ہی باہر جانے کا اعلان کر دیا۔ سب ششدر سے رہ گئے۔ بالا ہی بالا سارے انتظامات کر کے انہیں صرف بتایا جا رہا تھا۔ مارے صدمے کے بڑے ابا کچھ بول ہی نہ سکے۔ فیضان سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"میں بہت مجبور ہو گیا ہوں ابو.... سونیا...." انہوں نے ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا' اب ساری وضاحتیں بے کار تھیں۔

بڑی امی پھپک پھپک کر رونے لگیں۔

"آخر تمہاری سسرال کا رنگ تم پر چڑھ ہی گیا۔ مجھے تو اسی دن سمجھ جانا چاہیے تھا' جب اس بڑے گھر کی لڑکی سے شادی کی تھی۔"

"اب کیا ہو سکتا ہے۔ جب پرندے اڑان بھرنا سیکھ لیں تو انہیں گھونسلوں تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں نئی پرواز بھرنے دیں بھائی صاحب!" ابو نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ڈھارس بندھائی' فیضان سرخ آنکھوں کے ساتھ اٹھ گئے۔ یہ تو وہ ہی جانتے تھے کہ وہ یہ فیصلہ کس مجبوری میں کر رہے تھے۔ یہ ان کی اولاد کے مستقبل کا سوال تھا۔ ورنہ سونیا نے علیحدگی کی دھمکی دی تھی۔



عجیب سی بے چینی تھی' جو اسے سونے نہ دیتی تھی۔ اے سی کی خنکی کے باوجود پسینے میں نہائے جا رہی تھی۔ اچانک لگا' دم گھٹ رہا ہے۔ کمرے میں آکسیجن کم ہے۔ اس نے گردن موڑ کر پاس سوئی پھوپھو کو دیکھا۔ وہ منہ کھولے ہولے ہولے خراٹے لے رہی تھیں' وہ اٹھ بیٹھی۔ دو گھونٹ پانی پیا' پھر چپل پہن کر باہر نکل آئی پھر کمر پر ہاتھ رکھے ہولے ہولے چکر لگانے لگی۔

اوائل جون کی رات تھی' مگر خوش گوار.... اس نے دیوار سے ٹیک لگا کر آدھے چاند کو دیکھا' جو تھا تو ادھورا مگر بے حد روشن تھا۔

کتنے موسم بیتے۔

ساون' پت جھڑ' سرما اپنی گلابی ٹھنڈک بانٹ کر چلا گیا۔

اب پھر سے وہ ہی موسم ہے' جب تم لوٹ کر آئے تھے۔

جب تم نے مجھے اپنا بنایا۔

میرے ادھورے وجود کو اپنی روشنی سے بھر دیا۔

اب آجاؤ پھر سے آجاؤ' درد کے اس صحرا کو میں اکیلے کیسے پار کر پاؤں گی۔

اس کے وجود میں ہلکی ہلکی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ اس پورے عرصے میں ذکی کے فون متواتر آتے رہے تھے۔ مگر انہوں نے کبھی گل کا حال نہ پوچھا تھا۔ ان کی ساری فکریں اپنے بچے کے گرد گھومتیں اور آخر میں کہتے۔

"میری امانت کا خیال رکھنا۔"

گل کا جی چاہتا! وہ کبھی تو پوچھے۔ "میں کون ہوں؟ کہاں ہوں؟ تمہاری زندگی میں میری حیثیت کیا ہے؟"

مگر سارے سوال اندر ہی سر پٹختے رہ جاتے' اسے سوال جواب کی عادت ہی کہاں تھی۔ کبھی لگتا یہ گزرا وقت اک حسین خواب کے سوا کچھ بھی نہیں' ابھی آنکھ کھلے گی اور.... وہ سہم جاتی' مگر اس کے وجود میں ہوتی آہٹیں بتاتیں یہ سپنا نہیں حقیقت ہے۔

درد کی اک لہر اٹھی' اس نے لب بھینچ کر دیوار سے سر ٹکا دیا۔ ایک پل کو لگا اک بھاری گرم ہاتھ اس کی پیشانی پر آرکا ہو۔



سب کے لیے وہ ننھا سا وجود عجیب کشش رکھتا تھا۔ وہ بار بار اپنی انگلی سے اس کی آنکھ کی پتلی چھو کر دیکھنا چاہتا۔ وہ خود اس کے گلابی روئی سے پیروں کو گدگدا کر خوش ہو رہی تھی۔ فیضان کے بیٹے کی تو صرف تصویریں دیکھنے کو ملی تھیں، مگر یہ جیتا جاگتا کھلونا تو سب کے ہاتھوں میں سفر کر رہا تھا۔ ہر کوئی اسے گود میں لے کر بیٹھنا چاہتا' بڑی امی شکرانے کے نفل پڑھتے نہ تھکتیں' انہیں لگتا ان کی بیٹی' ماں بن کر معتبر ہو گئی ہے۔ پھوپھو پورے خاندان میں مٹھائی بانٹ رہی تھیں۔ آخر ان کا پہلا پوتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے پورے دس سال کے بعد نوازا تھا۔ ذکی بھائی کو اسی وقت فون کیا گیا۔ نیٹ پر بچے کی تصویریں بھیجی گئیں۔ عاشر کو سب سے پہلے بیلا کا پیغام ملا کہ وہ چچا بن گیا ہے۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ اڑ کر پہنچ جائے۔ ذکی کی بھی یہ ہی کیفیت تھی۔ انہوں نے گل سے بھی بات کی اور پہلی دستیاب فلائٹ سے آنے کا وعدہ بھی۔



فہد نے واپس آکر پاکستان میں ہی جاب شروع کی تو سب نے سکون کا سانس لیا۔ زیبا نے کورس ادھورے چھوڑ کر شادی کی تیاری شروع کر دی۔ وہ اپنے ملبوسات خود ڈیزائن کر رہی تھی' سو مصروف تھی۔

کہاں ذکی کہتا تھا کہ بس بھاگا آ رہا ہوں اور کہاں تین ماہ گزر گئے' آنے کا نام ہی نہیں۔ بیلا ابھی ابھی واپس آئی تھی' بیگ جرنل ایک طرف رکھ کر جوتے اتارنے لگی۔

"یا ہر کے سو بکھیڑے' اب ہم ان چکروں کو کیا جانیں۔" بڑی امی بس اسی بات پر راضی تھیں کہ بیٹی شادی شدہ بھی تھی اور اولاد والی بھی۔ اس سے آگے وہ سارے سمجھوتے بخوشی کرنے کو تیار تھیں۔ بیلا ٹھنڈے فرش پر ننگے پاؤں چلتی گل کے کمرے میں چلی آئی۔ واپس آکر جب تک صائم کو نہ دیکھ لیتی چین نہ پڑتا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"ارے تم کب آئے؟"

وہی بے ساختہ خوشی جو عاشر کی ساری تھکن مٹا دیتی۔ وہ جو منے کو سینے پر لٹائے اسے گدگدا رہا تھا' سیدھا ہو بیٹھا۔ بیڈ پر وہ تمام کھلونے بکھرے تھے' جو وہ صائم کے لیے لایا تھا۔

"اس بار کتنے مہینوں کے بعد آئے ہو۔"

"بہت ٹف ڈیوٹی ہے محترمہ! چھٹی بالکل نہیں ملتی۔"

"تم تو کال بھی ریسیو نہیں کرتے۔"

"بتایا نا..... تم سناؤ کیا ہو رہا ہے؟" وہ صائم کے ننھے منے ہاتھوں کو تھام کر تالی بجوا رہا تھا اور صائم کھلکھلا رہا تھا بیلا پاس بیٹھ کر دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

"وہی کچھ' تمہیں اپنا بھتیجا کیسا لگا؟"

"یہ میرا تمہارا کیا ہوتا ہے۔" عاشر نے جس لہجے میں پوچھا' بیلا شرمندہ سی ہو گئی۔

"باری! میرے پاس آؤ' کھو آنی گندی ہے' چاچو چاکلیٹ دے گا۔" ابرار نے باری باری دونوں کا چہرہ دیکھا۔ آنی کا چوبیس گھنٹے کا ساتھ تھا اور چاچو کبھی کبھار نظر آنے والا چاند' سو وہ آنی سے لپٹ گیا۔

"دیکھا جو ہم سے پیار کرتے ہیں' وہ پارٹی نہیں بدلتے۔" وہ اترائی۔

"بدل کر جائیں گے کہاں؟" عاشر بڑبڑایا۔ تب ہی صنوبر واش روم سے باہر نکل آئی۔

بیلا آ گئی ہو' کھانا کھا لیا؟ جیسے سوال کرنے لگی' عاشر نے محسوس کیا' گل اب پہلے کی طرح گم صم نہیں رہتی تھی۔ اس کی شخصیت میں اعتماد کی جھلک دکھائی دیتی۔ ضرورت کے مطابق اچھے طریقے سے بات چیت کرتی۔

"میں صائم سے ملنے آئی تھی' یہ تو چاچو کی گود سے ہی نہیں نکل رہا۔"

"میں کھانا گرم کرتی ہوں' تم دونوں آ جاؤ۔ عاشر نے بھی نہیں کھایا۔" وہ باہر نکل گئی۔ کھانا کھاتے ہوئے بیلا

نے عاشر کو گزرے تمام دنوں کی روداد سنائی۔ اس نے کھانا کم کھایا اور بیلا کو سنا اور دیکھا زیادہ تھا۔ لیکن اس کے دیکھنے میں اتنی سادگی تھی کہ بیلا کو کبھی کچھ خاص محسوس ہی نہ ہوا۔

یہ ہی چہرہ ہے' میری محبت کا خوب صورت چہرہ' جو پر خطر گھڑی میں مجھے زندگی کی طرف کھینچ لیتا ہے۔

یہ ہی آواز ہے' میری محبت کی آواز' جو ہر تاریکی میں روشنی بن کے لپکتی ہے۔

اے خدا! میری محبت کا چہرہ یوں ہی جگمگا تا رہے۔

اس کی آواز کی خوشبو یوں ہی میرے وجود کے گرد اپنا حصار باندھے رکھے۔ جدائیوں کی خلیج کبھی ہمارے درمیان حائل نہ ہونے پائے۔

"میں پوچھ رہی ہوں تمہارا ذکی بھائی سے کوئی رابطہ ہے یا نہیں۔ چار ماہ ہو گئے ہیں۔ وہ آئے کیوں نہیں رہے۔"

"میرا خیال ہے تم تصور میں زیادہ خوب صورت لگتی ہو۔" وہ ہنس کر بولا۔

"اس بات کا مطلب۔" بیلا نے چمچہ پٹخ کر گھورا۔

"کچھ نہیں۔ آج فون کرتے ہیں بھائی کو۔" عاشر نے بدمزا سا ہو کر پانی کا گلاس منہ کو لگا لیا۔



نومبر کی رعنائیاں اپنے جوبن پر تھیں۔ وہ ایک خوب روشن اور چمک دار سا دن تھا۔ بڑی امی نے صائم کو نہلا دھلا کر سفید کڑھائی والا کرتا پاجامہ پہنا کر پرام میں بٹھایا تھا۔ اب وہ خوب آوازیں نکالتا' ہنستا' مانوس چہرے دیکھ کر کلکاریاں مارتا۔ سیفٹی بیلٹ لگا کر وہ فیڈر لینے کچن میں چلی گئیں۔ وہ اپنے سامنے اک اجنبی چہرہ دیکھ کر ایک دم خاموش ہو گیا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر جھک کر ہولے سے اس کے گلابی پھولے پھولے گالوں کو چھوا۔ انہیں یقین ہی نہ آتا تھا کہ یہ ان کا اپنا بیٹا ہے اور وہ اتنے ماہ اس سے دور کیسے رہ لیے۔ صائم کھلکھلا اٹھا۔ انہوں نے بے اختیار اٹھا کر اسے سینے میں بھینچ لیا۔ اندر باہر لگی آگ پر ٹھنڈی پھوار برسی۔

"ذکی۔۔۔" اپنی دھن میں باہر آتی بڑی امی ٹھٹک کر رک گئیں۔ آن واحد میں سب گھر والے جمع ہو گئے۔ وہ اکیلے نہیں تھے۔ ساتھ شائستہ بھی آئی تھی۔ پھوپھو نے وہیں ان کے لتے لینے شروع کر دیے۔ صنوبر نہا کر نکلی تھی۔ جب بیلا نے اطلاع دی۔ گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتے وہ تھم سی گئی۔ پھر تولیہ ایک طرف رکھ کر سر پر دوپٹہ لیتی باہر آ گئی۔ پہلی نظر شائستہ پر پڑی اور شائستہ کی اس پر' شائستہ ٹھٹک سی گئی۔

یہ کیسی روشنی اور ملاحت تھی جو گل کے چہرے کو تابناکی بخش رہی تھی۔ کیا ماں بننے کا فخر و غرور ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو سرتاپا بدل دے۔



"یہ کیا پہن رہی ہیں؟" بیلا نے اس کے ہاتھ سے براؤن سوٹ لے کر ایک طرف رکھ دیا اور خود واڈروب کھول کر کھڑی ہو گئی۔ پھر سرخ کڑھائی والا سوٹ نکال لیا' جس کے دوپٹے پر بہت خوب صورت بیلیں کڑھی ہوئی تھیں۔

"آپ یہ پہنیں گی' ہر وقت رب کو راضی کرنے میں لگی رہتی ہیں۔ آخر وہ بھی آپ کے مجازی خدا ہیں۔"

"پگلی۔۔۔ اگر رب راضی ہو جائے تو۔۔۔"

"میں کچھ نہیں سنوں گی۔ اتنے عرصے کے بعد ذکی بھائی آئے ہیں' آپ بن سنور کر رہا کریں اور ہاں یہ پیغام میرا نہیں' آپ کی ساس کا ہے۔" اس نے صائم کو گود میں بھر لیا۔

"اسے لے جا رہی ہوں' آپ اچھی طرح تیار ہو کر آئیے گا۔" وہ تیز تیز کہتی باہر نکل گئی۔ گل نے کپڑے اٹھا کر دیکھے' پھر ڈریسنگ روم میں چلی گئی' ذکی بھائی' صائم کے لیے بہت سامان لائے تھے۔ شائستہ دو دن یہاں رکی' پھر اپنے میکے چلی گئی۔

"تم گل کے لیے کیا لائے ہو۔" نہ جانے کیوں ماں نے ایسا سوال کیا تھا۔ ذکی گڑبڑا سے گئے۔ کتنی عجیب بات تھی' صائم کے لیے بہت کچھ خریدتے ہوئے ایک بار بھی خیال نہ آیا کہ انہیں گل کے لیے بھی کچھ خریدنا چاہیے۔ وہ ان کی بیوی ہی نہیں بچے کی ماں بھی تھی۔

ماں کچھ لمحے بیٹے کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ پھر اک طویل سانس لے کر اٹھیں۔ الماری کھول کر ایک سرخ کیس نکالا' پھر ذکی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

"یہ صنوبر کو دے دینا' مت بتانا کہ میں نے دیا ہے۔" ذکی نے کھول کر دیکھا' وہ اک خوب صورت لاکٹ سیٹ تھا۔

"ذکی! دو بیویاں بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہیں۔ ان میں انصاف اور توازن رکھو' پھر گل تو تمہارے بچے کی ماں بھی ہے۔ اس کا پلڑا یوں بھی بھاری ہے۔ بیوی کی حیثیت سے نہیں تو صائم کی ماں کی حیثیت سے اسے توجہ اور مان دو۔ ٹھیک ہے اسے ساتھ نہیں لے جا سکتے' مگر مجھے میرے بھائی کے سامنے تو شرمندہ مت کرو۔"

وہ سرخ کیس پر نظریں جمائے خاموشی سے کچھ سوچتے رہے۔

"جاؤ' اسے دے دو' صائم کو میرے پاس بھجوا دو۔"

وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتے اپنے بیڈ روم میں آئے۔ صائم وہاں نہیں تھا اور گل آئینے کے سامنے کھڑی اپنے لمبے بال سلجھا رہی تھی' دوپٹہ بیڈ پر پڑا تھا۔ ماں بننے کے بعد بھی اس کا جسم بے ڈول نہیں ہوا تھا۔ سرخ رنگ میں گوری رنگت دمک رہی تھی۔ گل نے آئینے میں ذکی کا عکس دیکھا۔ کچھ جھینپ کر اپنا دوپٹہ اٹھانے کو مڑی' مگر بغیر دوپٹہ اٹھائے سیدھی ہو کر ذکی کو دیکھنے لگی۔

وہ اس کے شوہر تھے' مگر یوں نظریں پھیرے کھڑے تھے۔ گویا وہ ان کی بیوی نہیں کوئی نامحرم ہو' حالانکہ وہ بہت مہینوں کے بعد مل رہے تھے اور ایسا پہلی بار نہ تھا۔ وہ جب سے لوٹے تھے' اس سے یوں کترا رہے تھے۔ بیڈ روم میں ہوتے تو صائم میں کھوئے رہتے۔ کوئی صائم کو لے جاتا تو خود بھی بدک کر بھاگتے۔

گل کی چھٹی حس جاگنے لگی۔

اس نے ذکی کو بہت انتظار کے بعد پایا تھا۔ اب کھونے کی ہمت نہ تھی۔

وہ قدم قدم چلتی ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"کیسی لگ رہی ہوں۔" یہ اس کی سرشت نہ تھی۔ مگر سامنے کھڑا شخص کوئی غیر نہیں اس کا شوہر تھا۔

"ہوں۔" ذکی نے نظریں اٹھا کر اسے بس ایک ہی پل کو دیکھا۔ پھر ہاتھ میں پکڑا کیس اس کی سمت بڑھا دیا۔

"یہ تمہارے لیے لایا تھا۔"

گل نے نظریں جھکا کر دیکھا۔ اس کے اور ذکی کے بیچ صرف اک کیس کا فاصلہ تھا۔ اگر وہ یہ فاصلہ خود سے پاٹ دے' گل کے اندر کی عورت انگڑائی لے کر بیدار ہوئی۔ اس نے ڈبہ پکڑ لیا۔ مگر..... ذکی تیزی سے مڑ کر باہر نکل گئے تھے۔



"مجھے تو لگتا ہے مجھ سے پہلے تم پیا دیس سدھار جاؤ گی۔" جھنجلائی ہوئی زیبا کمرے میں داخل ہوئی تو بیلا نے رسالہ رکھ کر اس کی سمت دیکھا۔

"اب فہد صاحب نے شادی چند ماہ لیٹ کر دی تو اس میں میرا کیا قصور۔"

"ہاں تو ٹھیک ٹھاک ہی سو' اٹھ کر مل لو۔"

"کس سے؟"

"اپنی ہونے والی ساس سے۔"

"ہاں نہیں۔" وہ اچھل کر بیٹھ گئی۔ "میں ہاتھ منہ دھولوں۔"
"بکواس مت کرو' وہ بیٹھی ہیں' سر تیمور کی والدہ محترمہ۔"
"ارے... انہیں تو تم نے..."
"بھگا دیا مگر انہیں پتا چلا کہ تم اب تک سنگل ہو تو قسمت آزمانے کو اماں بھیج دی۔"
"تو تم کیوں جل بھن رہی ہو۔" وہ کھلکھلائی۔ آئینے کے سامنے بال ٹھیک ٹھاک کیے۔ کپڑے تو تھوڑی دیر قبل ہی نہا کر تبدیل کیے تھے' پھر گنگناتی ہوئی کچن میں سنبعہ بھابھی کے پاس چلی گئی' جو مہمانوں کے لیے چائے کا بندوبست کر رہی تھیں۔ جبکہ زیبا سر پکڑ کر رہ گئی۔
"یا اللہ! کیسی بے خبر لڑکی ہے۔"
مہمانوں کے جانے کے بعد گھر والے سر جوڑ کر غور و خوض کرنے لگے۔ کیونکہ سر تیمور کی والدہ باقاعدہ رشتہ ڈال گئی تھیں۔ ظاہر ہے جب بیٹا ہی راضی تھا تو انہیں کیا اعتراض ہوتا۔
عاشر کو زیبا نے فون کیا تھا۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے' تم اچھی طرح جانتی ہو۔"
"میں جانتی ہوں' مگر وہ احمق... تم نے بھی تو اسے کچھ نہیں بتایا۔"
"اس کی کچھ سمجھ میں بھی تو آئے' میں نے سوچا تھا اس احمق اور اول جلول سی لڑکی کو کون پسند کرے گا' سوائے میرے۔"
"وہ اول جلول لڑکی اچھی خاصی خوب صورت ہے۔" زیبا نے جتایا۔
"اچھا۔ مجھے تو کبھی نہیں لگی۔" وہ ہنسا۔
"پھر خواہ مخواہ دل ہارے پھر رہے ہو۔"
"وہ تو بچپن سے اسے دیکھنے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔"
"خیال رہے عادتیں بدلی بھی جا سکتی ہیں۔" زیبا نے دھمکی دی۔
"ہاں... مگر محبتیں نہیں۔" عاشر نے دھیرے سے کہہ کر لائن کاٹ دی۔
"سنو! گھر والوں نے سر تیمور کو کیا کہا۔" شام کو بیلا بڑی رازداری سے زیبا سے پوچھ رہی تھی۔
"بہت جلدی ہے تو کل ہی نکاح پڑھوا دوں؟" زیبا جل بھن کر رہ گئی۔
"ہائے نہیں' تم سے پہلے اچھی لگوں گی؟" وہ شرما گئی۔ زیبا بس مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔ گھر میں کچھ دن پراسرار سرگرمیاں چلتی رہیں۔ باوجود کن سوئیاں لینے کے بیلا کے ہاتھ کچھ نہ لگا۔ پھر پتا چلا سر تیمور کو انکار کر دیا گیا ہے اور ایک شام پھوپھو نے اسے دبوچ کر خوب بلائیں لیں۔ پانچ ہزار ہاتھ پر رکھے۔ مٹھائی منہ میں ٹھونسی...



"مجھے لگتا ہے میں دنیا کا سب سے خوش نصیب انسان ہوں۔" بیلا نے کان سے موبائل ہٹا کر گھورا... عاشر کی اس ٹون کو ہضم کرنا اتنا بھی آسان نہ تھا۔
"اچھا..." بیلا کو گویا شک تھا۔
"بیلا! تم خوش ہو۔"
"ہاں' بہت۔" اس نے عاشر کی تسلی کے لیے کہہ دیا۔
"لیکن مجھ سے زیادہ نہیں۔" وہ پورے وثوق سے بولا۔
"ہاں... تم تو تھوڑا تھوڑا کھسکے ہوئے لگ رہے ہو۔" "بیلا! تم نیند میں ہو۔" کچھ چپ رہنے کے بعد عاشر کو پوچھنا پڑا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں تو پوری طرح جاگ رہی ہوں۔" اس نے بدقت جمائی روکی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اچھا خاصا خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی' جب عاشر کی کال آئی۔

"بیلا! چاند کیا کہہ رہا ہے۔"

"چاند۔۔۔" بیلا نے سر اٹھا کر چاند کو دیکھا۔ چودھویں کا چاند عین دیوار پر کسی چوڑے تھال کی طرح پڑا تھا۔ "کانسی کا ایسا تھال جسے اچھی طرح مانجھا نہ گیا ہو۔" "اف بیلا کی بچی! بری چھنسی' زیبا کے موبائل سے چند رومانٹک اشعار ہی چرا لیتی۔ ساری زندگی تو عاشر کو عاشر سمجھ کر بات کی ہے اب منگیتر سمجھ کر بات کیسے کروں۔

کل چودھویں کی رات تھی شب بھر رہا چرچا تیرا
کچھ نے کہا یہ چاند ہے' کچھ نے کہا چہرہ تیرا

"ہائے اللہ! ایسا داغ دھبوں سے بھرا چہرہ۔۔۔ عاشر! لگتا ہے تم نے مجھے کبھی غور سے نہیں دیکھا۔" وہ بدک کر بولی۔

"میں نے تو ساری عمر تمہارے سوا اور کسی کو دیکھا ہی نہیں۔ پتا ہے جب تم پالنے میں تھیں۔۔۔"

"پالنے میں؟" وہ چلائی۔

"مطلب۔۔۔ جب تم پاؤں پاؤں۔۔۔"

"گویا تمہاری نیت بچپن سے ہی خراب تھی۔"

"تم چپ کر کے اظہار محبت نہیں سن سکتیں؟"

"تم نے ہی پالنے اور پاؤں پاؤں چلنے کا ذکر شروع کر دیا۔ گویا کسی پیمپر کا اشتہار ہو۔"

"تم انتہائی بے ہودہ لڑکی ہو اور جب میں نے کتاب میں پھول رکھا تو۔۔۔"

"اچھا تو وہ فضول حرکت تمہاری تھی۔"

وہ ایک پل کو بالکل خاموش ہو گیا۔ پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"بیلا! میرا دل چاہتا ہے' سامنے والی دیوار سے سر ٹکرا دوں۔"

"تمہارے پاس بینڈیج کا سامان تو ہے نا۔" اس نے ازراہ احتیاط دریافت کیا۔

"بیلا! میں جا رہا ہوں۔"

"ٹکر مارنے۔"

"اوہ یو شٹ اپ۔"

"اچھا عاشر! غصہ مت کرو۔ وہ ایسا ہے کہ میں بچپن سے تمہیں ایک دوست کی حیثیت سے دیکھتی آئی ہوں۔ ایک دم منگیتر کی حیثیت سے تمہاری رومانٹک گفتگو مجھے ہضم نہیں ہو رہی اب تھوڑا ٹائم تو۔۔۔"

"گڈ نائٹ بیلا! اور ہو سکے تو اس رشتے کی خوب صورتی اور لطافت کو محسوس کرنے کی کوشش کرنا۔"

لائن کٹ گئی تھی۔ وہ کچھ لمحے خاموشی سے بیٹھی رہی' پھر عقب میں جھولے پر سر ٹکا کر پورے چاند کو دیکھنے۔ خنک ہوا میں موتیا و چنبیلی کی باس گھلی ملی تھی۔ خوشبوؤں سے بوجھل رات ہولے ہولے سرگوشیاں کرنے وہ ہولے سے مسکرائی۔

نہیں اتنی بھی بے وقوف نہیں عاشر صاحب کہ اس رشتے کی لطافت و خوب صورتی کو محسوس نہ کر سکوں۔"

اس نے نظروں کا زاویہ بدلا تو نگاہوں میں کھلی کھڑکی میں ایستادہ وجود آ گیا۔ وہ نہ جانے کب سے وہاں کھڑے سگریٹ پھونک رہے تھے۔

بڑی بھائی! نیند نہیں آ رہی۔" اس نے ننگے پاؤں نیچے گھاس پر رکھے۔ وہ کچھ نہیں بولے' البتہ کھڑکی سے ہٹ

گئے تھے۔ بیلا الجھ سی گئی۔



"امی! آپ کو نہیں لگتا' ذکی بھائی کچھ پریشان اور الجھے ہوئے ہیں۔" بیلا کو عادت تھی' جو دل میں ہوتا فوراً اگل دیتی۔ امی نے گھور کر اسے دیکھا۔

"سوچتی ہوں زیبا کے ساتھ اس کی بھی شادی کردوں۔" سب نے اس غیر متوقع بات پر انہیں حیرت سے دیکھا۔

"کم از کم میرے سر سے یہ بلا تو ٹلے۔"

"ہا...ہا... شادی کے بعد بھی یہ بلا آپ کے سر رہے گی۔ آخر مجھے جانا ہی کہاں ہے؟" وہ کھلکھلائی' بڑی امی ہنس دیں۔

"بھئی' یہ تو اس گھر کی رونق ہے اور کہتی بھی ٹھیک ہے۔ نہ کوئی ہنسی' نہ مذاق' جب سے آیا ہے یوں ہی سنجیدہ سا اندر باہر پھرتا ہے' حالانکہ بیٹے کی خوشی میں تو اس کے پاؤں زمین پر نہیں لگنے چاہیے تھے۔"

"میں پھوپھو سے پوچھوں گی۔"

"خبردار... تمہیں کوئی ضرورت نہیں دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی۔" امی نے گھر کا۔ "اور یہ بھی یاد رکھو' تمہارا ان کے ساتھ اب دہرا رشتہ ہے' سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔"

"اسی لیے تو ان کے تمام مسائل کو میں اپنے مسائل سمجھتی ہوں۔" بیلا اترائی تو وہ سر پر ہاتھ مار کر رہ گئیں۔

"کیا کروں اس لڑکی کا' زیبا بھی تو ہے' موقع محل' حساب کتاب دیکھ کر بات کرتی ہے' اسے تو پتا ہی نہیں چلتا کون سی بات کہاں کرنا ہے۔"

"اچھا... وہ کون سا غیروں میں جا رہی ہے' یہیں آنکھوں کے سامنے رہے گی۔"

"اٹھ کر کچن دیکھو' سنبعہ اکیلی لگی ہوئی ہے۔" امی نے حسب دستور اسے مصروف کرنا چاہا۔

"لیکن میری بات تو درمیان میں ہی رہ گئی۔" بیلا کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ ماں کے تیور دیکھ کر کچن میں بھاگی اور بڑی اماں کو اور کچھ ہو نہ ہو' بیلا کی باتوں پر یقین ضرور تھا' تب ہی صنوبر کو بلا کر پوچھنے لگیں۔

"ذکی ٹھیک تو ہے' کچھ پریشان ہے' تمہیں کچھ بتایا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں امی! سب ٹھیک ہے۔" گل نے آہستگی سے کہہ کر بات پلٹی۔

"اللہ کرے' سب ٹھیک ٹھاک ہی رہے۔"



وہ جھولے پر بیٹھے بالکل خاموش اور کسی گہری سوچ میں مستغرق تھے۔ ماتھے پر گہری ہوتی شکنیں ان کی پریشان خیالی کی غماز تھیں... تب ہی ان کا سیل فون گنگنا اٹھا... انہوں نے چونک کر اسکرین پر چمکتے نام کو دیکھا۔ پھر اک طویل سانس لے کر آن پر انگلی رکھ دی۔

"تم نے گل سے بات کی...؟" شائستہ نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"نہیں' لیکن میں جلد ہی..."

"کیا جلد ہی... ذکی ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ کتنے دنوں سے تم اس کے گھٹنے سے لگے بیٹھے ہو۔ اب تک بات نہیں کر سکے۔"

"شائستہ! یہ اتنا آسان نہیں ہے۔"

"میں تمہاری بیوی ہوں..... تمہیں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمہارے لیے کچھ بھی مشکل نہیں 'خاص طور پر وہ بات جس میں تمہارا فائدہ ہو۔" اس کے استہزائیہ لہجے پر ذکی لب بھینچ کر رہ گئے۔

"بہر حال 'تم آج ہی اس سے بات کرو..... حتمی اور نتیجہ خیز بات....."

اسکرین بجھ گئی..... مگر وہ وہیں بیٹھے رہے۔ شام گرد آلود ہو رہی تھی.....

"آندھی آئے گی۔ لڑکیوں! اسمیٹا سمیٹی کرلو۔" بڑی امی کی آواز آئی۔ ذکی نے سر اٹھا کر گھرے ہوتے آسمان کو دیکھا۔

"سفیان! ذکی تمہیں بتا کر گیا ہے۔" ماں کی آواز اوپری صحن سے ابھری۔ وہ اٹھے اور چوروں کی طرح کچن کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوئے۔

"فہد کی امی کا فون آیا ہے 'کہہ رہی تھیں شادی کی تاریخ طے کرلیں۔" وہ سب کی نظروں سے بچ کر اوپر جانا چاہتے تھے۔

"امی! پہلے دروازے کھڑکیاں بند کرلیں۔" بیلا کی جھنجلائی ہوئی آواز آئی۔ گل بیٹھی بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ انہیں دیکھا تو دوپٹہ ٹھیک کرنے لگی۔

"طوفان آنے والا ہے۔" بلا ارادہ ذکی کے منہ سے نکلا۔

"ہاں..... آندھی کے آثار ہیں۔ کھڑکی تو بند کردیں۔"

ذکی نے آگے بڑھ کر کھڑکی بند کردی..... کچھ لمحے متذبذب سے بند کھڑکی کے سامنے کھڑے رہے۔

"آپ کچھ پریشان ہیں۔" گل کو پوچھنا ہی پڑا۔

"ہوں 'نہیں۔" ان کے اندر سگریٹ کی طلب اٹھی۔ جسے دباتے ہوئے وہ اس کے قریب آ بیٹھے..... گل سمٹ سی گئی۔ بچہ دودھ پیتے پیتے سو گیا تھا۔ انہوں نے احتیاط سے اس کا سر ہٹاتے ہوئے قمیص برابر کی..... ذکی آہستہ آہستہ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

گل کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ آج بہت دنوں کے بعد وہ یوں اس کے قریب بیٹھے تھے۔ تب ہی انہوں نے اچانک پوچھا۔

"گل! مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو؟"

گل کی سمجھ میں نہ آیا وہ کون سا پیمانہ ہو 'جس سے وہ اپنی محبت ناپ کر بتا سکے۔ ذکی نے آہستگی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"بہت۔" گل کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"محبت قربانی مانگتی ہے۔" انہوں نے ایک بازو پھیلا کر اسے خود سے اور قریب کرلیا۔

"کیسی قربانی؟" گل کا دل دہل سا گیا۔

"دے سکو گی؟" ذکی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کیسی قربانی؟" گل نے دہرایا..... اس کا لہجہ اور آنکھیں دونوں خوف زدہ تھیں۔

"صائم مجھے دے دو....."

بہت زور کی آندھی اٹھی۔ کھڑکی کے دونوں پٹ اک آواز سے کھل کر دیواروں سے ٹکرائے۔

"مجھے اور شائستہ کو..... یہ وہاں امریکہ میں پلے گا..... وہاں کی نیشنلٹی ملے گی..... کہاں سے کہاں پہنچ جائے گا۔ اس کا بہتر مستقبل....."

"اور میں....." گرد کا طوفان بیڈ روم میں گھس کر ہر شے کو آلودہ کرنے لگا۔

"تم دوبارہ ماں بن سکتی ہو۔۔۔ صائم کے بعد اور بچے بھی ہوں گے۔۔۔ میں آتا جاتا رہوں گا۔"
گل نے بے یقینی سے ذکی کو۔۔۔ پھر سر جھکا کر گود میں سوئے بچے کو دیکھا اور اسے ایک دم سے سینے میں بھینچ لیا۔۔۔ اور تیزی سے دور ہٹ گئی۔
"کوئی۔۔۔ اپنا کلیجہ نوچ کر کسی دوسرے کو دے سکتا ہے۔۔؟ پھر ایک ماں سے اس کی اولاد۔۔۔ یہ کیسا سنگ دل انسان تھا۔۔۔ وہ لب بستہ نفی میں سر ہلانے لگی۔
"خدا کے لیے گل۔۔۔ تمہیں تو اللہ سے بہت محبت ہے' اسی کی خاطر۔ ہماری طرف دیکھو۔ ہم نے اک طویل عرصہ اولاد کے لیے ترستے ہوئے گزارا ہے۔۔۔ تم عورت ہو' اس عورت کی محرومی محسوس کرو' جو کبھی ماں نہیں بن سکتی۔۔۔ تمہیں اللہ اور اولاد دے گا۔ یہ بچہ ہمیں دے دو۔۔۔ میں اس کے بدلے تمہیں کچھ بھی دینے کو تیار ہوں۔۔۔ تم کہو تو یہ گھر تمہارے نام کردوں۔۔۔ اس گھر میں جو حصہ ہمارا ہے' وہ میں تمہیں دے دوں گا اس کے علاوہ بھی۔۔۔" وہ فریاد کر رہے تھے۔۔۔ رو رہے تھے اور گل کا دل چاہ رہا تھا۔ اپنے بچے کو کلیجے سے لگا کر یہاں سے دور بھاگ جائے۔۔۔ اسے ذکی سے گھن سی آئی۔ وہ اس کا بچہ خریدنا چاہتے تھے۔
"گل!" انہوں نے گل کا پلو پکڑ لیا۔۔۔ "تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔۔۔ تمہیں اسی محبت کا واسطہ۔۔۔ اپنے ذکی کو مایوس مت کرنا۔"
"ذکی' چلے جاؤ۔" وہ بچے سمیت بیڈ سے نیچے اتر گئی۔ ذکی کے ہاتھ سے اس کا پلو چھوٹ گیا' وہ کچھ لمحے چہرہ جھکائے یونہی بیٹھے رہے پھر آہستگی سے سر اٹھایا تو چہرے کے تاثرات جامد تھے اور بولے تو آواز میں بلا کا ٹھہراؤ تھا۔۔۔۔
"ٹھیک ہے۔۔۔ جیسے تمہاری مرضی۔" وہ اٹھ کر اس کے مقابل آکھڑے ہوئے۔۔۔ گل سہم کر پیچھے ہٹی۔
"شائستہ نے مجھے تم سے شادی کی اجازت صرف اسی شرط پر دی تھی کہ میں تمہارا پہلا بچہ اس کی گود میں ڈالوں گا۔ اب یہ نہیں ہوا۔۔۔ تو میں پاکستان میں نہیں رہتا ہوں کہ جہاں ایک وقت میں دو دو بیویاں رکھ سکوں۔ وہ میرے خلاف کورٹ میں بھی جاسکتی ہے۔۔۔ بلکہ جائے گی۔۔۔ سو میرے پاس اس کے سوا اور کوئی آپشن نہیں کہ تمہیں طلاق دے دوں۔۔۔"
انہوں نے اتنے آرام اور سکون سے کہا گویا طلاق نہیں کوئی نیا سوٹ دلانے کی بات کر رہے ہیں۔ گل دم بخود ٹکر ٹکر ذکی کا چہرہ دیکھتی رہی۔۔۔ ہواؤں کی شوریدہ سری میں اضافہ ہو گیا تھا۔ گل کو لگا تیز ہوا اسے اڑائے لے جا رہی ہے اس کا وجود ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں میں بکھر رہا تھا اور وہ دم بخود کھڑی تھی۔
"اور کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بچے کی لیگل کسٹڈی کا کیس کردوں گا۔۔۔ کب تک اسے اپنے پاس رکھوگی۔۔۔ آخر کو اسے میرے پاس ہی آنا ہے۔ فیصلہ تمہارا ہے۔۔۔ اب دوگی یا طلاق کے بعد۔۔۔"
گرد سے گل کی آنکھیں اٹ گئیں۔ اس نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔۔۔
بچہ اس کی گود میں زور سے کسمسایا۔



"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"
"کیا کھا کر اس سانپ کو جنم دیا تھا۔۔۔ جو اپنے ہی گھر میں نقب لگانے سے باز نہ آیا۔ اپنے ہی خونی رشتوں کو ڈستے ہوئے اسے ذرا حیا نہ آئی۔
"کیسا بے غیرت و بے حس انسان ہے۔ اک ماں کی گود سے بچہ چھین کر لے گیا۔"
ہر کوئی بپھرا ہوا تھا۔۔۔ ذکی سامنے ہوتے تو نجانے کیا کر ڈالتے۔۔۔ پھپھو گل سے ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافیاں مانگ

رہی تھیں۔۔۔۔ حالانکہ اس پورے قصے میں ان کا ذرا بھی ہاتھ نہ تھا۔ انہیں تو رتی بھر خبر نہ تھی کہ بیٹا کیا کیا کچھ سوچ بیٹھا ہے۔ بھنک بھی پڑ جاتی تو کیا ایسا ہونے دیتیں۔

شائستہ اور وہ دونوں ہی غائب تھے اور ان کے موبائل بھی بند تھے۔

"کیوں کیا۔۔۔۔ گل! تو نے کیوں اپنا بچہ اسے دے دیا۔۔۔۔ ارے کچھ ہمیں بتایا ہوتا۔ آواز تو دی ہوتی۔۔۔۔ کیسے اپنا کلیجہ نکال کر اپنی سوکن کو سونپ دیا۔۔۔۔ گل! تو انسان ہے یا پتھر۔۔۔۔" بڑی امی اسی کو دو ہتڑ مارنے لگیں۔۔۔۔ جو یوں چپ اور گم صم کھڑی تھی۔۔۔۔ گویا نہ کچھ دیکھتی ہو نہ سنتی اور اس کی چپ سے سب کو خوف آ رہا تھا، صبح معمول کے مطابق ہی ہوئی تھی۔ گھر کی خواتین نے رات کی آندھی کی وجہ سے اٹھتے ہی دھلائیاں شروع کر دی تھیں۔ پھپھو نے تشویش سے گل کے کمرے کی طرف دیکھا۔ ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ گل نے فجر کے وقت اٹھ کر کمرے کا دروازہ نہ کھولا ہو۔

"ابھی تک سو رہے ہیں۔" وہ فکر مند تو تھیں، مگر کچھ سوچ کر مسکرا دیں۔ تھوڑی دیر میں بیلا اوپر آئی اور آتے ہی دروازہ دھڑ دھڑا دیا۔ صائمہ کو دیکھے بنا اس کی صبح ہی کہاں ہوتی تھی۔ دروازہ لاک نہ تھا کھلتا چلا گیا وہاں نہ صائم تھا نہ ذکی بس گل کسی بے جان مجسمے کی طرح بیٹھی تھی۔۔۔۔ بیلا کے بار بار جھنجھوڑنے پر اس کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا۔

"وہ صائم کو لے گیا۔"

"کیوں اس بدنصیب کو ستاتی ہو۔ میرا بیٹا ہی ذلیل اور کمینہ نکلا کاش! وہ واپس ہی نہ آیا ہوتا۔" پھپھو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ بڑے ابا بے جان سے سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"لیکن ہم یوں خاموش ہو کر تو نہیں بیٹھ سکتے۔۔۔۔ ہم اس کے خلاف کیس کریں گے ابو۔۔۔۔ وہ اتنے چھوٹے بچے کو ماں سے الگ نہیں کر سکتا۔۔۔۔" سفیان بہت غصے میں تھے۔

"گل بیٹا! اس نے تم سے کچھ کاغذ وغیرہ تو سائن نہیں کروائے۔۔۔۔" چھوٹے ابو بار بار پوچھ رہے تھے۔ گل نے باری باری اپنے پیاروں کے پریشان چہروں کو دیکھا۔ پھر خاموشی سے اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔ وضو کر کے باہر نکلی۔ دوپٹہ ٹھیک طرح سے اوڑھا اور سائیڈ سے جائے نماز اٹھا کر بچھانے لگی۔۔۔۔ وہ سب جو کون سے وکیل سے مشورہ کریں ڈسکس کر رہے تھے۔ ایک دم چپ ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

پھپھو اپنی جگہ لرز کر رہ گئیں۔

گل نے اپنا مقدمہ رب کے حضور پیش کر دیا تھا۔



حبس زدہ دنوں کا سلسلہ تھا۔ اداسی گھر کی دیواروں پر مکار بلی کی طرح پھسکڑا مارے بیٹھی رہتی۔ ہر کوئی ایک دوسرے سے نظریں چرائے پھرتا۔۔۔۔ کبھی کبھی بڑی امی ضبط نہ کر پاتیں تو سسکیوں سے رونے لگتیں اور بیلا بے بسی سے سوچتی۔

"نہیں تو اور رونا چاہیے۔"

وہ سب کو گل کا مجرم سمجھتی تھی۔۔۔۔ ان سب نے مل کر گل کو برباد کیا تھا۔۔۔۔ نجانے اسے کس کس پر غصہ تھا کہ سب کام چھوڑے بیٹھی تھی اور پورے گھر میں بولائی بولائی پھرتی۔۔۔۔ سنا تھا ذکی کا فون پھپھو کے پاس آیا تھا۔۔۔۔ شاید معافی تلافی کر رہے تھے۔۔۔۔ پتا نہیں پھپھو نے کیا کہا۔ بیلا کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔۔۔۔ جو ظلم ہو تا تھا وہ ہو چکا۔ کیسی معافی اور تلافی تو ممکن ہی نہ تھی۔

گل کئی دن بے حس و حرکت جھولے پر پڑی رہی۔۔۔۔ بہت دن بخار ہی نہ اترتا تھا۔۔۔۔ اس کے اندر رزق کا دریا

خشک ہو کر صحرا ہو گیا تھا۔

"اب وہ ڈبے کا دودھ پیتا ہو گا۔" وہ اپنے خشک سینے پر ہاتھ رکھ کر ہو کتی۔

"کیا وہ شائستہ کو دیکھ کر اسی طرح ہمکتا ہو گا..... جیسے مجھ دیکھ کر۔"

"پتا نہیں وہ اسے شہد بھی چٹاتی ہو گی یا نہیں۔"

قریب ہی آہٹ ہوئی پھر بیلا کی آواز آئی۔

"آپی! کھانا کھالیں۔"

"یہ سب لوگ مجھے تنہا کیوں نہیں چھوڑ دیتے....." گل نے بے حد چڑ کر سوچا اور خاموشی سے اٹھ بیٹھی۔ بیلا نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ شملہ مرچ اور قیمے کا سالن تھا۔ کھیر کی پلیٹ، سلاد رائتہ..... اس نے بے دلی سے نوالہ بنایا۔

"آپی! آپ نے صائم ان کو کیوں دیا؟" اس سوال کا جواب مل کے ہی نہ دیتا تھا۔

"جاؤ..... بیلا! میرے لیے کھانا مت لایا کرو۔ بھوک ہو گی تو کچن سے لے لوں گی۔" بیلا کے لاکھ اصرار پر بھی اس نے دوسرا نوالہ نہ توڑا۔ وہ پچھتاتی ہوئی ٹرے کچن میں پٹخ کر کمرے میں آ گئی۔

"بے وقت تذکرہ چھیڑ دیا۔"

"ہر وقت جھنجلاتی رہتی ہو۔ اس طرح صائم واپس آجائے گا؟" زیبا نے ٹوکا۔ اس کے جواب دینے سے قبل ہی بیڈ پر پڑا اس کا موبائل بجنے لگا۔

"عاشر! بار بار کال کر رہا ہے۔" زیبا غالباً پہلے ہی اس کا نام پڑھ چکی تھی۔ بیلا نے موبائل اٹھا کر آف کیا اور الماری میں ڈال دیا۔ زیبا نے تعجب سے بیلا کے اس طرز عمل کو دیکھا۔

"تم عاشر کو کیوں اگنور کر رہی ہو۔" بیلا نے جواب نہیں دیا۔ مڑ کر باتھ روم میں گھس گئی۔

"اس کا دماغ کچھ زیادہ ہی خراب ہو گیا ہے۔" زیبا زیر لب بڑبڑائی، پھر اپنے موبائل سے عاشر کا نمبر ملانے لگی۔



کوئی کب تک بیٹھ کر ایک ہی دکھ کو روئے..... انسانی فطرت ہے۔ سو سب ہی دھیرے دھیرے اپنی اپنی زندگیوں کی طرف پلٹنے لگے۔ اب یہ تو ماں کا دل جانتا ہو گا جس نے اپنی نیندیں اپنے لخت جگر کی کاٹ میں رکھ دی تھیں اور اب دن رات مصلے پر بیٹھی اپنے رب سے مناجات کرتی تھی۔

سنا تھا کہ ذکی نے گل سے بات کرنے کے لیے فون کیا تھا مگر اس نے انکار کر دیا..... اب کوئی بھی پھاہا اس کے لگائے زخم کو سکون نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے الفاظ گل کے سینے میں انی کی طرح گڑے تھے۔ اس نے ذکی سے محبت کی تھی اور ذکی نے اسے صرف استعمال کیا تھا۔

"کیا رشتوں کو بھی چیزوں کی طرح استعمال کیا جا سکتا ہے؟" عاشر کو چھٹی نہیں ملی تھی۔ مگر گل کے لیے بے حد دکھی تھا، اوپر سے بیلا کی بے رخی، جو موبائل بند کر کے اسے یکسر نظر انداز کر رہی تھی۔

"آخر وہ چاہتی کیا ہے....." اس نے جھنجلا کر زیبا سے پوچھا۔

"ذکی بھائی کا غصہ تم پر نکال رہی ہے۔ تھوڑا وقت گزرے گا تو ٹھیک ہو جائے گی۔" زیبا نے تسلی دی۔

"فہد کے والدین تاریخ طے کرنا چاہتے ہیں۔"

بڑی امی نے بڑے ابو سے کہا۔ رات کے کھانے پر سب ہی موجود تھے..... بڑے ابو کی نظریں بے اختیار گل کی طرف اٹھیں..... گل نے بغیر نظریں اٹھائے آہستگی سے کہا۔

"بلا لیں ابو..... کب تک ٹالیں گے۔"

"ہوں۔" انہوں نے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔
"انوار کو بلا لیں.....،" انہوں نے گویا سہارا دیا۔ پھپھو نے اضطراری انداز میں پہلو بدلا' پانی کا گلاس بھرا.....ذرا سا کھنکاریں۔
"وہ عاشر چاہ رہا تھا۔ زیبا کی شادی میں اس کا اور بیلا کا نکاح بھی ہو جائے تو۔"
ذکی نے انہیں بھائیوں کے سامنے نکو بنا دیا تھا۔ باقی سب نے صلاح کے لیے ایک دوسرے کو دیکھا۔ بیلا نے چمچ اک آواز کے ساتھ پلیٹ میں پٹخا۔ زیبا نے گھبرا کر اپنا ہاتھ اس کے بازو پر رکھا' جسے بیلا نے تیزی سے جھٹک دیا۔
"ابو۔" اس نے سب کو چھوڑ کر براہ راست باپ کو مخاطب کیا۔ "زیبا کی شادی طے کریں' میری نہیں۔"
"کیا حرج ہے اگر.....،" پھپھو نے کچھ کہنا چاہا۔ اس نے تیزی سے بات کاٹ دی۔
"حرج ہے پھپھو! کیونکہ مجھے عاشر سے شادی نہیں کرنا ہے۔"
اس نے صاف لہجہ د آواز میں کہا اور دستر خوان سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔ سب اپنی جگہ متحیر سے رہ گئے تھے۔



ہر کوئی اپنی اپنی جگہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک گیا مگر اس کی ناں' ہاں میں نہ بدلی۔ وہ ضدی تو کبھی بھی نہ تھی مگر اب ضد کر رہی تھی۔
"تم عاشر کو کھو کر پچھتاؤ گی۔" زیبا نے لتاڑا۔
"میں پا کر پچھتانا نہیں چاہتی۔" وہ دو ٹوک انداز میں بولی۔
"سب کو ایک ہی لاٹھی سے کیوں ہانک رہی ہو..... عاشر ایسا نہیں ہے۔"
"اچھا..... کیا گارنٹی ہے...؟" اس نے طنزاً پوچھا۔
"تمہارا دماغ خراب ہے؟" زیبا چڑ گئی۔
"تم خاموشی سے اپنی شادی کی تیاری کرو..... میری فکر چھوڑ دو۔" وہ آرام سے اٹھ کر نہانے چل دی۔
"لیکن عاشر میں برائی کیا ہے۔" زیبا نے چلا کر پوچھا۔
"یہی کہ وہ ذکی کا بھائی ہے۔" اس نے دھاڑ سے دروازہ بند کر دیا۔ عاشر نے فون پر سنا تو خوب ہنسا۔
"یہ ہنسنے کی بات ہے؟" زیبا نے اچنبھے سے دریافت کیا۔
"اس کی عقل پر ہنسی آ رہی ہے۔"
"تم یہ سوچو کہ اس کے عقل ٹھکانے کیسے لائی جائے۔"
"فکر نہ کرو..... ٹھیک ہو جائے گی۔ ابھی غصے نے ہر جذبے پر پردہ ڈال دیا ہے..... تھوڑا وقت گزرے گا تو سب کچھ صاف صاف دکھائی دینے لگے گا۔ میں بھی اور میری محبت بھی۔"
"گویا تم نکاح کے فیصلے سے دستبردار ہو رہے ہو؟"
"ہونا پڑے گا۔ میں زبردستی اسے اپنی زندگی میں شامل نہیں کرنا چاہتا خود غرض کہلاؤں گا۔"
"اور اگر وہ....." زیبا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔
"وہ جذباتی ہے' بے وقوف نہیں..... مجھے اپنے رب اور اپنی محبت پر پورا یقین ہے۔"
"اچھا بھئی جیسے تم لوگوں کی مرضی' شادی میں تو آؤ گے نا....."
"کوشش کروں گا' چھٹی ملنا بہت مشکل ہے۔ کل آپی کیسی ہیں؟"
"بظاہر تو ٹھیک ٹھاک ہیں۔" زیبا نے اک طویل سانس لے کر کہا۔



گھر میں شادی کے ہنگامے شروع ہو چکے تھے۔ تیاریاں تو دونوں گھروں میں بہت عرصے سے ہو رہی تھیں، پھر بھی چھوٹے چھوٹے کام نکلتے چلے آ رہے تھے۔۔۔ گل نے کئی سوٹ اپنے ہاتھوں سے کاڑھے تھے۔۔۔ بس ایک ہی دل دکھاتی بات تھی کہ ہر آنے والا مہمان، گل سے بچے کی بابت ضرور دریافت کرتا، پھر تبصرے، حیرانی، وہ کس حوصلے سے یہ سب سہار رہی تھی۔

وہ مہندی کی رات تھی۔

خوشبو بھرا ہنگامہ عروج پر تھا۔ بیلا کچھ چھوٹی چھوٹی چیزیں رکھنے کمرے میں آئی تھی، جہاں خواتین جمع تھیں۔

"بھئی! اب بیلا کے بارے میں سوچو۔۔۔ لڑکیوں کا مناسب عمر میں رشتہ ہو جائے تو اچھا ہے۔"

بیلا نے پلٹ کر اس خاتون کو دیکھا، جو اس کی ماں کو گھیرے بیٹھی تھی۔

"جو اللہ کو منظور۔۔۔" وہ ہلکے ہلکے مسکرا رہی تھیں۔۔۔ بیلا کو عجیب سے احساس نے گھیر لیا۔ اس نے پہلی بار اپنے معاملے کو ماں کے حوالے سے دیکھا تو ندامت سی محسوس ہوئی۔ اس کے انکار نے انہیں کس مشکل سے دوچار کیا ہے، اس کا احساس بھی اسی لمحے ہوا۔۔۔ وہ ٹال رہی تھیں، اور خاتون کو بیلا کے سوا اور کوئی موضوع ہی نہ مل رہا تھا۔ بیلا جھنجلا کر باہر نکلی تو دروازے میں کسی سے ٹکرا گئی۔

"سنبھل کر یار۔۔۔"

"تم۔" وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ عاشر کو افسوس سا ہوا۔ اس کا وہ بے ساختہ اظہار آج مفقود تھا۔

"تو بیلا بی بی! میری رسائی ابھی تک آپ کے دل تک نہیں ہوئی۔" عاشر نے سوچا، بیلا کترا کر نکل گئی۔ عاشر خواتین کے گھیرے میں تھا۔۔۔ مریم اور فرح کے آنے سے شادی کی رونق دوبالا ہو گئی۔ فیضان اور سونیا آ تو نہ سکے مگر زیبا کے لیے بہت سے گفٹس بھجوائے تھے۔ خصوصاً" فیضان کو شادی میں شریک نہ ہونے کا بے حد افسوس تھا جس کا اظہار اس نے بار بار فون کر کے کیا۔

فون کی بیل پھر سے بج رہی تھی۔

بیلا نے چونگا اٹھایا۔۔۔ مگر دوسری طرف ذکی تھے۔۔۔ بیلا کی طبیعت مکدر ہو گئی۔ وہ چونگا رکھنا چاہتی تھی۔۔۔ مگر ذکی بول اٹھے۔

"پلیز بیلا! فون بند مت کرنا۔"

"میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتی۔" اس نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "میں تو شروع سے جان چکی تھی۔ آپ انتہائی خود غرض اور بے حس انسان ہیں۔ نجانے گھر والے کس خوش فہمی کا شکار ہو گئے۔"

ذکی اس کے لہجے کے تنفر پر ایک پل کو خاموش ہو گئے۔ پھر قدرے ناگواری سے بولے۔

"وہ میرا بچہ ہے۔۔۔ میرے ساتھ رہ رہا ہے۔"

"اچھا اور گل آپی۔۔۔؟ اس پورے ڈرامے میں ان کا کردار ادا کیا تھا۔ وہ صرف بچہ پیدا کرنے کی مشین تھیں۔ وہ پھٹ پڑی۔ "ایک ماں کا کلیجہ نوچتے ہوئے آپ کو ذرا بھی خوف خدا نہ آیا۔۔۔ ذکی صاحب! آپ کو بددعاؤں سے خوف نہیں آتا۔"

عقب سے کسی نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ریسیور تھام لیا۔ وہ پلٹی پھر گل کو دیکھ کر ساکت ہو گئی۔

"گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے بیلا۔۔۔ جاؤ باہر مہندی کی رسم شروع ہو رہی ہے۔" بیلا متذبذب سی اسے دیکھتی باہر نکل گئی۔

"گل! کیسی ہو۔۔۔؟" ذکی غالباً" اس کی آواز سن چکے تھے۔ وہ خاموش ہی رہی۔

"اپنے بیٹے کے بارے میں نہیں پوچھو گی۔"
گویا زخم دے کر زخم کریدنے کی عادت بھی تھی۔
"وہ تمہارا بیٹا ہے۔" گل کا لہجہ سپاٹ تھا۔ باہر ڈیک فل آواز میں چلنے لگا۔
"تم نے شادی کے لیے کپڑے بنوالیے..... میں نے تمہارے اکاؤنٹ میں....."
گل کو لگا اس کے کان بند ہو رہے ہیں اور وہ کہہ رہے تھے۔
"تم میری بیوی ہو..... تمہاری ضروریات کا خیال رکھنا میرا فرض ہے..... اور جو احسان تم نے ہم پر کیا ہے..... یقین جانو..... ہمارا اپارٹمنٹ خوشیوں سے بھر گیا ہے۔"
وہ اب یہ سب کیوں کہہ رہے تھے اور کس لیے؟
کیا یہ ان کے اندر کا احساس ندامت تھا۔
گل نے ریسیور پٹخا اور تیز تیز چلتی اندر چلی گئی۔ باہر ہنگامہ تھا' شور اور خوشیاں۔ اندر وہ تھی..... اپنی آہوں کو دباتی نجانے آج ہوا کیا تھا کہ وہ قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی..... اس کا اندر کٹ کٹ کر گر رہا تھا۔
اب یہی تھا اس کے اور زکی کے مابین رشتہ..... وہ دنیا کی نظر میں ان کی بیوی تھی اور وہ اس کے رشتے کو روپے پیسے سے تول رہے تھے۔
وہ مطمئن تھے کہ ان کا گھر خوشیوں کا گہوارہ تھا..... اور یہ بھول گئے کہ ان خوشیوں کے لیے انہوں نے کسی کی گود ویران کی تھی۔
آج صائم اس کی گود میں ہوتا تو کیا وہ یوں دنیا کی ترحم بھری نگاہوں کا سامنا کر رہی ہوتی..... اس کا خیال تھا۔ اسے صبر آگیا ہے۔ وہ خود کو سنبھال چکی ہے۔ مگر آج اس خوشیوں بھرے ماحول میں اس نے خود کو کس قدر تنہا' اداس اور ویران محسوس کیا تھا..... اس کا صائم..... اس کا لخت جگر۔
اس کی کلکاریاں' کھلکھلاہٹیں۔
اک ہوک تھی' جو دل سے اٹھ کر پورے وجود میں پھیل رہی تھی۔
اک درد تھا' جو ہمت ڈھا رہا تھا۔
اک آہ تھی' جو عرش تک جا رہی تھی۔
ایسی آہ' جو ظلم کرنے والے کے ظلم کا حساب لیتی ہے۔
ایسی آہ جو نہ چاہتے ہوئے بھی' بددعا بن کر لبوں سے لپٹ جاتی ہے۔



دو بجے کا عالم تھا..... تھکن کی ماری خواتین' لڑکیاں اور بچے یہاں وہاں لڑھک گئے۔ بیلا نے بھی جلدی جلدی مٹھائیوں کے ڈبے وغیرہ سنبھالے..... امی کو چائے کا کپ امی کو دینا تھا۔ اس کے بعد وہ فوراً سو جانا چاہتی تھی..... اس نے چائے کپ میں نکالی' کچن کی لائٹ اور دروازہ بند کیا..... اور چائے لے کر ماں کے کمرے میں آگئی' جہاں دیگر خواتین محو خواب تھیں۔
"جیتی رہو بیٹی..... اب تم بھی سو جاؤ..... ورنہ صبح آنکھ نہیں کھلے گی۔" انہوں نے نرمی و شفقت سے کہا تو وہ جاتے جاتے پلٹی اور جھجکتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"امی! آپ مجھ سے ناراض تو نہیں۔"
"کس لیے؟" وہ چونکیں۔
"وہ میں نے عاشر کے....." اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا..... انہوں نے چائے کا ایک گھونٹ لیا..... پھر

پوچھا۔
"تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔"
"غلطی!" اس نے تحیر سے ماں کو دیکھا۔ "مجھے نہیں لگتا میں غلطی پر ہوں۔"
"والدین اپنی اولاد کا برا چاہ سکتے ہیں؟" انہوں نے رسانیت سے دریافت کیا۔
"لیکن ان کے فیصلے غلط تو ہو سکتے ہیں۔" اس نے واضح انداز میں ان سب کے ایک غلط فیصلے کو جتایا تھا۔ وہ خاموش سی ہو گئیں۔
"ٹھیک ہے..... میں آپ سب کی رضا میں راضی ہوں لیکن....." اک رشتے دار خاتون نے کروٹ بدلی تو وہ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اور اوپر آ گئی۔ جہاں بیڈ پر زیبا' مریم ان کے بچے گتھم گتھا سو رہے تھے نیچے فرح اور اس کی نند گدے بچھائے پڑی تھیں۔ اسے بھی انہیں کے درمیان جگہ بنانا تھی۔ مگر بے چینی سی تھی..... تب ہی لیٹنے کے بجائے وہ موبائل نکال کر بیٹھ گئی۔ شادی کی وجہ سے اسے اپنا موبائل دوبارہ آن کرنا پڑا تھا' ورنہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ یہ سیل عاشر کو واپس کر دے گی۔
وہاں اسی نمبر سے SMS منتظر تھا۔
بیلا نے نہ چاہتے ہوئے بھی کھول لیا۔
"کیا تم بھی پھر"
شام کی دہلیز پہ آس کی آہٹ پر
دروازے کی جانب بھاگے جاتے ہو
کیا تم بھی درد چھپانے کی کوشش کرتے
اکثر تھک جاتے ہو اور بن کارن مسکاتے ہو
کیا تم بھی
نیند سے پہلے پلکوں پر ڈھیروں خواب سجاتے ہو
یا پھر بے خواب چیزوں میں
روتے روتے سو جاتے ہو
کیا تم بھی؟
"میں اس وقت کا انتظار کروں گا' جب میری محبت تمہارے دل پر یقین بن کر اترے۔"
"گل آپی پر بھی یہ محبت یقین بن کر اتری تھی۔" اس نے بیزاری سے موبائل ایک طرف ڈال دیا۔
"محبت ذکی نے نہیں گل نے کی تھی۔" کوئی اس کے اندر بولا۔
"تب بھی کیا گل صنوبر اس رویے کی حقدار تھی..... جو ذکی نے اس کے ساتھ روا رکھا۔"
"ذکی اور عاشر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔" دل باغی ہو رہا تھا۔
"سب مرد ایک سے ہوتے ہیں۔"
"ایک ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر ہوتی ہیں؟"
"میں انگلیوں کی بات نہیں کر رہی۔"
"ایک ماں کی پانچ اولادیں اپنی عادات' خیالات و جذبات میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ تم عاشر اور ذکی کو ایک پلڑے میں کیسے رکھ سکتی ہو۔"
"تم بکواس بند کرو۔"

"اچھا آخری بات محبت کو ٹھکرانے والے بدنصیب ہوتے ہیں..... بالکل ذکی کی طرح....."
وہ دم بخود رہ گئی۔ کیا وہ بھی ناشکری کی مرتکب ہو رہی ہے۔ جس طرح ذکی ہوئے۔ کمرے میں گھٹن بڑھ گئی یا اس کے اندر اضطراب۔
اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔ پھر ٹھٹک گئی۔
سامنے اندھیرے میں دو نفوس تھے۔
ایک آنسو بہاتا، دوسرا آنسو پونچھتا ہوا۔
وہ دونوں اس کے دل کے بے حد قریب تھے۔
اب بولو! کیا اس حساس دل کو ٹھیس پہنچا کر خوش رہ پاؤ گی۔"
اس نے بے جان ہاتھوں سے کھڑکی بند کر دی۔



اسٹیج پر بیٹھی زیبا کے چہرے پر الوہی خوشیوں کا عکس چھلکتا تھا۔
وہ ولیمہ کی دلہن تھی، سو شرماہٹ کی جگہ مسکراہٹ اور گھبراہٹ کی جگہ خود اعتمادی نے لے لی تھی۔ پہلو میں بیٹھا فہد شاداں و فرحاں دکھائی دیتا تھا۔ ہلکی پھلکی آپس میں گفتگو بھی جاری و ساری تھی۔
"اب پھلجھڑیاں چھوٹ رہی ہیں..... کچھ عرصے کے بعد آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔" ساڑھی سنبھالتی فرح نے چڑ کر کہا۔ اس کی ساس کی فرمائش تھی کہ وہ شادی میں سارا زیور پہنے..... سو وہ لدی پھندی بیزار بیٹھی تھی۔ بیلا کو ہنسی آ گئی۔
"سچ کہتی ہوں بیلا! شادی کے بعد سب کچھ بدل جاتا ہے۔"
اس سے پہلے کہ وہ مزید روشنی ڈالتی..... امی نے بیلا کو آواز دے دی۔
"گل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے..... ہم ابھی گھر چلتے ہیں۔ کھانا تو کھا ہی چکے ہیں۔ میرے بھی سر میں درد ہے۔"
"ٹھیک ہے۔" وہ زیبا سے ملنے اسٹیج کی طرف چلی گئی۔ باہر آئی تو عاشر گاڑی لیے منتظر تھا۔ اسے بھی ابھی واپس جانا تھا..... سارا راستہ وہ اور امی باتیں کرتے آئے، جبکہ بیلا گاڑی سے باہر جھانکتی رہی۔ عاشر کا دل چاہا وہ اس کی تعریف کرے۔ وہ آف وائٹ فراک اور پاجامے میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ مگر ایک تو ممانی کا لحاظ مانع تھا..... دوسرا اس کے خیال میں وہ پہلے ہی خاصی بگڑی ہوئی تھی۔ گھر آ کر امی نے گل کو دیکھا..... وہ نڈھال سی لیٹی تھی۔ حالانکہ بخار بھی نہ تھا۔ بس گل سے یونہی پڑی تھی۔
"میں کپڑے بدل لوں..... گل کو کھانا کھلا دو۔"
"میں کھا لوں گی، آپ فکر نہ کریں....." گل اٹھ کر بیٹھ گئی..... امی گئیں تو اس نے بیلا کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔
"ابھی رہنے دو..... بعد میں کھا لوں گی..... تم بتاؤ زیبا کیسی لگ رہی تھی؟"
"بہت پیاری....." وہ اسے چھوٹی چھوٹی باتیں بتانے لگی۔ تب ہی عاشر آ گیا۔
"اچھا گل آپی! اب مجھے اجازت دیں۔"
"اتنی جلدی؟"
"جی، اتنی ہی چھٹی ملی تھی۔" وہ ان کی دوسری طرف پر بیٹھ گیا۔ بیلا اٹھنے کے لیے پر تولنے لگی۔ گل نے بیلا کا ہاتھ پکڑ لیا اور نرمی سے پوچھنے لگی۔
"ابھی تک عاشر سے خفا ہو....."

"میں کسی سے خفا نہیں ہوں۔۔۔۔" وہ جزبز ہو گئی۔ عاشر کے سامنے جواب طلبی کی توقع ہی کہاں تھی۔ عاشر مبہم سا مسکرایا۔

"محبت کو ناراض نہیں کرتے۔"

"مجھے کسی سے محبت نہیں۔" بیلا نظریں چرا گئی۔ عاشر بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"اسے تو ہے۔۔۔۔"

"آپی! مجھے جانے دیں۔" وہ بے بس ہو کر بولی۔

"جاؤ۔۔۔۔ لیکن میری بات سنو۔۔۔۔"

"آپ بتائیں۔۔۔۔ کیا آپ کو صبر آگیا ہے۔" بیلا نے تیزی سے بات قطع کی۔

"بار بار ایک ہی بات کیوں کرتی ہو۔ محبت نے قربانی مانگی تھی، میں نے دے دی۔"

"اولاد کی قربانی۔" بیلا سے قبل عاشر بول اٹھا۔۔۔۔ گل صنوبر چپ سی ہو گئی پھر دھیمے سے بولی۔

"بیلا۔۔۔۔ عاشر! مجھے صرف ایک بات کا یقین ہے۔ میرا خدا ناانصافی نہیں کرتا۔۔۔۔ جو میرا ہے اُسے لوٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے۔"

گل صنوبر کا لہجہ پرسکون تھا۔ فون کی گھنٹی اک تواتر سے بجنے لگی تھی۔۔۔۔ پھر آواز آنا بند ہو گئی۔ یقیناً امی نے فون ریسیور کر لیا تھا۔

"آپی! یہ لاجک میری سمجھ میں نہیں آتی۔ کب صائم بڑا ہو گا۔ کب اسے پتا چلے گا کہ اس کی ماں شائستہ نہیں گل صنوبر ہے۔"

"گل صنوبر۔۔۔۔" امی افتاں و خیزاں کمرے میں داخل ہوئیں۔

"کچھ سنا ذکی کا فون تھا۔ وہ شائستہ۔۔۔۔ شائستہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں۔۔۔" ان کا گلا رندھ گیا۔

"ذکی۔۔۔۔ ڈیڈ باڈی کے ساتھ کل پاکستان آرہا ہے۔"

وہ سب دم بخود تھے۔ گل صنوبر ساکت و صامت تھی۔

اس نے تو ایک بار بھی شائستہ کے بارے میں ایسا نہیں سوچا تھا۔ اس کا اس قصے میں کیا کردار ہے۔۔۔۔ اس نے تو کسی کو بددعا نہیں دی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ شائستہ کی جواں مرگی پر افسوس کرے یا بیٹے اور شوہر کی واپسی کی خوشی منائے۔

وہ آہستگی سے اٹھی اور وضو کرنے چلی گئی۔

امی رو رہی تھیں۔

عاشر اپنے موبائل پر کسی کا نمبر ملا رہا تھا۔ بیلا نے پلٹ کر دیکھا۔

گل صنوبر جائے نماز بچھا رہی تھی۔ اس نے ابھی کہا تھا۔

"مجھے خدا کے انصاف پر پورا یقین ہے۔۔۔۔ جو میرا ہے اُسے لوٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے۔"

